

# فتاویٰ

جزاؤں

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

روزمرہ زندگی کے 270 سے زائد  
اہم مسائل پر اردو زبان میں فتوے



سماتہ اشیح

عبدالغزیزین عبداللہ بن باز

۲۰۷  
ف - ن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

\*\*\* توجہ فرمائیں! \*\*\*

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

\*\*\* تنبیہ \*\*\*

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر  
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

[webmaster@kitabosunnat.com](mailto:webmaster@kitabosunnat.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# فتاویٰ



# مكتبة دار السلام

فرع شارع الأمير عبد العزيز بن جلوي

الرياض - تلفون: ٤٠٣٣٩٦٢ فاكس: ٤٠٢١٦٥٩

حقوق الطبع محفوظة  
الطبعة الأولى

257-15  
ابن - ف

٢ مكتبة دار السلام للنشر ، ١٤١٥ هـ .

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية

ابن باز ، عبدالعزیز بن عبداللہ

الفتاوى / ترجمة مكتبة دار السلام .

... ص : ... سم

ردمك ٦-٣٦-٧٤-٩٩٦ .

النص باللغة الاردية

١- الفتاوى ١- مكتبة دار السلام ( مترجم ) ب - العنوان

١٥/١٧٣٦

ديوي ٢٥٩

رقم الإيداع : ١٥/١٧٣٦

ردمك : ٦-٣٦-٧٤-٩٩٦ .

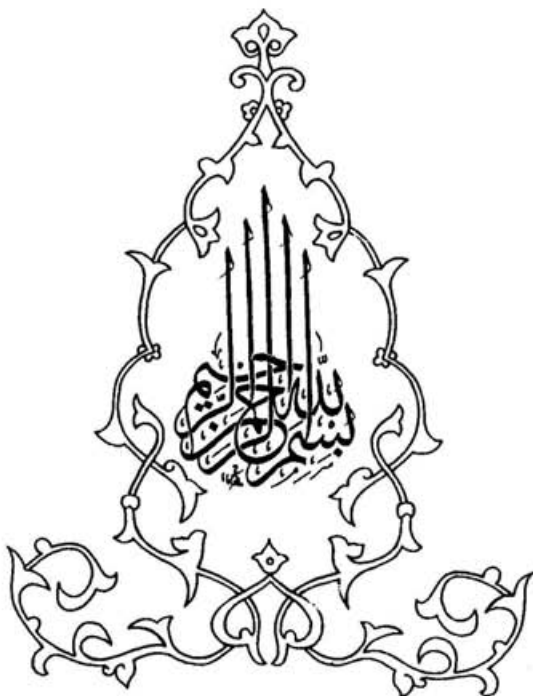
١٤١٥ هـ - ١٩٩٥ م

# فتاویٰ

روزمرہ زندگی کے ۲۷۰ سے زائد  
اہم مسائل پر اردو زبان میں فتوے

جزء اول

سماحة الشیخ /  
عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز



لِکْتِبَةِ الرَّسَائِلِ

۹۹۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

نمبر ۱۷۷۶۸

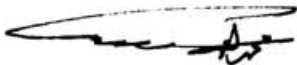
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الرقم :  
التاريخ : ١٧/٧/١٤١٥ هـ  
المشروعات :  
الموضوع :

المملكة العربية السعودية  
رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء  
مكتب المفتي العام للمملكة

### الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده وبعد:

فقد تشرفت بالإطلاع على الترجمة الأردنية للجزء الأول لفتاوى سماحة والدنا وشيخنا العلامة عبد العزيز بن عبد الله بن باز حفظه الله، الذي نشرته مؤسسة الدعوة الصحفية بالرياض، فوجدتها ترجمة جيدة سعى فيها المترجم إلى حد بعيد أن تكون الترجمة مطابقة للنص العربي. وقد أقيمت عليها نظرة بعد إعدادها للطباعة فوجدتها خالية من الأخطاء المطبعية. ولا يخفى على طلبة العلم وعلى كل من له عناية بالعلوم الشرعية ما لفتاوى سماحة شيخنا من الأهمية العلمية. فهنيئاً للناطقين باللغة الأردنية وهنيئاً لمكتبة دارالسلام التي تبنت فكرة نقل هذه الفتاوى إلى اللغات الحية في العالم. والله ولي التوفيق.



د. محمد لقمان السلفي

مدير إدارة الترجمة بمكتب سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز حفظه الله





## عرض ناشر

شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کی عظیم المرتبت شخصیت عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ مملکت سعودی عرب کے مفتی اعظم، دارالافتاء کے رئیس اور بے شمار اسلامی اداروں کے سربراہ ہیں۔ عصر حاضر میں شیخ ابن باز سے عالم اسلام کو جتنا فائدہ پہنچا ہے شاید ہی کسی اور عالم دین سے پہنچا ہو۔ پوری دنیا میں ان کے مقرر کردہ داعی، ان کے مبعوث علماء کرام، اور ان کے قائم کردہ مدارس و اسلامی مراکز کام کر رہے ہیں اور اسلام کی شمع کو دنیا بھر میں روشن کئے ہوئے ہیں۔

شیخ ابن باز کی زندگی پر جب انسان نظر ڈالتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے کہ وہ حیات مستعار کی ۸۵ سے زائد بہاریں دیکھنے کے باوجود انتہائی مصروف کار ہیں اور ان کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اس کے دین کو پھیلانے کے لئے وقف ہے۔ اسلام سے متعلق تقریباً تمام ہی موضوعات پر شیخ کی تصانیف موجود ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ کہا :

”میں نے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ (خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کے والد گرامی) کے دور سے لکھنا شروع کیا۔ اللہ کی قسم! میں نے آج تک جو بھی لفظ لکھایا لکھوایا، وہ صرف اللہ کی رضا کے لئے تھا“ شاید یہی وجہ ہے کہ جتنی پذیرائی ان کی کتب کو حاصل ہوئی ہے، عصر حاضر میں کسی مولف کے حصے میں کم ہی آئی ہے۔

اپنے تمام علمی اور اداراتی مناصب کے ساتھ ساتھ انہوں نے بے شمار مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں فتوے دیئے ہیں۔ ان فتوؤں میں انہوں نے ہمیشہ محدثین کے مسلک کو پیش نظر رکھا ہے اور ہمیشہ پہلے دلیل قرآن پاک سے دی ہے اور پھر اس کے بعد احادیث صحیحہ سے استدلال کیا ہے۔ ان کے فتوے مختلف کتابوں اور جرائد میں چھپتے رہے ہیں، حال ہی میں مجلہ ”الدعوة“ نے ان کے فتاویٰ کو کتابی صورت میں شائع کیا ہے اور دارالسلام اپنے روایتی انداز میں ان فتوؤں کو اردو زبان میں شائع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ پاکستان کے مشہور عالم دین، محقق اور بہت ساری کتابوں کے مولف جناب مولانا عبدالرحمن کیلانی صاحب نے کیا ہے جب کہ ہمارے ادارے کے بہترین رفقاء کار جناب محمد ایوب، کلیل احمد السلفی اور حافظ عبدالستین راشد صاحبان نے اس پر نظر ثانی کی۔ جناب کلیل احمد السلفی کی عمیق نگاہوں نے ہر چھوٹی بڑی کمی کی نشان دہی کی اور اسے دور کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ان فتوؤں کے اردو ترجمے کو ساحہ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے مدیر مکتب ترجمہ جناب ڈاکٹر محمد لقمان سلفی صاحب نے پڑھا، اپنے بیش قیمت مشوروں سے نوازا اور قابل قدر اصلاح فرمائی۔ الحمد للہ اب تمام مراحل سے گزرنے کے بعد کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں اگر کوئی خوبی ہے تو یہ اللہ کا فضل ہے اور اگر ترجمہ میں کوئی کمزوری رہ گئی ہے تو اس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں اور قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ ازراہ کرم اس کے بارے میں ہماری رہنمائی فرمائیں، انشاء اللہ انتہائی شکر یہ کے ساتھ اس کو آئندہ ایڈیشن میں دور کر دیا جائے گا۔

میں ایک دفعہ پھر دار السلام کے ان تمام کارکنان کا مشکور ہوں جنہوں نے انتہائی محنت کے ساتھ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو امت مسلمہ کے لئے فائدہ مند بنائے اور اس کے فاضل مؤلف، مترجم اور تمام کارکنان کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ والسلام

خادم کتاب و سنت

عبدالمالک مجاہد

جنرل مینجر مکتبہ دار السلام

## فہرست فتاویٰ جز اول

صفحہ نمبر	عنوان
۷	عرض ناشر
	مقدمہ
۲۲	ساحۃ الشیخ کے مختصر حالات زندگی
۲۶	عقیدہ
۲۶	ہر وہ بات جس کی بجائے ضروری سمجھی جائے، وہ دین ہی ہوتا ہے
	قربانی اور نذریں
۲۷	قبروں پر ذبح کرنا اور اسے وسیلہ بنانا
	تصویریں اور مجسمے
۳۰	زینت کے لیے گھروں میں رکھنا
۳۱	گھروں میں تصویریں لگانے کا حکم
	منتر اور تعویذ
۳۲	منتر اور تعویذوں کا حکم
۳۳	علاج میں فریب کاری اور جنوں سے خدمت لینا
	قبروں پر تعمیر
۳۵	تعمیر اور اس پر لکھنا
۳۶	قبر والوں کے نام لکھنا
۳۷	مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر باقی رکھنے کی حکمت
۳۸	اسلام سے بیزاری کی قسم
۳۸	نبی اور اولیاء کی قسم
۳۹	غیر مشروع ذکر و اذکار
۴۰	پورا مسلمان کون ہے؟
۴۱	ایسا نوجوان جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اور نافرمانی بھی کرتا ہے

- ۴۳ اللہ تعالیٰ کے اس قول وان منکم الا وادعھا کے معنی  
 ۴۳ قیامت کی ایک علامت  
 ۴۴ دین پر افترا کرنے والے کا حکم

## طہارت :

### وضو

- ۴۶ جرابوں پر مسح کرنے کا جواز  
 ۴۶ پاؤں دھونے سے پہلے جرابیں پہن لینا  
 ۴۸ جرابیں پہننے کا طریقہ  
 ۴۹ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

### غسل

- ۵۰ جنبی، حائضہ اور نفاس والی کے قرآن پڑھنے کا حکم  
 ۵۱ احتلام کی وجہ سے نہانا  
 ۵۲ جسے پانی تکلیف دے اس کا نہانا

### حیض و نفاس

- ۵۲ دعاؤں والی کتاب پڑھنا  
 ۵۳ کتب تفسیر پڑھنا  
 ۵۴ نفاس والی عورت کی چالیس دن سے پہلے کی نماز اور روزے  
 ۵۴ غسل کے بعد اگر پھر خون آجائے  
 ۵۵ اس عورت کی نماز اور روزے جسے دوبارہ حیض کا خون آتا ہو

### نماز

- نماز کی شرائط اور ارکان  
 ۵۶ جو قبلہ کی تلاش کے باوجود کسی اور طرف نماز پڑھ لے  
 ۵۶ ہوئی جہاز والے کی نماز جسے قبلہ رخ معلوم نہ ہو سکے  
 ۵۷ شفاف کپڑوں میں نماز پڑھنا  
 ۵۸ (صبح کی) اذان سے پہلے نماز پڑھ لینا

### اذان

- ۵۹ کیا آخری وقت میں اذان دینا جائز ہے؟

تہیتۃ المسجد

- ۶۰ مغرب کی اذان کے بعد نماز تہیتۃ
- ۶۱ جمعہ کے خطبہ کے دوران نماز تہیتۃ
- ۶۲ نبی کے اوقات میں صلوٰۃ تہیتۃ
- نماز باجماعت
- ۶۳ نماز باجماعت پانا
- ۶۴ بعد میں شامل ہونے والے کی تکبیر تحریمہ
- امامت
- ۶۵ کمزور قراءت والے کی امامت
- ۶۵ قراءت میں اتار چڑھاؤ کرنے والے کی امامت
- ۶۶ سورہ فاتحہ میں اتار چڑھاؤ کرنے والے کی امامت
- ۶۶ امام کو لقمہ دینا
- ۶۷ پاؤں کئے کی امامت
- ۶۷ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد امام کا سکوت
- ۶۸ امام کا بلند آواز سے پڑھنا
- ۶۹ صفوں کی بائیں جانب نماز والی حدیث
- ۶۹ جو مقتدی سورہ فاتحہ نہ پڑھ سکے
- ۷۰ نفل نماز والا امام اور فرض نماز والا مقتدی
- ۷۱ اگر مسافر امام اور مقتدی مقیم ہو
- ۷۱ مساجد میں عورتوں کی نماز
- ۷۲ چار دیواری شدہ تعمیر میں عورتوں کی اقتداء
- ۷۲ مخلی منزل میں عورتوں کی اقتداء
- ۷۳ نماز قصر اور جمع
- نماز جمعہ
- ۷۳ نماز جمعہ کی صحت کے لیے نمازیوں کی تعداد
- کیا چالیس نمازی ہونا جمعہ کے لیے شرط ہے؟
- ۷۴ نماز جمعہ کی قضا
- نماز عیدین
- ۷۵ کیا دیہاتوں میں عیدین کی نماز پڑھنا درست ہے؟

## نماز سے متعلقہ احکام

- ۷۶ پتلون کے ساتھ نماز  
۷۶ بعض نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کی حکمت  
۷۶ فجر کی سنتوں کی قضاء  
۷۷ نذر کی نماز کی ادائیگی  
۷۸ تصویر والی گھڑی پہنے ہوئے شخص کی نماز  
۷۸ نماز میں ایک ہی سورت کا تکرار  
۷۹ نمازی کا قرآن سے دیکھ کر پڑھنا  
۸۰ نماز چاشت کا وقت  
۸۰ نماز کے دوران دعا  
۸۱ نماز کے بعد دعا  
۸۲ تشدد میں سبب کو ہلانا  
۸۲ دائیں ہاتھ سے تسمیحات گننا افضل ہے  
۸۳ مسجد پر تسمیحات پڑھنا

## سجود السهو

- ۸۴ دوران نماز ذہن کا منتشر ہونا  
۸۵ رکعتوں کی تعداد میں امام یا نمازی کو شک ہونا  
۸۵ مقتدی کا باجماعت نماز میں بھول جانا  
۸۶ سورۃ فاتحہ کی قراءت میں شک ہونا  
۸۶ قراءت فاتحہ اور تکبیر میں شک ہونا  
۸۷ نماز کی ادائیگی کے بارے میں شک ہونا

## مکروہات نماز

- ۸۸ جس نے پیاز یا لہسن یا ٹوم کھایا ہو، اس کے مسجد میں آنے کی کراہت  
۸۹ کراہت کے بعض اوقات  
۹۰ نماز میں منہ لپیٹنے اور ٹیک لگانے کی کراہت  
۹۰ نمازی کے آگے سے گزرنے کی کراہت  
۹۱ بدبودار جگہ میں نماز ادا کرنے کی کراہت  
۹۳ نماز کے دوران حرکتوں کی کراہت

- ۹۴ نماز کے دوران خون کا نکلنا
- ۹۵ نماز کے دوران کسی چیز کا نکلنا
- نماز اور نماز باجماعت کو معمولی سمجھنا
- ۹۵ صبح کی نماز گھر میں ادا کرنا
- ۹۷ جو شخص نماز فجر میں شامل نہ ہو کیا اس کی محکمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو شکایت کی جائے؟
- ۹۸ کیا مغرب کی نماز میں تاخیر جائز ہے؟
- ۹۸ میں اپنے ہمسائے کو نماز فجر کے لیے نہ جگاؤں تو کیا میں مجرم ہوں؟
- ۱۰۰ دانستہ نماز چھوڑنے کا حکم
- ۱۰۱ جو شخص نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے اس سے کیا میں صلہ رحمی کروں یا نہیں؟
- ۱۰۲ نماز کے تارک کے ساتھ رہنے کا حکم
- ۱۰۳ ایسے شخص سے دوستی کا حکم جو نماز کو معمولی سمجھتا ہو۔
- ۱۰۴ جو شخص اپنے بھائی کو "اے کافر" کہے، اس کا حکم
- ۱۰۵ جو شخص نماز کو معمولی سمجھے، اللہ اسے پندرہ سزائیں دیتا ہے

زکوٰۃ

اموال جن میں زکوٰۃ واجب ہے

- ۱۰۷ زیور کی زکوٰۃ
- ۱۰۸ زکوٰۃ کون ادا کرے؟
- ۱۰۹ سونے کے قلموں کی زکوٰۃ
- ۱۱۰ ان سکوں کی زکوٰۃ جو شائقین اکٹھے کرتے ہیں
- ۱۱۰ شادی کے لیے جمع کردہ مال کی زکوٰۃ
- ۱۱۰ شادی کی تیاری کے مال کی زکوٰۃ
- ۱۱۱ شادی یا مکان بنانے کے لیے جمع ہونے والے مال کی زکوٰۃ
- ۱۱۲ گھروں اور گاڑیوں کی زکوٰۃ
- ۱۱۲ کرایہ پر چڑھائے ہوئے مکان کی زکوٰۃ
- ۱۱۳ جائیدادوں کی زکوٰۃ
- ۱۱۳ فروختی زمین کی زکوٰۃ

- ۱۱۳ پڑی ہوئی زمین کی زکوٰۃ  
 ۱۱۴ تنخواہوں کی زکوٰۃ  
 ۱۱۴ بالاقساط جمع کردہ مال کی زکوٰۃ  
 ۱۱۴ مسجد کی تعمیر فنڈ میں زکوٰۃ  
 ۱۱۵ باہمی تعاون کی کمپنی کے مال کی زکوٰۃ  
 ۱۱۵ طلبہ کے تعاونی صندوق کی زکوٰۃ  
 ۱۱۶ ایسے مال کی زکوٰۃ جس پر کئی سال گزر چکے ہوں

### مصارف زکوٰۃ

- ۱۱۶ فقیر اور مسکین میں فرق  
 ۱۱۷ بھائی، چچا اور خاوند کو زکوٰۃ دینا  
 ۱۱۷ ماں کو زکوٰۃ دینا  
 ۱۱۸ ملازم کو زکوٰۃ دینا  
 ۱۱۹ وکیل کرنے والے کی زکوٰۃ  
 ۱۱۹ ایک آدمی کو زکوٰۃ دینا افضل ہے یا زیادہ کو  
 ۱۱۹ کیا خاوند اپنی بیوی کے مال کی زکوٰۃ دے سکتا ہے؟  
 ۱۲۰ معین اشخاص کو زکوٰۃ دینے کے لیے وکیل مقرر کرنا  
 ۱۲۰ صدقہ کے مقصد میں تبدیلی کرنا

### روزے

- ۱۲۲ روزے اقامتی شہر کے تابع ہوں گے  
 ۱۲۲ ہوائی جہاز میں روزہ  
 ۱۲۳ روزوں کے شروع ہونے کا علم نہ ہو سکتا  
 ۱۲۳ رمضان میں مریض کا روزے چھوڑنا  
 ۱۲۵ قضاء میں تاخیر  
 ۱۲۵ روزے دار کو احتلام  
 ۱۲۶ روزے دار کے احتلام، خون نکلنے اور تے کا حکم  
 ۱۲۷ نصف شعبان کے روزے



مواقیت

۱۲۸

جدہ میقات نہیں

۱۲۸

تین قسم کے حج

۱۲۹

نیت تبدیل کرنے کا حکم

۱۳۰

والدین کی طرف سے حج

۱۳۰

دوسرے کی نیابت میں رمی الجمار

عرفہ میں وقوف

۱۳۱

عرفہ کی حدود سے باہر وقوف

۱۳۱

منی سے باہر شب ببری کا حکم

۱۳۲

کیا عرفات میں ذبح کرنا جائز ہے؟

احرام میں ممنوع باتیں

۱۳۲

بالوں کا گرنا

۱۳۳

طواف وداع صرف اس کے لیے ہے جو اپنے گھر کو سفر کرے

حج سے متعلقہ مسائل

۱۳۴

رکن یمانی کو چھونا

۱۳۵

کیا مجاہدین کے لیے چندہ دینا افضل ہے یا نفلی حج؟

۱۳۶

حاجیوں کی نماز قصر

۱۳۶

حج افراد کرنے والے کا سفر

زیارت کا حکم

۱۳۶

کیا یہ صحیح ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت نہ کرنے سے حج ناقص رہ جاتا ہے؟

حیض اور نفاس والی عورتوں کا حج

۱۳۷

نفاس والی کیسے حج ادا کرے؟

۱۳۷

حائضہ کیسے احرام باندھے؟

- ۱۳۹ کیسے طواف کرے؟  
 ۱۴۰ حیض اور نفاس والی عورتوں کا طواف و دواع

### معاملات

- ۱۴۱ قبضہ سے پہلے سامان کی بیع  
 ۱۴۲ سامان کی نقد اور ادھار قیمت میں فرق  
 ۱۴۲ ایک نقد بکری کی دو ادھار بکریوں سے بیع

### سود

- ۱۴۳ سودی بتکوں میں کام کرنے کی حرمت  
 ۱۴۴ بتکوں کے ملازموں کی تنخواہ کا حکم  
 ۱۴۴ بتکوں میں ملازمت کرنے کا حکم  
 ۱۴۵ بتکوں کے کلرک کی تنخواہ

### بتکوں سے ڈینگ

- ۱۴۵ بتکوں میں رقوم جمع کرانا اور فوائد حاصل کرنا  
 ۱۴۶ بتکوں کے حصے خریدنے اور بیچنے کا حکم  
 ۱۴۹ بتکوں میں رقوم امانت رکھنا  
 ۱۵۰ ایسی کمپنیوں سے ڈینگ جو سودی کاروبار کرتی ہیں  
 ۱۵۰ بنک کے ذریعہ رقم دوسری جگہ بھیجنا  
 ۱۵۱ بلا سود بنک میں رقوم رکھنا  
 ۱۵۲ طلبہ فنڈ کی بنک میں حفاظت پر ملنے والی امداد

### متفرق معاملات

- ۱۵۲ حرام کاروبار کے لیے دکان کرایہ پر دینا  
 ۱۵۳ کرنسی کے اختلاف کی صورت میں قرض کی ادائیگی  
 ۱۵۳ شرط سے قرضہ دینا  
 ۱۵۴ امانت کے مال سے سرمایہ کاری کرنا  
 ۱۵۴ امانت کے مال سے قرض کے طور پر لے لینا  
 ۱۵۵ یتیم کے اموال

۱۵۶

سوسائٹی میں رشوت کا اثر

۱۵۶

رشوت کے برے اثرات

۱۵۷

رشوت سے متعلق شریعت کا حکم

۱۵۸

عقیدہ پر رشوت کے اثرات

۱۵۸

امتحانات میں بددیانتی کا حکم

۱۵۸

بددیانتی، امتحانات اور دوسرے معاملات سب کو عام ہے

وقف، وصیت، میراث

وقف اور وصیت

۱۶۰

گر پڑنے کے قریب وقف

۱۶۰

ایسی عمارت کا وقف جو قرض لے کر بنائی گئی ہو

۱۶۱

ہر سال قربانی اور حج کی وصیت کرنے والے کی وصیت پر عمل کرنا واجب ہے

۱۶۱

متوفی کے قرضوں کی ادائیگی

میراث

۱۶۲

تقسیم ترکہ

۱۶۲

کیا اولاد کے لیے وقف میں بیٹی شامل ہوگی؟

۱۶۳

کیا غیر مدخولہ بیوی اپنی متوفی شوہر کے ترکہ میں وارث ہوگی؟

نکاح

۱۶۴

عورتوں کو بٹھائے رکھنا جائز نہیں

۱۶۵

کفو والے رشتہ کو رد نہ کرنا چاہیے

۱۶۶

بڑھ چڑھ کر حق مہر مقرر کرنا

۱۶۸

نکاح شغار

۱۶۹

تعداد ازواج میں عدل شرط ہے

طلاق

۱۷۱

طلاق کی قسم اور اس کی حرمت

- ۱۷۲ مدت والی طلاق  
 ۱۷۳ کیا زنا سے شادیاں متاثر ہوتی ہیں؟  
 ۱۷۴ عورت کا اپنے خاوند کو حرام قرار دینا یا اس کا اپنے خاوند سے ظہار  
 ۱۷۶ ایک کلمہ سے تین طلاق کا حکم؟  
 ۱۷۸ طلاق سے رجوع  
 ۱۷۸ عورت کا اپنے لیے طلاق مانگنا  
 ۱۸۰ بیوی کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا حق دینا  
 ۱۸۱ جو شخص اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرے اس کا حکم؟

پردہ

- ۱۸۳ داماد سے پردہ کا حکم  
 ۱۸۳ برقعہ پہننے کا حکم  
 ۱۸۵ عورتوں سے مصافحہ کرنے کا حکم  
 ۱۸۵ خوشبو لگا کر عورت کا باہر نکلنا  
 ۱۸۶ عورتوں کا مردوں کو بوسہ دینے کا حکم  
 ۱۸۷ مردوں کا عورتوں کو بوسہ دینا  
 ۱۸۹ کسی شخص کا اپنی بیٹی کا بوسہ لینا  
 ۱۸۹ پردہ ہر ملک میں واجب ہے  
 ۱۹۰ کیا سفر میں ایک عورت دوسری کے لیے محرم سمجھی جائے گی؟  
 ۱۹۱ قریبی رشتہ داروں سے پردہ  
 ۱۹۲ سکریں پر عورتوں کی شکلیں دیکھنا

برابرہن سن

- ۱۹۲ پردہ کا مذاق اڑانا  
 ۱۹۲ بیوی کو اہمیت نہ دینا  
 ۱۹۶ بیوی کا اپنے بچوں سے برا سلوک اور ان پر لعنت کرتے رہنا  
 ۱۹۷ شوہر جو اپنی بیوی سے بد معاہلی کرے  
 ۱۹۸ سگریٹ نوش بیوی سے رہن سن کا حکم

۱۹۹

۱۹۹

کسی عورت کا ڈرائیور یا خادم کے سامنے ہونا

۲۰۰

غیر مسلم نوکرائیوں سے گھل مل کر رہنا

۲۰۱

کافر خادمہ سے مسلمان عورت کا پردہ

۲۰۳

غیر مسلم خادمہ ملازم رکھنا

### قسمیں اور نذریں

۲۰۴

میں نے قسم کھائی کہ اس سے شادی نہ کروں گا پھر اس سے شادی کر لی

۲۰۵

ایسی نذر کا حکم جو شرط سے مقید ہو

### رضاعت

۲۰۷

خالہ کے رضیع بیٹے سے شادی کی حرمت

۲۰۷

پھوپھی کے رضیع بیٹے سے شادی کی حرمت

۲۰۸

رضیع کے لیے ہی حرمت ہے اس کے بھائیوں کے لیے نہیں

۲۰۹

رضاعت کے احکام سے متعلق پانچ فتوے

### عام احکام

### قرآن پڑھنا

۲۱۵

اجرت پر قرآن پڑھنا

۲۱۵

سورہ "تبت" کی قراءت

۲۱۶

مسجد میں تلاوت کے وقت آواز بلند کرنا

۲۱۷

مردوں کے لیے قراءت

### اطاعت والدین

۲۱۸

والدین سے نیک سلوک واجب ہے

۲۱۸

شادی کے مسئلہ میں بھی والدین کی اطاعت چاہیے

۲۱۹

والدین کی اطاعت کی حد

- ۲۲۰ کپڑا مبارکھنے کا حکم  
 ۲۲۲ کپڑا نکالنا  
 ۲۲۲ پاجامہ مبارکھنا  
 ۲۲۴ چڑے کے کوٹ پہننا

غنا اور موسیقی

- ۲۲۵ گانے کا حکم  
 ۲۲۶ گیت گانے، رباب کی سُر نکالنے اور طبلے بجانے کا حکم  
 ۲۲۷ طبلے استعمال کرنا اور ترانے گانا  
 ۲۲۸ گیت اور موسیقی دھیان سے سننے کا حکم  
 ۲۲۹ ریڈیو وغیرہ سننے کا حکم  
 ۲۲۹ موسیقی سے خالی پروگرام سننے کا حکم  
 ۲۲۹ محفلوں اور تقریبات میں تالی بجانے کا حکم

حرام امور

- ۲۳۰ عادت سریہ (مُشت زنی) کا حکم  
 ۲۳۰ اس عادت کو چھوڑنے کا صحیح طریقہ  
 ۲۳۲ مُشت زنی اور روزوں پر اس کا اثر  
 ۲۳۳ مُشت زنی کی حرمت  
 ۲۳۸ سگریٹ پینے اور اس کا لین دین کرنے کا حکم  
 ۲۳۹ فوت شدہ آدمی کے ولیحے  
 ۲۴۰ تاش کے پتوں سے جوئے بازی  
 ۲۴۰ جھوٹے اشتہارات  
 ۲۴۳ یوم پیدائش کی تقریب  
 ۲۴۴ اخبارات کا استعمال  
 ۲۴۵ تصویریں جمع کرنا

- ۲۴۵ عورتوں کے لیے گولائی دار سونے کا زیور پہننے کا جواز
- ۲۴۹ اشارہ سے سلام کرنے کا حکم
- ۲۵۰ تمام صحابہ کا رضی اللہ عنہم ہونا
- ۲۵۰ چاندی کی انگوٹھی پہننا
- ۲۵۱ ہاتھ کی گھڑی پہننا
- ۲۵۱ اہل کتاب اور بت پرست کا ذبیحہ
- ۲۵۲ در آمد شدہ گوشت کا حکم
- ۲۵۳ گناہوں سے توبہ کرنا پھر وہی کام کرنا
- ۲۵۵ خود کشی کرنے والی اور توبہ کر لینے والی کی طرف سے صدقہ کرنا
- ۲۵۷ بچوں کے اعمال کا ثواب
- ۲۵۷ بیچے ہوئے کھانے کو ڈرم میں رکھنا
- ۲۵۸ عام استعمال کے سنک میں برتنوں کو بھی دھولینا
- ۲۵۸ پرندوں کو بند رکھنے کا حکم
- ۲۵۹ دوسرے کے خون سے علاج کرانے کا حکم
- ۲۵۹ جسم کے بال دور کرنے کا حکم
- ۲۶۰ الکو حل سے تیار شدہ خوشبو لگانے کا حکم
- ۲۶۰ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم
- ۲۶۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا
- ۲۶۳ کیا اسعاف بھائی بندی کو واجب بنا تا ہے
- ۲۶۴ پریشان کن خواب
- ۲۶۵ ڈراونے خوابوں سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ
- ۲۶۵ کیا رجم کرنے والے کے لیے گناہوں سے پاک ہونا شرط ہے؟
- ۲۶۶ مصیبت زدہ کے ذبیحہ کا جواز اور اس کا صدقہ
- ۲۶۷ دوسرے کا نیشنلٹی کارڈ استعمال کرنا
- ۲۶۸ تصادم کرنے والوں کے درمیان کفارہ تقسیم نہیں ہوگا

## سماحة الشيخ عبدالعزيز بن عبدالله بن باز

### کے مختصر حالات زندگی

آپ کا پورا نام ابو عبد اللہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد اللہ آل باز ہے۔ آپ ریاض میں ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کو پیدا ہوئے۔

حصول تعلیم اور آپ کے اساتذہ

آپ کی تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے ہوا جو آپ نے بالغ ہونے سے پیشتر ہی یاد کر لیا۔ پھر ریاض کے بہت سے علماء سے شرعی اور عربی علوم سیکھے۔ چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں :

- ۱۔ الشیخ محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمن بن حسن بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہم اللہ۔
- ۲۔ الشیخ صالح بن عبد العزیز بن عبد الرحمن بن حسن بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب قاضی ”ریاض“ رحمہم اللہ۔

۳۔ الشیخ سعد بن حمد بن عتیق قاضی ”ریاض“ رحمہم اللہ۔

۴۔ الشیخ حمد بن فارس ”ریاض کے بیت المال کے وکیل“ رحمہ اللہ۔

۵۔ الشیخ سعد و قاص البخاری رحمہ اللہ جو مکہ کے علماء میں سے ہیں۔

۶۔ سماحة الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ ”جو سعودی علاقوں کے مفتی رہے ہیں“ رحمہم اللہ۔ آپ نے تقریباً دس سال از ۱۳۴۷ تا ۱۳۵۷ ہجری ان کے حلقہ درس کا التزام کیا جبکہ آپ قضا کے لیے تربیت حاصل کر رہے تھے۔

### مناصب جن پر آپ فائز رہے

- ۱۔ آپ ۱۳۵۷ھ سے ۱۳۷۱ھ تک چودہ سال منطقہ خرج میں قاضی کے عہدہ پر فائز رہے۔
- ۲۔ ۱۳۷۲ھ میں آپ نے ریاض کے المعهد العلمی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ پھر ۱۳۷۳ھ سے ۱۳۸۰ھ تک ریاض کے کلیتہ الشریعتہ میں علوم فقہ اور توحید و سنت پڑھاتے رہے۔
- ۳۔ اس سے فوراً بعد ۱۳۸۱ھ میں جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کے نائب رئیس مقرر ہوئے اور ۱۳۹۰ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔
- ۴۔ ۱۳۹۰ھ میں آپ کو اس جامعہ کا رئیس بنا دیا گیا اور ۱۳۹۵ھ تک آپ اس منصب پر فائز رہے۔



۵- ۱۳۹۵ھ میں فرمان شاہی صادر ہوا کہ آپ کو ادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوت والارشاد کے رئیس العام کے منصب پر فائز کیا جائے اور یہ منصب وزیر کے رتبہ کے برابر ہے۔ آپ تاحال اسی منصب پر کام کر رہے ہیں۔

علاوہ ازیں ساتھ الشیخ عبدالعزیز موجودہ دور کی بہت سی علمی اور اسلامی مجالس کے ممبر بھی ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں :

- مملکت سعودی عرب میں کبار علماء کی انجمن کے آپ ممبر ہیں۔
- اسی انجمن کے شعبہ بحوث العلمیہ والافتاء کی مستقل کمیٹی کے آپ رئیس ہیں۔
- رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے آپ ممبر بھی ہیں اور رئیس بھی۔
- مکہ مکرمہ میں مساجد کی اعلیٰ عالمی مجلس کے آپ رئیس ہیں۔
- رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی فقہی الاسلامی اکیڈمی کے آپ رئیس ہیں۔
- جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مجلس اعلیٰ کے آپ ممبر ہیں۔
- مملکت سعودی عرب کی دعوة الاسلامیہ کی اعلیٰ انجمن کے آپ ممبر ہیں۔

## ساتھ الشیخ کے دوسرے اسلامی مشاغل

ساتھ الشیخ کئی دوسرے اسلامی کام سرانجام دیتے ہیں اور ہر جگہ کے مسلمانوں کے امور کا اہتمام کرتے ہیں جیسے :

○ دنیا بھر میں مختلف مقامات پر جہاں کہیں تعلیمی اور دعوت الی اللہ کے ادارے اور مراکز قائم ہوتے ہیں ان سے آپ باخبر رہتے ہیں۔ نیز ان اداروں اور مراکز سے بھی جو فلسطین، افغانستان، فلپائن وغیرہ کے مسلمان مجاہدین کی امداد کے لیے قائم ہیں اور استطاعت رکھنے والے مسلمانوں کو ان لوگوں کی امداد کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔

○ آپ توحید اور عقیدہ جیسے امور پر مستقل طور پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ جن کا سمجھنا اکثر مسلمانوں کے لیے پیچیدہ ہو گیا ہے اور جو شخص بھی آپ کے درس میں حاضر ہوتا یا آپ کے لیکچر اور گفتگو سنتا یا آپ کی تالیفات پڑھتا ہے، وہ یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

○ آپ قرآن عظیم کی تعلیم کی بالخصوص سرپرستی فرماتے ہیں اور اپنے بھائیوں اور شاگردوں کو، جو جماعات خیرہ کے رئیس اور ممبر ہیں، بھرپور کوششوں کے ساتھ قرآن کریم کو حفظ کرانے کی ترغیب دیتے ہیں اور جو کام بھی ایسی جماعتوں کی تقویت اور انہیں قائم و دائم رکھنے میں مدد ثابت ہو اس میں آپ ان کے ساتھ شرکت فرماتے ہیں۔

## آپ کے اخلاق و فضائل

آپ کی نمایاں خوبیاں جو سب لوگوں کے سامنے ہیں، وہ آپ کی دلجمعی، وقار، فیاضی، نرمی، کرم اور زہد ہیں۔ آپ حق گوئی کے لیے بہت دلیر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے سب محبت کرتے ہیں اور آپ جہاں کہیں بھی ہوں آپ کے علم و فضل سے استفادہ اور اپنے مسائل کے حل کے لیے آپ کے گرد لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔

## آپ کی علمی خدمات :

آپ کے علمی کارنامے درج ذیل ہیں :

- ۱- الفوائد الجلیة في المباحث الفرضية .
- ۲- التحقیق والإيضاح لكثير من مسائل الحجّ والعمرة والزيارة «توضیح المناسك» . (حج، عمرہ اور زیارت کے بہت سے مسائل کی وضاحت اور تحقیق)
- ۳- التحذیر من البدع اور یہ چار مفید مقالوں پر مشتمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش منانے کا حکم . . . الخ
- ۴- زکوٰۃ اور صیام پر دو جامع اور مختصر رسالے۔
- ۵- العقیدة الصحيحة وما یضادها (صحیح عقیدہ اور جو کچھ اس کے برعکس ہے)۔
- ۶- وجوب العمل بسنة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وكفر من أنكرها (سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کا واجب ہونا اور جو اس کا انکار کرے، وہ کافر ہے)۔
- ۷- الدعوة إلى الله وأخلاق الدعاء (دعوت الی اللہ اور داعیوں کے اخلاق)۔
- ۸- وجوب تحکیم شرع اللہ ونبذ ما خالفه (اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور جو بات اس کے خلاف ہو درخور اعتناء نہ سمجھی جائے گی)۔
- ۹- حکم السفور والحجاب و نکاح الشغار (سفر پر پردہ اور نکاح شغار کا حکم)
- ۱۰- نقد القومية العربية (عربی قومیت پر تنقید)
- ۱۱- الجواب المفید فی حکم التصوير (تصویر کے متعلق مفید جواب)
- ۱۲- الشیخ محمد بن عبد الوہاب، آپ کی دعوت اور سیرت۔
- ۱۳- نماز سے متعلق تین رسائل (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت (۲) جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا وجوب (۳) جب نمازی رکوع سے اٹھے تو ہاتھ کہاں رکھے۔
- ۱۴- جو شخص قرآن میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں طعنہ زنی کرے اس کے متعلق اسلام

کا حکم۔

۱۵۔ فتح الباری پر کتاب الحج تک مفید حواشی۔

۲۱۔ سورج کے متحرک اور زمین کے ساکن ہونے اور ستاروں تک پہنچنے کے امکان پر عقلی اور عقلی دلائل۔

۱۷۔ إقامة البراہین علی من استغاث بغير الله أو صدق الكهنة والعرفانین (جو شخص اللہ کے بغیر کسی سے فریاد کرے یا جو کابھوں اور نجومیوں کو سچا سمجھے اس کے کفر پر واضح دلائل)۔

۱۸۔ الجہاد فی سبیل اللہ

۱۹۔ الذروس المهمة لعامة الأمة (امت کے عام لوگوں کے لئے اہم اسباق)

۲۰۔ فتاویٰ تتعلق بأحكام الحج والعمرة والزيارۃ (حج، عمرہ اور زیارت کے احکام سے متعلق فتوے)

۲۱۔ وجوب لزوم السنّة والحذر من البدعة (سنّت کو لازم رکھنے اور بدعت سے بچنے کا وجوب)

ہر وہ بات جس کے لوگ پیروکار ہوں اور اسے عبادت سمجھ کر سرانجام دیں،  
وہ دین ہی ہوتا ہے اگرچہ باطل ہو۔

سوال : مورخہ ۴ صفر ۱۴۰۳ھ کو بروز جمعہ شام کو ٹیلی ویژن پر عالم فطری سے متعلق ایک پروگرام نشر ہوا، جسے پیش کرنے والے ابراہیم الراشد تھے اور یہ پروگرام ہندوستان کے لوگوں سے متعلق تھا۔  
اس نشریہ کی ابتداء میں ابراہیم الراشد نے کہا، ہندوستان کو جو ادیان کا ملک کہا جاتا ہے، تو یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ وہاں ہندومت، بدھ مت اور سکھ وغیرہ وغیرہ سب دین پائے جاتے ہیں۔ اب میں آپ سے وضاحت چاہتا ہوں کہ :

☆ آیا ایسے امور کو واقعی دین کا نام دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ پروگرام پیش کرنے والے نے ان امور کو ادیان کا نام دیا ہے؟

☆ آیا یہ دین بھی منزل من اللہ ہیں اور رسولوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے گئے ہیں؟  
اللہ تعالیٰ آپ کو درست مفہوم سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسماعیل - ع - ۱۱ الیاض

جواب : ہر وہ بات جس کے لوگ پیروکار ہوں اور انہیں دین سمجھ کر سرانجام دیں اس پر دین کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ باطل ہو۔ جیسے بدھ مت، اصنام پرستی، یہودیت، ہندومت اور عیسائیت وغیرہ باطل ادیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ الکافرون میں فرماتے ہیں :

﴿لَكَوْ دِيْنُكُمْ وَاِلٰی دِيْنِ﴾

تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔ (الکافرون : ۶)

گویا جن باتوں کو اصنام پرست اپنائے ہوئے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے دین کا نام دیا ہے۔ حالانکہ دین حق تو صرف اسلام ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿اِنَّ الدِّيْنَ اِلٰی اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾

دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔ (آل عمران : ۱۹)

نیز فرمایا :

﴿ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴾  
اور اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہتا ہے تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور ایسا شخص

آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران : ۸۵)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾  
آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔ (المائدہ : ۳)

اور اسلام ماسوائے اللہ کو چھوڑ کر صرف اسی کی عبادت، اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی کے ترک اور اس کی قائم کردہ حدود تک رک جانے کو کہتے ہیں۔ نیز یہ کہ جو کچھ پیدا ہو چکا یا ہونے والا ہے اور اس کی خیر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دی ہے اس پر ایمان لایا جائے اور ادا یا ن باطلہ میں کچھ بھی منزل من اللہ نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی چیز اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ خود پیدا کردہ باتیں ہیں جو منزل من اللہ نہیں ہیں۔ جبکہ اسلام تمام رسولوں کا دین رہا ہے۔ اختلاف اگر ہوا ہے تو وہ صرف شریعتوں میں ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا ﴾

ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ (المائدہ : ۴۸)

زنج اور نذر

زنج لغیر اللہ شرک ہے

سوال : میرے خاندان میں اولیائے کرام کی قبروں پر بکری کے زنج کرنے کو تقرب کا ذریعہ بنانے کا دستور چلا آ رہا ہے . . . میں نے انہیں منع کیا لیکن ان میں عناد اور زیادہ بڑھ گیا . . . میں نے انہیں کہا کہ یہ تو اللہ سے شرک ہے۔ وہ کہنے لگے : ” ہم اللہ کی عبادت کو اسی کا حق سمجھتے اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اولیاء اللہ کی زیارت کریں یا اپنی دعاؤں میں یوں کہیں کہ اپنے فلاں ولی کے طفیل ہمیں شفا عطا فرما، یا فلاں مصیبت کو دور کر دے تو اس میں گناہ کی کوئی بات ہے . . . ” میں نے انہیں کہا : ” ہمارا دین واسطے کا دین نہیں۔“ تو وہ کہنے لگے ”ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو۔“

ایسے لوگوں کے علاج سے متعلق آپ کو ناسا حل بہتر سمجھتے ہیں؟ ان کے مقابلہ میں مجھے کیا کرنا چاہیے اور میں اس بدعت کا کیسے مقابلہ کروں؟ شکر یہ!

جواب : کتاب و سنت کے دلائل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کے لیے قربانی سے تقرب حاصل کرنا، خواہ یہ قربانی اولیاء کے لیے ہو یا جنات کے لیے یا بتوں کے لیے ہو یا کسی بھی دوسری مخلوق کے لیے اللہ کے ساتھ شرک ہے اور ایسے اعمال جاہلیت کے اور مشرکین کے اعمال ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَّهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔ (الانعام : ۱۶۲) اور نیک کا معنی قربانی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ غیر اللہ کی قربانی اللہ سے ایسے ہی شرک ہے جیسے غیر اللہ کی نماز شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿إِنَّا أَنْعَمْنَا عَلَيْكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْحَرْ ﴿٢﴾﴾

(اے محمد) ہم نے آپ کو کثیر عطا فرمائی ہے تو اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھا کرو اور قربانی دیا کرو۔ (الکوثر : ۲، ۱)

اس سورہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ اپنے پروردگار کے لیے نماز ادا کریں اور اسی کے لیے قربانی کریں۔ بخلاف مشرکین کے کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرتے اور غیر اللہ کے لیے ہی ذبح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ﴿١٠٠﴾﴾

اور تمہارے پروردگار نے طے کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ (الاسراء : ۲۳) نیز فرمایا :

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ ﴿١٠١﴾﴾

اور انہیں حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔ (البینہ : ۵) اس مضمون کی آیات کثیر ہیں کہ قربانی عبادت ہی ہے۔ لہذا اس میں اللہ تعالیٰ اکیلے کے لیے اخلاص واجب ہے اور صحیح مسلم میں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ»

جس نے غیر اللہ کے لیے قربانی کی اس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

رہی قائل کی یہ بات کہ میں اللہ سے اس کے اولیاء کے حق یا ان کی منزلت کے ساتھ یا نبی کے حق یا نبی کی منزلت کے ساتھ سوال کرتا ہوں، تو یہ بات شرک تو نہیں تاہم یہ بات جمہور اہل علم کے نزدیک بدعت اور شرک کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ دعا عبادت ہے اور اس کی کیفیت تو تین فی امور سے تعلق رکھتی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں جو کسی بھی مخلوق کے حق یا منزلت سے توسل کے جواز یا اس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو۔ لہذا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایسا توسل اختراع کرے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا :

﴿ اَمْ لَهٗمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهٖ اللّٰهُ ﴾

یا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔

(الشوریٰ : ۲۱)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں پہلے نہ تھی۔ وہ مردود ہے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور مسلم کی روایت جسے بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقا ذکر کیا

ہے اس کی تاکید کرتی ہے۔ وہ یوں ہے :

« مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے امر (شریعت) میں موجود نہیں، وہ مردود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول رد کا معنی یہ ہے کہ وہ کام کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا اور

قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیا ہے اسی کے پابند

رہیں اور جو بدعات لوگوں نے پیدا کر رکھی ہیں ان سے بچیں۔ مشروع توسل صرف یہ ہے کہ اللہ کی ذات، اس

کی صفات، اس کی توحید اور اعمال صالحہ سے توسل کیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نیز اللہ اور اس

کے رسول کی محبت اور اسی طرح کے نیکی اور بھلائی کے کاموں سے توسل کرنا چاہیے . . . اور عمل کرنے

کی توفیق بخشنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

گھر کی زینت کے لیے رکھے ہوئے مجسموں کا کیا حکم ہے

سوال : ایسے مجسموں کا کیا حکم ہے جو گھروں میں محض زینت کے لیے رکھے جاتے ہیں جبکہ ان کی عبادت نہیں ہوتی؟

ص-ع-خ-سوڈانی

جواب : گھروں میں، دفتروں میں، مجالس میں تصاویر یا حنوط شدہ حیوانات آویزاں کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ احادیث میں عمومیت ہے جو گھروں وغیرہ میں تصویریں لٹکانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ یہ چیزیں اللہ سے شرک کا ذریعہ ہیں اور اس لیے بھی کہ اللہ کی مخلوق کی مشابہت اور اللہ کے دشمنوں کی نقالی ہے اور حنوط کردہ جانوروں کو آویزاں کرنے میں مال کے ضیاع کے علاوہ اللہ کی دشمنوں کی نقالی بھی ہے۔ جس سے جانوروں کی تصویر کشی کا دروازہ کھل جاتا ہے جبکہ شریعت اسلامیہ ایسے ذرائع کو مکمل طور پر بند کر دیتی ہے جو شرک یا گناہ کے کاموں کی طرف لے جاتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کی قوم میں ان کے زمانہ کے پانچ بزرگوں کی تصویر کشی کی وجہ سے ہی شرک رائج ہوا تھا۔ ان لوگوں نے ان کے مجسمے اپنی مجلسوں میں نصب کر رکھے تھے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے اپنی کتاب مبین میں اس کی یوں وضاحت فرمائی ہے کہ :

﴿ وَقَالُوا لَا نَدْرَأُ الْهَيْكَلُ وَلَا نَدْرَأُ وَدَا وَلَا سِوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ﴿٢٤﴾ ۝

اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وہ 'سواع'، 'غوث'، 'یعوق' اور 'نسر' کو کبھی ترک نہ کرنا اور انہوں نے بت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ (نوح : ۲۳)

گویا ایسے لوگوں کے ان ناپسندیدہ کاموں سے بچنا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ شرک میں جا پڑے تھے۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے

فرمایا :

« لَا تَدْعُ صُورَةً إِلَّا طَمَسْتَهَا ، وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَيْتَهُ »

جو بھی تصویر یا مجسمہ دیکھو اسے مٹا دو اور جو قبر اونچی دیکھو اسے برابر کر دو۔

مسلم نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ : الْمَصُورُونَ »

قیامت کے دن سب سے سخت عذاب مصوروں کو ہوگا۔

اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے اور اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں . . . اور توفیق عطا



کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## تصویریں آویزاں کرنے کا حکم

سوال : گھروں یا دوسری جگہوں میں تصویریں آویزاں کرنے کا کیا حکم ہے؟

عبداللہ - ع - الریاض

جواب : جب یہ تصویریں کسی انسان یا دوسرے کسی جاندار کی ہوں تو انہیں لٹکانا حرام ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

«لَا تَدْخُ صُورَةٌ إِلَّا طَمَسَتْهَا وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ»

جو بھی مجسمہ دیکھو اسے مٹا دو اور جو قبر اونچی دیکھو اسے برابر کر دو۔

مسلم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور یہ حدیث بھی موجود ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صحن کے سامنے ایک پردہ لٹکایا۔ جس میں تصاویر تھیں۔ جب انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو کھینچ کر پردہ پھاڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا : اے عائشہ!

«إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّورِ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ»

ان مصوروں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ جو کچھ تم نے بنایا تھا اب اس میں جان بھی ڈالو۔

اس حدیث کو مسلم اور اس کے علاوہ دوسروں نے بھی نکالا ہے۔

لیکن جب ان تصویروں کو بگاڑ ڈالا جائے یا آرام کرنے کے لیے نکیہ بنالیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک موقع پر جبریل علیہ السلام کے آنے کا وعدہ تھا۔ جب جبریل علیہ السلام آئے تو اندر داخل ہونے سے رک گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس گھر میں مجسمہ، تصویروں والا پردہ اور کتا ہے۔ آپ گھر والوں کو حکم دیجئے کہ مجسمہ کا سر کاٹ دیں اور پردہ کے دو ٹکے بنالیں تا کہ تصویریں روندی جاسکیں اور کتے کو نکال دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تب جبریل علیہ السلام داخل ہوئے۔

اس حدیث کو نسائی نے اسناد جید سے نکالا ہے۔ مذکور حدیث میں جس کتے کا ذکر ہے وہ حسن اور حسین کا

پلا تھا جو گھر کے سامان کے نیچے تھا، نیز یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ وَلَا كَلْبٌ»

جس گھر میں کوئی تصویر یا کتا ہو اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور جبریل علیہ السلام کا قصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بستر وغیرہ میں تصویر کا

ہونا فرشتوں کو داخل ہونے سے نہیں روکتا۔ یہی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی درست ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے مذکورہ پردہ کا ٹکیہ بنا لیا تھا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے۔

## منتر اور تعویذات

ان احادیث میں تطبیق کی کیا صورت ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ ”منتر“ تعویذ اور گنڈا شرک ہے“ اور دوسری یہ کہ ”تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو ان چیزوں سے فائدہ پہنچا سکتا ہے، وہ ایسا کر لے“

سوال : عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ :

« إِنَّ الرُّقَى وَالتَّمَائِمَ وَالتَّوَلَةَ شِرْكٌ »

جنتر منتر، تعویذ اور گنڈا شرک ہے۔

اور جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک ماموں تھا جو بچھو کے کاٹے کے لیے جھاڑ پھونک کیا کرتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا : ”اے اللہ کے رسول! آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا ہے جبکہ میں بچھو کے کاٹے کا جھاڑ پھونک (دم) کرتا ہوں۔“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”اگر کوئی اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، تو اسے وہ کام کرنا چاہیے۔“

جھاڑ پھونک کے بارے میں ایک حدیث ممانعت کی ہے، دوسری جواز کی۔ ان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ نیز اگر کوئی بیمار شخص اپنے سینے پر قرآن کی آیات والا تعویذ لٹکائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

عبدالرحمن - س - ف - الریاض

جواب : جس جھاڑ پھونک سے منع کیا گیا ہے وہ ہے جس میں شرک ہو یا غیر اللہ سے توسل ہو، یا اس کے الفاظ مجہول ہوں جن کی سمجھ نہ آسکے۔

رہا کسی ڈسے ہوئے آدمی کو دم جھاڑ کرنے کا مسئلہ تو یہ جائز ہے اور شفاء کا براذریعہ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لا بأس بالرقی ما لم تكن شركاً »

جس دم جھاڑ میں شرک نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ»

جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو اسے وہ کام کرنا چاہیے۔

ان دونوں احادیث کی مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لَا رُقِيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ»

دم جھاڑ نظرد اور بخار کے لیے ہی ہوتا ہے۔

جس کا معنی یہ ہے کہ ان دو باتوں میں ہی دم جھاڑ بہتر اور شفا بخش ہوتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

خود دم جھاڑ کیا بھی ہے اور کرایا بھی ہے۔

رہا دم جھاڑ یا تعویذ کو مریضوں اور بچوں کے گلے میں لٹکانا تو یہ جائز نہیں۔ ایسے لٹکائے ہوئے تعویذ کو

تمام بھی کہتے ہیں اور حروز اور جوامع بھی۔ اور حق بات یہ ہے کہ یہ حرام اور شرک کی اقسام میں سے ایک قسم

ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللَّهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدْعَةً فَلَا وَدَعَ اللَّهُ لَهُ.»

جس شخص نے تعویذ لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کا بچاؤ نہیں کرے گا اور جس نے گھونگا باندھا وہ اللہ کی حفاظت

میں نہ رہا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ»

جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«إِنَّ الرُّقَى وَالْتَّمَائِمَ وَالْتَّوَلَةَ شِرْكٌ»

دم جھاڑ، تعویذ اور گنڈا شرک ہے۔

ایسے تعویذ جن میں قرآنی آیات یا مباح دعائیں ہوں ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا وہ حرام

ہیں یا نہیں؟ اور راہ صواب یہی ہے کہ وہ دو وجوہ کی بنا پر حرام ہیں۔

ایک وجہ تو مذکورہ احادیث کی عمومیت ہے کیونکہ یہ احادیث قرآنی اور غیر قرآنی ہر طرح کے تعویذوں کے

لیے عام ہیں۔

اور دوسری وجہ شرک کا سدباب ہے۔ کیونکہ جب قرآنی تعویذوں کو مباح قرار دے دیا جائے تو ان میں

دوسرے بھی شامل ہو کر معاملہ کو مشتبه بنا دیں گے اور ان سے شرک کا دروازہ کھل جائے گا۔ جبکہ یہ بات

معلوم ہے کہ جو ذرائع شرک یا معاصی تک پہنچانے والے ہوں ان کا سدباب شریعت کے بڑے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے اور توفیق تو اللہ ہی سے ہے۔

میں عامل حکیم کے پاس علاج کے لیے گیا۔ وہ کہنے لگا۔ ”اپنا اور اپنی والدہ کا نام لکھو!  
پھر کل میرے پاس آنا“ کیا اس سے علاج کرانا جائز ہے؟

سوال : کچھ ایسے لوگ ہیں جو بقول ان کے شعبہ بازی کے طبی طریقہ سے علاج کرتے ہیں۔ جب میں کسی کے ہاں جاؤں تو وہ مجھے کہتا ہے کہ اپنا اور اپنی والدہ کا نام لکھو۔ پھر کل ہمارے پاس آنا اور جب کوئی دوبارہ ان کے ہاں جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تجھے فلاں فلاں مصیبت آئی ہے اور اس کا علاج یہ اور یہ ہے . . . ان میں سے کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ میں کلام اللہ سے علاج کرتا ہوں۔ ایسے لوگوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے اور ان کے پاس جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب : جو شخص اپنے علاج میں ایسا طریقہ استعمال کرے تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ جنات سے خدمت لیتا ہے اور غیب کی چیزوں کے علم کا دعویٰ کرتا ہے۔ لہذا ایسے شخص سے نہ علاج کرانا جائز ہے نہ اس کے ہاں جانا اور نہ اس سے کچھ پوچھنا درست ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی اس جنس کے متعلق فرمایا ہے کہ :

«مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»

جو شخص کسی غیب کی خبریں بتانے والے کے ہاں گیا اور اس سے کچھ پوچھا تو اس کی چالیس راتوں کی نماز قبول نہ ہوگی۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔

نیز متعدد احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کاہن، عراف اور جادوگر کے ہاں جانے، ان سے کچھ پوچھنے اور ان کی تصدیق کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ ؛ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أَنْزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.»

جو شخص کسی کاہن کے ہاں گیا اور اس کی بات کو سچ سمجھا تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے۔

نیز ہر وہ شخص جو علم غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، خواہ یہ کنکریاں مارنے سے ہو یا نشانہ بنانے سے یا زمین پر خط کھینچنے سے یا مریض سے اس کا، اس کی ماں یا اس کے اقارب کا نام پوچھنے سے ہو۔ یہ سب چیزیں اس بات پر دلیل ہیں کہ یہ ایسے لوگ یا عراف ہیں یا کاہن، جن سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

لہذا ایسے لوگوں سے، ان سے کچھ پوچھنے اور ان کے ہاں علاج کرانے سے پرہیز لازم ہے۔ خواہ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ قرآن سے علاج کرتے ہیں کیونکہ حق و باطل کی آمیزش اور فریب وہی اہل باطل کا شیوہ ہوتا ہے۔ لہذا جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے سچ سمجھنا درست نہیں اور جو شخص ایسے لوگوں میں سے کسی کو جانتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اس کا معاملہ افسران متعلقہ اور مراکز شرعیہ تک پہنچائے جو ہر شر میں موجود ہوتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کا اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے تاکہ مسلمان ان کے شر و فساد سے محفوظ رہ سکیں اور اس بات سے بھی کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں۔

اور اللہ ہی مددگار ہے جس کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے اور نہ نیکی سرانجام دینے کی طاقت ہے۔

## قبروں پر تعمیر

میں نے اپنے ہاں بعض قبروں پر سیمنٹ کی تختیاں لگی دیکھی ہیں جن پر مرنے والے کا نام اور بعض دعائیں لکھی ہوتی ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : میں نے اپنے ہاں بعض قبروں پر سیمنٹ کی تختیاں بنی دیکھی ہیں جو تقریباً ایک میٹر لمبی اور آدھا میٹر چوڑی ہوتی ہیں ان پر مرنے والے کا نام، تاریخ وفات اور بعض دعائیں جملے مثلاً ”اے اللہ فلاں بن فلاں پر رحم فرما“ وغیرہ لکھے ہوتے ہیں۔ ایسے کام کے متعلق کیا حکم ہے؟

علی - ع - ۱ - ۱ - تقصیم

جواب : قبروں پر تختیاں یا کوئی بھی دوسری تعمیر جائز نہیں، نہ ہی ان پر کتابت جائز ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبروں پر تعمیر اور ان پر کتابت کی ممانعت ثابت ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں : «نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يُجَيِّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقَعَّدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ»

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پلستر کرنے، ان پر بیٹھنے اور ان پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کی اسناد صحیحہ سے تخریج کرتے ہوئے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے (و ان یکتب علیہ) اور قبروں پر کچھ لکھا بھی نہ جائے اور اس لیے بھی کہ یہ غلو کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ لہذا اس کی ممانعت ضروری تھی اور اس لیے بھی کہ کتابت بااوقات غلو کے مضرا انجام تک لے جاتی ہے اور یہ غلو ممنوعات شرعیہ سے ہے۔ قبر پر مٹی صرف اس لیے ڈالی جاتی ہے اور اسے تقریباً ایک پالشت اونچا رکھا جاتا ہے کہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ قبر ہے۔ قبروں کے متعلق یہی وہ سنت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم عمل پیرا رہے۔ قبروں پر نہ مساجد بنانا جائز ہے نہ انہیں غلاف پہنانا اور نہ ان پر گنبد بنانا جائز ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔ اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

اور مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جناب بن عبد اللہ بجلی سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات سے پانچ دن پہلے یہ کہتے سنا ہے کہ :

«إِنَّ اللَّهَ قَدْ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مَتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَأَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّي أَنهَاكُم عَنْ ذَلِكَ.»

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے دوست بنایا ہے جیسے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنانے والا ہوتا تو ابو بکر کو دوست بناتا۔ خوب سن لو! تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور اپنے بزرگوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔ خوب سن لو! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں۔ اور اس مضمون کی احادیث بہت ہیں۔

## قبروں پر کتابت کا حکم

سوال : کیا میت کی قبر پر لوہے کی تختی یا بورڈ لگانا جائز ہے جس پر میت کے نام کی طرف منسوب آیات قرآنیہ اور اس کی تاریخ وفات وغیرہ لکھی ہوئی ہو؟

ابراہیم - م - ضراء

جواب : میت کی قبر پر نہ آیات قرآنیہ لکھنا جائز ہے اور نہ ہی کچھ اور بات۔ خواہ یہ چیزیں لوہے کی تختی پر لکھی ہوں یا کسی اور چیز پر۔ کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ :

«نَهَى أَنْ يُحْصَصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُقَعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ»

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پلستر کرنے اور ان پر بیٹھنے سے اور ان پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا اور ترمذی اور نسائی نے اسناد صحیح سے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان پر لکھا بھی نہ جائے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو مسجد میں داخل کرنے کی حکمت

سوال : یہ تو معلوم ہے کہ مساجد میں مردے دفن کرنا جائز نہیں اور جس مسجد میں قبر ہو وہاں نماز جائز نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعض صحابہ کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی کیا حکمت ہے؟

حسین۔ ا۔ ع۔ الریاض

جواب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا : ”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔“ اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔ نیز آپ سے یہ بھی ثابت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کینسہ کا ذکر کیا جو انہوں نے سرزمین حبشہ میں دیکھا تھا اور اس کینسہ میں تصاویر تھیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«أَوْلَيْتُكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْنَا عَلَي قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوْرَ، أَوْلَيْتُكَ : شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ» (مَتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے اور اس میں بزرگوں کی تصویریں بنا دیتے۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔

اور مسلم نے بھی اپنی صحیح میں جناب بن عبد اللہ بجلي سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے : ”بیشک اللہ نے مجھے خلیل بنایا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ خوب سن لو! کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ خوب سن لو! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا۔ میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں۔“

مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے، ان پر بیٹھنے اور ان پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ احادیث صحیحہ اور دوسری جو اس معنی میں وارد ہیں سب کی سب قبروں پر مسجدیں بنانے اور ان پر گنبد بنانے اور انہیں پختہ کرنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں شرک اور اللہ کو چھوڑ کر قبر کے بایسیوں کی عبادت کا سبب بنتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی ہوتا رہا اور اب بھی ہو رہا ہے۔ لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں ایسی باتوں سے بچیں، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ورنہ وہ لوگوں کی اکثریت کے فعل سے دھوکہ میں پڑ جائیں گے۔ کیونکہ حق مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ جہاں سے پاتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے اور حق کتاب و سنت کی دلیل سے ہی پہچانا

جاسکتا ہے۔ لوگوں کی آراء و اعمال سے نہیں پہچانا جاسکتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھی مسجد میں دفن نہیں ہوئے تھے وہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن کئے گئے تھے۔ لیکن جب ولید بن عبد الملک کے عہد حکومت میں مسجد نبوی کو پہلی صدی کے آخر میں وسیع کیا گیا تو حجرہ کو مسجد میں داخل کر دیا گیا اور ولید کا یہ عمل مسجد میں دفن کے حکم میں معتبر نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو مسجد کی زمین کی طرف منتقل نہیں کیا گیا۔ بلکہ حجرہ ہی کو مسجد کی توسیع کی خاطر مسجد میں داخل کر دیا گیا۔ لہذا یہ بات کسی کے لیے قبروں پر تعمیر یا ان پر مسجدیں بنانے یا مسجد میں دفن کرنے کے جواز پر حجت نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ ابھی میں نے ان احادیث صحیحہ کا ذکر کیا ہے۔ جن میں ان باتوں کی ممانعت ہے اور رسول اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ سنت کے خلاف ولید کا عمل حجت نہیں بن سکتا۔ . . . اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

میں نے اپنی بیوی سے کہا۔ میں دین اسلام سے بیزار ہوتا ہوں۔ میں لازماً تجھ پر شادی کروں گا۔ پھر میں شادی سے باز رہا۔ تو اب اس کا کفارہ کیا ہے؟

سوال : میرے اور میری بیوی کے درمیان اختلاف واقع ہو گیا۔ ان باہمی جھگڑوں کے سبب میں شدت غضب کی حالت میں تھا اور جھگڑے کا سبب اس کے ہاں اولاد کا نہ ہونا تھا۔ میں نے بقائمی ہوش و حواس اس سے کہا : میں لازماً تجھ پر اور شادی کروں گا ورنہ میں دین اسلام سے بیزار ہوا۔ بعد میں ہمارے تعلقات خوشگوار ہو گئے اور وہ حاملہ ہو گئی اور میں شادی سے باز رہا تو اب ہمارے حلف کا کیا کفارہ ہے؟

تھمیں۔ ع۔ ز

جواب : یہ نامعقول بات ہے۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسی قسم کھائے یا ایسے الفاظ زبان سے نکالے۔ اسے ایسی باتوں سے اللہ سبحانہ کے حضور توبہ کرنا ضروری ہے۔ اور سچی توبہ اس سے پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور اس پر کچھ کفارہ نہیں۔

بعض لوگ بلا ارادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنی اولاد کی قسم اٹھا لیتے ہیں

کیا ان کا اس بات پر مواخذہ ہوگا؟

سوال : بعض لوگ بلا ارادہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنی اولاد کی قسم اٹھا لیتے ہیں، ان کی زبانیں ہی اس بات کی عادی ہو چکی ہوتی ہیں۔ تو کیا اس بات پر ان کا مواخذہ ہوگا؟

ص۔ ع۔ خ۔ سوڈانی

جواب : کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یا کسی بھی دوسری مخلوق کی قسم



کھائے، بلکہ یہ بات محرمات شرکیہ میں سے ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيُحْلِفْ بِاللَّهِ، أَوْ لِيَصْمُتْ»

اگر کسی کو قسم کھانا ہی ہو تو اللہ کی کھائے یا پھر خاموش رہے۔

اس حدیث پر شیخین کا اتفاق ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»

جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔

اس حدیث کی ابوداؤد اور ترمذی نے اسناد صحیح سے تخریج کی ہے۔ نیز اس بارے میں اور بھی احادیث وارد

ہوئی ہیں۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس بات پر اہل علم کا اجماع بیان کیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں۔ لہذا ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ اس سے پرہیز کرے اور سابقہ باتوں اور تمام گناہوں سے اللہ کے حضور توبہ کرے اور راہ حق پر ڈٹا رہے اور ان باتوں میں رغبت رکھتے ہوئے کہ اللہ کے ہاں اس کے لیے خیر اور بہت بڑا اجر ہے اور اس کے غضب اور اس کی سزا سے ڈرتے ہوئے حق کی محافظت کرے... اور توفیق تو اللہ ہی سے ہے۔

ہمارے ہاں بعض لوگ حلقہ باندھے اور اپنی کمریوں پر رومال باندھے

استغفار کرتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے ؟

سوال : ہمارے ہاں ایک رواج یہ ہو چلا ہے کہ بعض لوگ حلقہ بنا لیتے ہیں اور وسط میں سفید رومال رکھ لیتے ہیں۔ پھر وہ لا الہ الا اللہ کہتے، استغفار کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب : یہ رواج بدعت ہے جسے نہ مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اور نہ سلف صالحین نے کیا اور نہ اس کا حکم دیا نہ ہی اسے برقرار رکھا۔ لہذا یہ بدعت ہوئی۔ جسے چھوڑنا ضروری ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو پہلے اس میں نہ تھی، وہ مردود ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں فرمایا :

اباعد! بہتر حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہتر راہ ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے اور سب سے بڑے کام وہ ہیں جو نئے بنائے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور پہلی حدیث کو شیخین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی ایک ایسا واقعہ ہوا۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حلقہ باندھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کتا ہے کہ سو بار سبحان اللہ کہو... سو بار لا الہ الا اللہ کہو... وغیرہ وغیرہ۔ تو آپ نے ان پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا: شاید تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت سے زیادہ ہدایت یافتہ ملت ہو۔ یا پھر گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ وہ کہنے لگے: اے ابو عبد الرحمن! ہمارا اس سے بھلائی کے علاوہ کچھ اور ارادہ نہیں تھا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتنے ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن وہ انہیں ملتی نہیں۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا اسے سائل اور دوسرے لوگ جانتے ہیں کہ یہ اور اس سے ملتے جلتے اعمال دین میں نئی نئی بدعات ہیں۔ مسلم کے لیے مشروع یہی بات ہے کہ وہ خود ہی سبحان اللہ، الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ کہے اور اللہ کی شایان کرے جسے وہ اپنے گھر میں اور مسجد میں بلند آواز سے اور دل میں جیسے بھی چاہے کہہ سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے نہ حلقے بنائے اور نہ کوئی دوسری کیفیت، جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی بات کی توفیق دے جس میں اس کی رضا ہے اور شریعت مطہرہ کی موافقت عطا فرمائے۔ بلاشبہ وہی بہتر ہے جس سے سوال کیا جاتا ہے۔

## اللہ سے ڈرو جس حد تک ممکن ہو

سوال: ہم چند دوست اس غرض سے اکٹھے ہوئے کہ دینی اور دنیاوی امور سے متعلق بحث مباحثہ کریں۔ حاضرین میں سے ایک نے سوال پیش کیا تھا کہ:

آیا ایک مسلمان ۱۰۰ فی صد ایک مسلمان کی سی زندگی گزار سکتا ہے اور اس پر قائم رہ سکتا ہے جبکہ اس معاملہ میں ایجابی اور سلبی قسم کے اجتماعی دباؤ بھی موجود ہیں۔ یعنی اگر ایک مسلمان ہر اس چیز سے بچنا چاہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے اور ہر اس چیز سے فائدہ اٹھانا چاہے جسے اس نے حلال کیا ہے۔ یہی صورت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ وہ اس چیز پر عمل کرے جو مباح ہے اور منع کردہ اشیاء سے آیا وہ بچ سکتا ہے؟

اس سوال کے مختلف جواب تھے۔ اگرچہ ہر جواب اچھا تھا تاہم جو ابات میں اختلاف حالات کے اختلاف سے متعلق تھا۔ ایک فریق یہ کہتا تھا کہ آدمی اس بات پر قادر ہے کہ وہ سو فی صد مسلمان کی سی زندگی گزار سکے۔ جبکہ دوسرا فریق اس بات کی موافقت نہیں کر رہا تھا۔ دوسرا فریق جو سو فی صد مسلمانوں کی سی زندگی

گزارنے کی موافقت نہیں کر رہا تھا، اس کی توجیہ یہ تھی کہ معاشرتی دباؤ کئی قسم کے ہیں۔ جن میں سے ہو سکتا ہے کہ بہت سی باتیں نادرست ہوں تاہم معاشرہ انہیں اپنائے ہوئے ہے۔ اس فریق نے اس کی مثال فٹ بال کے کھیل سے دی۔ جس کی حکومت حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ اس کے بجائے اگر نوجوانوں کو گھڑ سواری، تیراکی اور تیراندازی وغیرہ کی ٹریننگ دی جائے تو یہ نوجوانوں کے لیے فٹ بال سے بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔

دوسری مثال تصویر کشی اور مجسمہ سازی کی ہے، تیسری مثال انسان کی غذا سے متعلق ہے جو حکومت بیرونی ممالک سے مختلف قسم کے گوشت درآمد کرتی ہے۔ چوتھی مثال بتکوں کے فوائد ہیں۔ چنانچہ اور بھی کئی مثالیں پیش کی گئیں۔ جب یہ مباحثہ طویل پکڑا اور ہم نے بعض نقاط پر اتفاق کیا اور بعض میں اختلاف کیا تو ہم نے مناسب سمجھا کہ اپنا سوال آپ کو بھیج دیں۔ یہ توقع رکھتے ہوئے کہ شاید آپ کے ہاں سے شافی جواب مل سکے۔

احمد - ع - الرياض

جواب : مسلم غیر معصوم ہے اور ہر انسان خطا کار ہے۔ ان خطا کاروں میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے لیکن اس بات کا امکان موجود ہے کہ ایک مسلمان اسلامی معاشرہ میں اپنی طاقت کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے دین کی محافظت کر سکے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں

« فَأَنْفُوا لِلَّهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ »

اللہ سے ڈرتے رہو جس قدر تم سے ہو سکے۔ (التغابن : ۱۶)

اب اگر اس سے کوئی ایسی خطا سرزد ہو جو اس نے دانستہ نہ کی ہو، یا اس کے اپنے اختیار کے مطابق اس کا گمان ہو کہ وہ جائز ہے اور اس کے پاس پوری معلومات نہ ہوں، یا اس نے کسی عالم سے پوچھا ہو اور اس نے ایسا فتویٰ دیا ہو جبکہ اس کا فتویٰ شریعت مطہرہ کے مطابق نہ ہو تو ان باتوں سے اس کے دین میں کوئی عیب واقع نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ مسلم پر واجب ہے کہ جس حد تک ممکن ہو اللہ سے ڈرتا رہے۔ جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں انہیں حرام سمجھے اور جو باتیں اللہ نے فرض کی ہیں ان میں اجتہاد کرے پھر اگر کہیں لغزش واقع ہو جائے تو سچی توبہ کرنے میں جلدی کرنا اس پر واجب ہے۔

ایک نوجوان ارکان اسلام بجلائے لیکن بعض معاصی کا ارتکاب بھی کرے  
تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : ایک نوجوان پانچوں ارکان اسلام بجلا تا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بتلائے ہیں لیکن بعض گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ یعنی واجبات اور منہیات اکٹھے کر لیتا ہے تو اس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے کیا حکم ہے؟

ساری - غ - ۱ تقصیم

جواب : جب تک سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوتا، توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ لہذا ہر کافر اور گنہ گار کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے حضور سچی توبہ کرے اور وہ یہ ہے کہ گزشتہ کفر یا گناہوں پر نادم ہو، اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اسے بزرگ و برتر سمجھتے ہوئے وہ کام یکسر چھوڑ دے اور آئندہ وہ کام نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ جب بندہ ایسی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی گزشتہ برائیاں مٹا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

اور اے مومنو! تم سب اللہ کے ہاں توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

نیز فرمایا :

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ﴾

اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھی راہ پر چلے، اس کو میں بخش دینے والا

ہوں۔ (طہ : ۸۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«الإسلامُ يَهْدِمُ ما كان قبله، والتَّوبَةُ تَهْدِمُ ما كان قبلها»

اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔

اور مسلم کے حق میں توبہ مکمل یوں ہوگی کہ جس کی کوئی چیز غصب کی ہو اسے واپس کرے۔ یا اسے اس کا

کفارہ ادا کرے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«مَنْ كَانَ عِنْدَهُ لِأَخِيهِ مَظْلَمَةٌ فَلْيَتَحَلَّلْهُ الْيَوْمَ؛ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ دِينَارٌ وَ لَا دِرْهَمٌ. إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أَخَذَ مِنْ حَسَنَاتِهِ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أَخَذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ.»

جس شخص کے پاس اپنے بھائی کی کوئی غصب کردہ چیز ہو وہ اس دن سے پہلے اس کا کفارہ ادا کرے جس

دن نہ دینار ہوں گے اور نہ درہم۔ اگر اس کے اعمال صالح ہوں گے تو اس کے مظالم جتنی نیکیاں لے کر حقدار

کو دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو حقدار کی برائیاں اس پر ڈال دی جائیں گی۔

اسے بخاری نے روایت کیا اور اس معنی کی آیات و احادیث بہت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قول وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (مریم : ۷۱) میں ورود سے کیا مقصود ہے؟

سوال : میں نے سورہ مریم کی آیات نمبر ۷۱-۷۲ پڑھیں جو یوں ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ : ﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثْمًا ﴿٧٢﴾﴾

اور تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ یہ بات تمہارے پروردگار پر لازم اور طے شدہ ہے۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ (مریم : ۷۱-۷۲)

میں چاہتا ہوں کہ اس آیت کریمہ اور بالخصوص ورود کے معنی سمجھوں۔ میں نے ابن رجب حنبلی کی کتاب میں پڑھا، وہ کہتا ہے کہ ائمہ نے ورود کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ تو کیا ورود کا معنی دوزخ میں داخل ہونا ہے۔ یعنی مومن اور کافر سب جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو دوزخ سے نجات دے گا۔ یا اس لفظ سے مقصود محض اس صراط (راستہ) (پل) پر چلنا ہے جو تلوار کی دھار کی طرح ہوگا۔ پھر پہلا گروہ تو بجلی کی طرح (برق رفتاری سے) اس پر سے گزر جائے گا، دوسرا ہوا کی رفتار سے، تیسرا تیز رفتار گھوڑے اور چوتھا تیز رفتار اونٹ اور جانوروں کی رفتار سے گزر رہے ہوں گے اور فرشتے کہہ رہے ہوں گے۔ اے پروردگار! انہیں سلامت رکھ، انہیں سلامت رکھ۔

حنان۔ ۱۔ المنطقۃ الوسطی

جواب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ورود سے مراد صراط (پل) کے اوپر سے گزرتا ہے جو جہنم کی پشت پر رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس سے پناہ میں رکھے۔ لوگ اس پر سے اپنے اعمال کی مناسبت سے گزریں گے جیسا کہ ان احادیث میں مذکور ہے۔

## قیامت کا قائم ہونا

سوال : ہم اکثر سنتے ہیں کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب تمام روئے زمین پر اسلام عام ہو جائے گا۔ دوسری طرف ہم یہ بھی سنتے ہیں کہ جب تک زمین میں لا الہ الا اللہ کہنے والا ایک شخص بھی موجود ہوگا قیامت قائم نہ ہوگی۔ ان دونوں باتوں میں تطبیق کیسے کریں۔

حسین۔ ۱۔ ع۔ الریاض

جواب : یہ دونوں قول صحیح ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اور وہ یہ

ہیں :

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل نہ ہوں گے۔ وہ دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے۔ مال عام ہو جائے گا اور جزیہ کو ساقط کر دیں گے اور اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قبول نہ کیا جائے گا، یا پھر تلوار ہوگی۔ آپ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا سب ادیان کو ختم کر دے گا اور سجدہ صرف اللہ وحدہ کے لیے ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تمام روئے زمین پر اسلام کی حکمرانی ہوگی اور اس کے علاوہ کوئی دین باقی نہ رہے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیث وارد ہیں کہ قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت کے بعد اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد ایک پاکیزہ ہوا بھیجیں گے جس سے ہر مومن مرد اور عورت کی روح قبض کر لی جائے گی۔ اس طرح باقی بدترین لوگ ہی رہ جائیں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔

ایک شخص کو نفسیاتی مرض لاحق ہو گیا۔ بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ مرض اسے دین پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی وجہ سے لاحق ہوا ہے۔ جو لوگ ایسی بات کہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

سوال : ہمارے شہر میں ایک شخص دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہے۔ اسے کوئی نفسیاتی مرض لگ گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ مرض اسے دین کی وجہ سے لاحق ہوا ہے۔ لوگوں کی باتوں میں آکر اس نے داڑھی مونڈ لی اور نماز کی وہ محافظت بھی چھوڑ دی جو پہلے کرتا تھا . . . کیا یہ کہنا جائز ہے کہ یہ مرض اسے دین کے احکام پر عمل پیرا ہونے اور ان کا پابند رہنے کی وجہ سے لاحق ہوا تھا؟ اور جو شخص ایسی بات کہتا ہے، کیا اسے کافر کہا جاسکتا ہے؟

ع-ن-ح-شعراء

جواب : دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونا مرض کا سبب نہیں بلکہ یہ تو ہر دنیوی اور اخروی بھلائی کا سبب ہے۔ مسلم کے لیے یہ جائز نہیں کہ جب نادان لوگ ایسی باتیں کہیں تو وہ ان کے پیچھے لگ جائے۔ نہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی داڑھی منڈوا دے یا چھوٹی کر لے اور نہ یہ کہ وہ نماز باجماعت سے پیچھے رہے بلکہ اس پر یہ واجب ہے کہ وہ حق پر ڈٹ جائے اور جن باتوں سے اللہ نے منع کیا ہے ان سے پرہیز کرے اور اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈر کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اللہ اسے بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن میں نہریں بہ رہی ہیں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے تو اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ (النساء : ۱۳-۱۴)

نیز اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴾ ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴿

اور جو شخص اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لیے (مخلصی کی) راہ پیدا کرے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ (العلاق : ۲)

نیز فرمایا :

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴾

اور جو اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کرے گا۔ (العلاق : ۴)

اور اس معنی کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

رہی قائل کی بات جو یہ کہتا ہے کہ مرض تمسک بالدين کی وجہ سے لاحق ہوا ہے تو وہ جاہل ہے۔ جس پر گرفت کرنا ضروری ہے اور یہ خوب جان لینا چاہیے کہ تمسک بالدين صرف بھلائی ہی لاتا ہے اور اگر مسلمان کو کوئی ناگوار بات پہنچتی ہے تو وہ اس کی برائیوں کا کفارہ ہے اور اس کی خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔

رہا اس کی تکفیر کا مسئلہ تو یہ تفصیل طلب بات ہے جو فقہ اسلامی کی کتابوں کے باب حکم المرتد میں دیکھی جاسکتی ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وضو

بعض نمازی وضو کرتے وقت بلا کسی وجہ مثلاً ٹھنڈک وغیرہ کے جرابوں پر مسح کر لیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : میں اکثر دیکھتا ہوں کہ بعض نمازی گرمیوں کے موسم میں بھی وضو کرتے وقت جرابوں پر مسح کر لیتے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ مجھے جواب سے مستفید فرمائیں گے کہ ان دونوں میں سے کونسا افضل ہے۔ ایک وہ مقیم جو وضو میں دونوں پاؤں دھولیتا ہے اور دوسرا وہ جو جرابوں پر مسح کرتا ہے۔ جو لوگ مسح کرتے ہیں ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہوتا۔ بس وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس کی رخصت ہے؟

سامی-ح

جواب : موزوں اور جرابوں پر مسح کے جواز پر دلالت کرنے والی حدیثوں کی عمومیت گرمی اور سردی دونوں موسموں میں مسح کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور مجھے کوئی ایسی شرعی دلیل معلوم نہیں جو صرف سردیوں کے موسم کی تخصیص پر دلالت کرتی ہو۔ ہاں جرابوں وغیرہ پر صرف شرعاً معتبر شروط کے تحت ہی مسح کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ جراب محل فرض (وضو) کی ساتر ہو۔ (یعنی اتنی باریک نہ ہو کہ پاؤں نظر آ رہا ہو) اور طہارت کے بعد پہنی جائے اور مدت کا لحاظ رکھا جائے، جو مقیم کے لیے ایک دن رات اور مسافر کے لیے تین دن رات ہے اور مدت کا شمار علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق حدث کے وقت سے شروع کیا جائے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

میں نے بلا وضو جرابیں پہن لیں اور بھول کر ان پر مسح کرتا اور نماز ادا کرتا رہا۔ اب اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : میں نے فجر کی نماز کے لیے وضو کیا اور نماز پڑھی اور جرابیں پہننا بھول گیا اور نماز کے بعد سو گیا پھر جب میں اپنے کام پر جانے کے لیے بیدار ہوا تو اسی حالت میں جرابیں پہن لیں۔ جب ظہر کا وقت آیا تو



میں نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کر لیا اور نماز ادا کی۔ اسی طرح میں نے عصر، مغرب اور عشاء ادا کی۔ دل میں یہی بات تھی کہ میں نے جرابیں طہارت کے وقت پہنی ہیں۔

یہ بات مجھے یاد ہی نہ رہی تھی کہ میں نے انہیں بلا وضو پہنا تھا۔ عشاء سے تقریباً دو گھنٹہ بعد یہ بات یاد آئی۔ اب میری ان چاروں اوقات کی نماز کے متعلق کیا حکم ہے۔ آیا وہ صحیح ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔

س-ع-غ-حائل

جواب : جس نے بلا طہارت موزے اور جرابیں پہنی، پھر ان پر مسح کر کے بھول کر نماز ادا کی تو اس کی نماز باطل ہے اور جتنی نمازیں اس نے اس مسح سے ادا کیں اس پر سب کا اعادہ لازم ہے۔ کیونکہ اہل علم کے اجماع کے مطابق مسح کی صحت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جراب طہارت کے وقت پہنی جائے اور جس نے انہیں بلا طہارت پہنا، پھر اس پر مسح کیا تو اس کا حکم بلا طہارت نماز ادا کرنے والے کا حکم ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ ، وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ . »

طہارت کے بغیر نماز اور چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے تخریج کی ہے۔

اور صحیحین میں ابو ہریرہ سے مروی حدیث یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ . »

تم میں سے اگر کسی کو حدث ہو جائے تو جب تک وضو نہ کرے، اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

اور صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کسی سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ تھے۔ آپ رفع حاجت کے لیے گئے۔ واپس آئے تو وضو کیا۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ وضو کرتے وقت اوپر

سے پانی ڈال رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح کیا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ

آپ کے موزے کھینچ لے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« دَعَهُمَا ، فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا ظَاهِرَتَيْنِ ، فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا . »

انہیں چھوڑ دو۔ میں نے پاکیزگی کی حالت میں پاؤں داخل کئے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر

مسح کیا۔

اے سائل! ان دلائل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ پر چاروں نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کا اعادہ

ضروری ہے اور بھول کی وجہ سے آپ پر کچھ گناہ نہیں کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے قول کے مطابق :

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾

اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں تو ہمارا مواخذہ نہ کرنا۔ (البقرہ : ۲۸۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد فعلت (میں نے ایسا ہی کیا) جس کے معنی یہ ہوئے کہ جو کچھ بندوں سے ازراہ خطا و نسیان واقع ہو جائے اس پر مواخذہ نہ کرنے سے متعلق بندوں کی دعا کو اللہ سبحانہ نے قبول فرمایا ہے۔ پس اس بات پر حمد اور شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔

## وضو کرنے والا کس وقت جرابیں پہنے؟

سوال : کسی نے مجھے کہا کہ وضو کے دوران جب تک پایاں پاؤں بھی دھونہ لیا جائے، دائیں پاؤں میں جراب نہیں پہننا چاہیے۔ میں نے بہت مدت پہلے اس موضوع پر ایک کتاب میں پڑھا تھا جس کا نام اس وقت مجھے یاد نہیں آ رہا کہ اس بات میں اختلاف ہے اور علماء کے ہر دو اقوال میں سے راجح یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اس موضوع پر تفصیل جواب دے کر مستفید فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔

م۔ع۔ا۔حائل

جواب : بہتر اور محتاط صورت یہی ہے کہ جب تک پایاں پاؤں بھی دھونہ لیا جائے جرابیں نہ پہنی

جائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسَّ خُفَّيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا، وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا، وَلَا يَخْلَعُهُمَا إِنْ شَاءَ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ. »

تم میں سے کوئی شخص جب وضو کرے اور موزے پہنے تو ان پر مسح کرے اور انہیں میں نماز ادا کرے اور اگر چاہے تو انہیں نہ اتارے مگر جنابت کی صورت میں (اتارنا ضروری ہے)۔

اسے دار قطنی اور حاکم نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نکالا اور صحیح کہا ہے۔ اور ابو بکر ثقفی کی حدیث یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو تین دن رات کی اور مقیم کو ایک دن رات کی رخصت دی ہے۔ جب وہ طہارت کر کے اپنے موزے پہن کر ان پر مسح کرے۔ اسے دار قطنی نے نکالا اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

صحیحین میں مروی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے کھینچنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا : ”انہیں رہنے دو۔ میں نے پاؤں دھو کر ان میں داخل کیے تھے۔“ ان تینوں احادیث سے بھی اور ان سے بھی جو اس معنی میں ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ موزوں پر مسح کرے مگر صرف اس صورت میں کہ اس نے کمال طہارت کے بعد انہیں پہنا ہو۔ اور جو شخص پایاں پاؤں دھونے سے پہلے موزہ یا جراب پہنتا ہے، اس نے اپنی طہارت مکمل نہ کی تھی۔ اگرچہ بعض اہل علم ایسے مسح

کو جائز قرار دیتے ہیں جبکہ مسح کرنے والے نے پایاں پاؤں دھونے سے قبل ہی دائیں پاؤں میں موزہ یا جراب پہن لی ہو۔ کیونکہ ان میں سے ہر پاؤں کو دھونے کے بعد ہی موزہ میں داخل کیا گیا ہے۔ لیکن محتاط صورت پہلی ہی ہے اور وہی دلیل سے واضح ہوتی ہے اور جس شخص نے ایسا کیا ہو اسے چاہیے کہ مسح سے پہلے اپنے دائیں پاؤں سے موزہ یا جراب اتار لے پھر پایاں پاؤں دھونے کے بعد دوبارہ موزہ یا جراب پہن لے تاکہ یہ اختلاف نہ رہے اور اپنے دین میں احتیاط برتے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ ہی ہے۔

بعض لوگ مسجد حرام میں سوجاتے ہیں۔ پھر جب نماز کی اذان ہوتی ہے

تو وہ وضو کئے بغیر نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایسے کام کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے

سوال : میں نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں مثال کے طور پر ظہر اور عصر سے پہلے سوجاتے ہیں۔ پھر جب لوگوں کو خبردار کرنے والا انہیں جگانے آتا ہے تو وہ وضو کئے بغیر ہی نماز میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہی صورت بعض عورتوں کی بھی ہوتی ہے۔ اس کے حکم سے ہمیں مستفید فرمائیے۔ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب : نیند ناقض وضو ہے، جبکہ گہری ہو اور شعور کو زائل کر دے۔ جیسا کہ جلیل القدر صحابی صفوان بن عسال المرادی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم مسافر ہوں تو ماسوائے جنابت تین دن رات تک اپنے موزے نہ اتاریں۔ بول و براز اور نیند سے اتارنے کی ضرورت نہیں۔ اسے نسائی اور ترمذی نے نکالا۔ اور اس حدیث کے الفاظ ترمذی کے ہیں اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :

«العیبُ وَكَأءُ السَّهِّ ، فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانُ اسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ.»

آنکھ سرین کا سر بند ہے۔ جب آنکھیں سوجاتی ہیں تو سر بند ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔

اسے احمد اور طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند میں ضعف ہے لیکن اس کے شواہد ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں جیسے صفوان والی حدیث مذکورہ بالا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث حسن بن جاتی ہے۔

ان تصریحات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو مرد، عورت مسجد حرام میں یا کسی بھی جگہ سوجائے تو اس سے اس کی طہارت ٹوٹ جاتی ہے اور اس پر وضو کرنا لازم ہے۔ پھر اگر وہ بلا وضو نماز ادا کرے تو اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ اور وضو شرعی یہ ہے کہ منہ دھویا جائے، کلی کی جائے اور ناک کو جھاڑا جائے اور ہاتھوں کو کنبیوں تک دھویا جائے اور کانوں سمیت سر کا مسح کیا جائے اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا جائے۔ نیند اور دوسری صورتوں مثلاً ہوا خارج ہونا اور شرمگاہ کو چھونا اور اونٹ کا گوشت کھانا وغیرہ میں استنجاء کرنے کی ضرورت

نہیں۔

استنجا یا ڈھیلوں سے صفائی وضو سے قبل اور صرف بول و براز کی صورت میں واجب ہوتی ہے یا ایسی صورتوں میں جو بول و براز کے معنی میں ہوں۔  
 رہی اونگھ تو یہ ناقض وضو نہیں۔ کیونکہ اس سے شعور زائل نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر اس باب میں وارد احادیث میں تطہیق ہو جاتی ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ ہی ہے۔

غسل

جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کی قراءت قرآن کا حکم

سوال : ہم کلتیہ البنات کی طالبات ہیں۔ ہمارے لیے قرآن کا ایک جزو حفظ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پھر کبھی کبھی امتحانات کا وقت آجاتا ہے اور وہی وقت ماہواری کا ہوتا ہے تو کیا ہمارے لیے امتحانی پرچہ پر سورہ لکھنا اور اسے زبانی پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

خدیجہ - ع

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ حیض اور نفاس والی عورت کے لیے قرآن پڑھنا جائز ہے کیونکہ ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جو اس بات سے ممانعت پر دلالت کرتا ہو لیکن مصحف (قرآن کریم) کو چھونا نہیں چاہیے۔ حیض والی اور نفاس والی دونوں کو چاہیے کہ وہ کوئی پاکیزہ کپڑا یا ایسی ہی کوئی چیز قرآن پر رکھ لیں جو قرآن اور ان کے ہاتھ کے درمیان حائل ہو۔ یہی صورت اس ورق کی ہوگی جس پر عند الضرورت قرآن کریم لکھنے کی ضرورت ہو۔

رہا جنبی تو وہ جب تک نما نہ لے، قرآن کریم نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اس کے متعلق صحیح حدیث وارد ہے جو ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ حیض اور نفاس والی عورتوں کو جنبی پر قیاس کرنا درست نہیں۔ کیونکہ ان دونوں کی مدت طولانی ہوتی ہے بخلاف جنبی کے۔ جب وہ جنابت واجب کرنے والی چیز سے فارغ ہو تو وہ کسی بھی وقت غسل کر سکتا ہے . . . اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی سے درکار ہے۔

## احتلام سے نہانے کا حکم

سوال : کبھی کبھی جب میں نیند سے ہوش میں آتا ہوں تو مجھے یاد پڑتا ہے کہ نیند کی حالت میں احتلام ہوا تھا لیکن میں اس احتلام کا کوئی نشان نہیں دیکھتا۔ تو کیا مجھ پر غسل واجب ہے یا نہیں؟ ہمیں فتویٰ دیجئے۔ جزاکم اللہ خیرا

ابراہیم۔ ع۔ ح

جواب : اگر کوئی شخص خواب میں احتلام ہوتا دیکھے مگر پانی یعنی منی کا کوئی نشان نہ پائے تو اس پر غسل واجب نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے «الماء من الماء» جس کا مطلب یہ ہے کہ منی کا پانی نکلنے پر غسل کا پانی واجب ہوتا ہے۔ اہل علم کے ہاں یہ بات صرف احتلام والے کے لیے ہے۔ رہا اپنی بیوی سے صحبت کرنے والا تو اس کا اگر پانی نہ بھی نکلے تو بھی اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إِذَا مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ . »

جب شرمگاہ، شرمگاہ سے چھو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعْبَيْهَا الْأَرْبَعِ نُمَّ جَهْدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ . »

جب مرد عورت کے چار کونوں کے درمیان بیٹھے اور کوشش کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں یہ الفاظ لکھے ہیں «وإن لم ينزل» (اگرچہ اسے انزال نہ ہو)

اور صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ام سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا نے جو انس رضی اللہ عنہ کی ماں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "اے اللہ کے رسول! اللہ حق بات سے نہیں شرماتا۔ کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اسے احتلام ہو؟" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں! جب وہ پانی (کا نشان) دیکھے۔"

اور تمام اہل علم کے ہاں یہ حکم مرد اور عورت دونوں کے لیے عام ہے . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## مجھے سردھونے سے الرجی ہو جاتی ہے۔ لہذا غسل کیسے کروں؟

سوال : میں شادی شدہ عورت ہوں اور سینہ کی الرجی کی مریضہ ہوں۔ مجھے دائمی نزلہ رہتا ہے . . . میں نماز کیسے ادا کروں؟ کیا میں سردھوئے بغیر صرف اس پر مسح کرتے ہوئے نماز کر سکتی ہوں . . . یہ سمجھ لیجئے کہ مجھے ہفتہ میں کئی بار سردھونے سے نزلہ لگ جاتا ہے اور بسا اوقات مجھے سر دھونے پر قدرت نہ ہونے سے نماز ترک کرنا پڑتی ہے اور کبھی اس کا صرف مسح کر لیتی ہوں . . . میں نہایت متردد اور بے چین رہتی ہوں، حالانکہ میں جانتی ہوں کہ دین آسان ہے۔ میں آپ سے فیصلہ کن جواب سے مستفید ہونے کی توقع رکھتی ہوں تا کہ میں امان کی زندگی گزار سکوں اور اپنا فرض پوری طرح ادا کر سکوں۔ میں ایک مدرسہ ہوں اور مجھے روزانہ کام کے لیے ہوا میں نکلنا پڑتا ہے، جس سے صاحب فراش ہو جاتی ہوں۔ میں مریضہ ہوں اور اللہ جانتا ہے۔ گویا میں ازدواجی زندگی کی مداومت میں سرگرداں رہتی ہوں اور وہ خاوند کی اطاعت اور اس سے بڑھ کر اللہ کی اطاعت ہے۔

ح-م-ع

جواب : جب جنابت یا حیض کے غسل میں سردھونا آپ کے لیے ضرور رساں ہے تو آپ کے لیے تیمم کے ساتھ سر کا مسح کافی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ فَأَنْقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾

اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ (التغابن : ۱۶)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَا نَهَيْتُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ .»

جس چیز سے میں تمہیں منع کروں اس سے باز رہو اور جس بات کا حکم دوں تو جس قدر بجالا سکتے ہو، لاؤ۔

## حیض اور نفاس

کیا حائضہ عرفات میں دعاؤں کی کتابوں سے پڑھ سکتی ہے؟

سوال : کیا حائضہ کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ عرفہ کے دن دعاؤں کی کتابیں پڑھے باوجودیکہ ان میں قرآنی آیات بھی ہوتی ہیں۔

جواب : اگر حیض یا نفاس والی عورت وہ دعائیں پڑھے، جو حج کی کتابوں میں لکھی ہوتی ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر صحیح روایات کے مطابق ایسی عورت قرآن بھی پڑھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ

ایسی کوئی صحیح، صریح نص نہیں آئی جس میں حیض و نفاس والی عورت کے لیے قرآن پڑھنے کی ممانعت مذکور ہو۔ ممانعت تو بالخصوص جنبی کے لیے ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایسی حالت میں قرآن نہیں پڑھ سکتی۔ رہا حیض اور نفاس والی عورت کا معاملہ تو ان کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے :

« لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئاً من القرآن . »

حیض والی اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ حدیث اسماعیل بن عیاش سے مروی ہے جو حجازیوں سے روایت کرتا ہے اور وہ ان سے روایت کرنے میں ضعیف ہے۔ تاہم ایسی عورت مصحف کو چھو نہیں سکتی، منہ زبانی پڑھ سکتی ہے۔ رہا جنبی کا معاملہ تو اسے قرآن پڑھنا جائز نہیں، نہ منہ زبانی اور نہ مصحف سے۔ تا آنکہ وہ غسل نہ کرے۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ جنبی کا وقت مختصر ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی اہلیہ سے فارغ ہو اسی وقت غسل کر سکتا ہے لہذا اس کی مدت طویل نہیں ہوتی اور معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ جب چاہے غسل کرے اور اگر پانی نہ مل سکے تو تیمم کرے اور نماز ادا کرے اور قرآن پڑھ لے مگر حیض اور نفاس والی عورتوں کا معاملہ ان کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ وہ تو اللہ عزوجل کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور حیض اور اسی طرح نفاس میں کئی دن گزر جاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے لیے قرآن پڑھنا مباح ہے تا کہ اسے بھول نہ جائیں اور تا کہ قراءت کی فضیلت ان سے فوت نہ ہو اور وہ کتاب اللہ سے شرعی احکام معلوم کر سکیں۔ پھر ان کے لیے جب قرآن پڑھنا جائز ہے تو ایسی کتابیں پڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا، جن میں آیات و احادیث کے علاوہ دوسری دعائیں بھی مخلوط ہوتی ہیں۔ یہی وہ راہ صواب اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

میں بعض تفسیر کی کتب پڑھتی ہوں۔ جبکہ میں بلا طہارت ہوتی ہوں

تو کیا اس معاملہ میں مجھے گناہ ہوگا؟

سوال : میں قرآن کی بعض تفاسیر مثلاً صفوہ التفاسیر پڑھتی ہوں جبکہ میں باطہارت نہیں ہوتی . . . جیسے مثال کے طور پر ماہواری کے ایام میں، تو کیا اس میں کچھ حرج ہے اور آیا مجھے اس کا گناہ ہوگا؟

م-ح-الریاض

جواب : حیض اور نفاس والی عورت کے لیے نہ کتب تفاسیر پڑھنے میں کوئی حرج ہے اور نہ قرآن پڑھنے میں، بشرطیکہ قرآن کو چھوا نہ جائے۔ اور یہ بات علماء کے دو اقوال میں صحیح تر کے مطابق ہے۔ رہا جنبی تو وہ

مطلقاً قرآن نہیں پڑھ سکتا البتہ وہ کتب تفسیر اور احادیث پڑھ سکتا ہے لیکن اس کے ضمن میں جو آیات آئیں وہ نہ پڑھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ قرآن پڑھنے میں جنابت کے علاوہ کوئی چیز آپ کے آڑے نہ آتی تھی اور اس حدیث کے ضمن میں جسے امام احمد نے اسناد جید کے ساتھ روایت کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ منقول ہیں :

« فَأَمَّا الْجِنْبُ فَلَا، وَلَا آيَةٌ . »

رہا جنبی تو وہ قرآن نہیں پڑھ سکتا، ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکتا۔

کیا عورت نفاس کے دوران نماز، روزہ اور حج ادا کر سکتی ہے؟

سوال : کیا نفاس والی عورت اگر چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ روزے رکھ سکتی، نماز ادا کر

قاری

سکتی اور حج کر سکتی ہے؟

جواب : ہاں! اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ روزہ رکھ سکتی ہے، نماز ادا کر سکتی ہے اور حج و عمرہ کر سکتی ہے اور اس کے خاوند کے لیے حلال ہے کہ وہ اس سے صحبت کرے۔ اگر وہ بیس دن بعد پاک ہو جاتی ہے تو غسل کرے، نماز ادا کرے اور روزے رکھے اور اپنے خاوند کے لیے حلال ہو گئی اور جو کچھ عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے، تو یہ بات کراہت تزییمی پر محمول ہے اور وہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

اور درست بات یہی ہے کہ اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر اگر پاک رہے تو نفیاً اور اگر چالیس دنوں کے اندر دوبارہ خون آنے لگے تو صحیح بات یہی ہے کہ چالیس دنوں کی مدت کے اندر اسے نفاس ہی سمجھا جائے گا لیکن جو روزے، نمازیں اور حج جو اس نے حالت طہارت میں ادا کئے تھے، وہ سب صحیح ہیں۔ ان میں سے کسی بھی چیز کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اگر غسل کے بعد عورت کو خون اتر آئے تو اس کا حکم

سوال : میں ماہواری کے بعد نہانے کے وقت اور حیض کی حسب عادت مدت جو کہ پانچ دن ہے، کے بعد بعض اوقات ملاحظہ کرتی ہوں کہ نہایت قلیل مقدار میں خون اترتا ہے اور یہ نہانے کے بعد ساتھ ہی ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد کچھ نہیں اترتا۔ میں نہیں سمجھتی کہ میں اپنی عادت صرف پانچ دن ہی شمار کروں اور جو کچھ زیادہ ہو اس کا حساب نہ کیا جائے اور میں نماز اور روزے ادا کروں، کہ مجھ پر ان سے کچھ باقی نہ رہے یا میں اس دن کو ایام عادت میں شمار کروں اور اس دن نہ نماز ادا کروں اور نہ روزہ رکھوں . . . یہ جانتے ہوئے کہ ایسا واقعہ مجھے ہمیشہ پیش نہیں آتا بلکہ دو یا تین ماہواریوں کے بعد پیش آتا ہے۔ میں آپ سے مستفید ہونے کی



توقع رکھتی ہوں۔

تاریہ

جواب : طہارت کے بعد جو چیز اترتی ہے اگر وہ زرد رنگ کی ہے یا گدلی ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ اس کا حکم بول کا حکم ہے۔

البتہ اگر وہ صریح خون ہے تو وہ حیض ہی سمجھا جائے گا اور تمہارے لیے دوبارہ غسل کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے اور وہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھیں۔ انہوں نے کہا ”ہم طہارت کے بعد زردی اور گدلا پن کو کوئی چیز شمار نہ کرتی تھیں“۔

ایک عورت کو چار دن ماہواری آتی ہے پھر تین دن بعد آنے لگتی ہے، وہ رمضان کے دنوں میں کیا کرے؟

سوال : میں بیالیس سال کی شادی شدہ عورت ہوں، میری ماہواری کی صورت یہ ہے کہ چار دن آتی ہے پھر تین دن کے لیے رک جاتی ہے اور ساتویں دن دوبارہ شروع ہو جاتی ہے لیکن ہلکی ہوتی ہے پھر پھر پھر رنگ جیسی ہو جاتی ہے اور بارہویں دن تک یہی صورت رہتی ہے۔ مجھے اس سے سخت کمزوری لاحق ہو جاتی تھی جس کا میں شکوہ کیا کرتی تھی لیکن بجز اللہ علاج کے بعد یہ تکلیف دور ہو گئی۔ ہو گئی۔

میں نے ایک ماہر اور متقی طبیب سے اپنی حالت کے متعلق مشورہ پوچھا، تو اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں چار دن کے بعد نمایا کروں اور نماز روزہ وغیرہ، یعنی عبادت ادا کر لیا کروں۔

چنانچہ میں عرصہ دو سال سے اس طبیب کی نصیحت پر عمل کر رہی ہوں، لیکن اب کچھ عورتوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ بارہ دن تک انتظار کر لیا کروں۔ میں آپ کی ذات والا سے توقع رکھتی ہوں کہ آپ راہ صواب کی طرف میری رہنمائی فرمائیں گے۔

جواب : یہ چار دن اور چھ دن سب کے سب ایام حیض ہی ہیں۔ لہذا آپ پر لازم ہے کہ آپ ان دنوں میں نماز اور روزہ چھوڑ دیں۔ ان مذکورہ ایام میں آپ اپنے خاوند کے لیے بھی حلال نہیں۔ نیز آپ پر لازم ہے کہ چار دن بعد آپ غسل کریں، نماز ادا کریں اور خاوند کے لیے حلال ہیں۔ یہ مدت طہارت وہ ہے جو چار دن اور چھ دن کے درمیان ہے۔ اس میں آپ روزہ بھی رکھ سکتی ہیں۔

جب رمضان میں یہ صورت واقع ہو تو اس درمیانی مدت میں آپ روزہ رکھیے۔ پھر جب مزید چھ دن بعد آپ پاک ہوں تو پاک عورتوں کی طرح غسل فرمائیے، نماز ادا کیجئے اور روزہ رکھیے۔ کیونکہ ایام ماہواری (یعنی حیض) زیادہ بھی ہو سکتے ہیں اور کم بھی، اکٹھے بھی ہو سکتے ہیں اور جدا جدا بھی . . .

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے جو اسے پسند ہے اور ہمیں اور آپ کو اور سب مسلمانوں کو دین کی سمجھ اور اس پر ثابت قدمی نصیب فرمائے۔

## نماز کی شرائط اور ارکان

جب ہم امریکہ پہنچے تو قطب نما کے مطابق نماز ادا کرتے رہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ اب کیا ہونا چاہیے؟

سوال : جب ہم امریکہ پہنچے تو قطب نما کے مطابق نماز ادا کرتے رہے۔ حالانکہ یہ قبلہ کا رخ نہ تھا۔ وہاں ہمارے کچھ مسلمان بھائی تھے۔ انہوں نے ہمیں بتلایا کہ جدھر منہ کر کے ہم نماز ادا کرتے رہے ہیں یہ قبلہ کا رخ نہیں ہے۔ پھر انہوں نے صبح رخ کی طرف ہماری رہنمائی کی۔ میرا سوال یہ ہے کہ قبلہ کا صبح رخ پہچاننے سے قبل جو نمازیں ادا کر چکے ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں؟

محمد - ع - ی - امریکہ

جواب : جب مومن کسی صحرا میں ہو یا ایسی بستی میں جہاں قبلہ کا رخ مشتبہ ہو رہا ہو، پھر وہ صبح رخ معلوم کرنے کے لیے پوری کوشش کرنے کے بعد اپنے اجتہاد کے مطابق نماز ادا کر لے۔ پھر اس کے بعد اس پر یہ واضح ہو جائے کہ اس نے نماز غیر قبلہ کی طرف ادا کی ہے تو اب وہ اپنے بعد والے اجتہاد کے مطابق عمل کرے۔ کیونکہ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا بعد والا اجتہاد پہلے سے صحیح تر ہے اور اس کی پہلی نمازیں بھی صحیح ہیں۔ کیونکہ اس نے وہ نمازیں حق کی تلاش اور اجتہاد کے بعد ادا کی تھیں اور یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے جبکہ قبلہ کی سمت بیت المقدس سے کعبہ المشرفہ کی طرف بدلی تھی۔ جو اسی بات پر دلالت کرتی ہے . . . اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے۔

میں نے ہوائی جہاز میں فرض نماز بیٹھ کر اشارے سے ادا کی اور میں قبلہ کا رخ نہیں پہچانتا تھا اب اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : مجھے ایک مہم پر جانا پڑا اور نماز کا وقت ہو گیا۔ میں اس وقت ہوائی جہاز میں تھا اور اس کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے سر کے اشاروں سے نماز ادا کر لی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرا رخ کس

طرف ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری نماز کی صحت کے متعلق مستفید فرمائیں گے اور اگر اس طرح نماز درست نہ ہو تو کیا میرے لیے یہ گنجائش ہے کہ میں نماز کو ہوائی جہاز سے اترنے تک موخر کر لوں؟

معصم - ع - جدہ

جواب : مسلم پر واجب ہے کہ جب وہ ہوائی جہاز یا صحرا میں ہو تو علامات قبلہ اہل خبر و نظر سے پوچھ کر قبلہ پہچاننے میں اجتہاد کرے، تا کہ علی وجہ البصیرت قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر سکے۔ پھر اگر اسے اس کا علم نہ ہو سکے تو قبلہ کے رخ کی جستجو میں اجتہاد کرے اور اس طرف منہ کر کے نماز ادا کر لے۔ یہ اس کے لئے کافی ہے خواہ بعد میں یہ معلوم ہو کہ اس نے قبلہ کی تلاش میں خطا کی ہے۔ کیونکہ اس نے پوری کوشش کر لی اور جہاں تک ممکن تھا اللہ سے ڈرتا رہا۔ اس کے لیے اجتہاد کے بغیر نماز فریضہ ادا کرنا درست نہیں خواہ وہ صحرا میں ہو یا ہوائی جہاز میں، اور اگر اس نے اجتہاد کے بغیر نماز ادا کی تو اس کا اعادہ ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں نہ تو وہ اللہ سے ڈرا اور نہ ہی ممکن حد تک اس نے کوشش کی۔

رہا سائل کا نماز بیٹھ کر ادا کرنے کا سوال، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ وہ کھڑے ہو کر نماز ادا نہ کر سکتا ہو، جیسے کشتی یا بحری جہاز میں نماز ادا کرنے والا اگر کھڑا ہو کر پڑھنے سے عاجز ہو تو بیٹھ کر ادا کر سکتا ہے اور اس مسئلہ میں حجت اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے :

﴿فَأَنقُوا لِلَّهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾

اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جہاں تک تم سے ہو سکے۔ (التغابن : ۱۶)

اور ہوائی جہاز سے اترنے تک نماز کو موخر اس صورت میں کر سکتا ہے جبکہ نماز کے وقت میں گنجائش ہو۔ اور یہ سب مسائل فرض نمازوں سے متعلق ہیں۔ رہے نوافل تو ان میں قبلہ رخ ہونا واجب نہیں خواہ وہ ہوائی جہاز میں ہو یا بس میں یا کسی جانور پر سوار ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ اپنے اونٹ پر نفل پڑھ لیا کرتے تھے۔ جدھر بھی وہ جا رہا ہوتا لیکن آپ حالت احرام میں یہی بات پسند فرماتے تھے کہ ایک دفعہ قبلہ رخ ہو جائیں پھر اس کے بعد جدھر سواری جاتی آپ اپنی نماز پوری فرما لیتے تھے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ اسی پر دلالت کرتا ہے۔

پتلے کپڑوں میں نماز کا حکم

سوال : کیا سلکی کپڑا جو شفاف سے مشابہت رکھتا ہے۔ ستر ڈھانک سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا مسلم کے لیے ایسا کپڑا پہن کر نماز ادا کرنا درست ہے؟

ابراہیم - س - منطقہ الجنوب

جواب : جب مذکورہ کپڑا اپنے شفاف یا پتلا ہونے کی وجہ سے جلد کو چھپانہ سکتا ہو تو کسی مرد کے لیے

اس میں نماز ادا کرنا درست نہیں، الایہ کہ ایسے کپڑے کے نیچے پاجامہ یا ازار ہو جو ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کو چھپا سکے . . . اور عورت کے لیے بھی ایسے کپڑے میں نماز جائز نہیں، الایہ کہ اس کے نیچے ایسا کپڑا یا کپڑے ہوں جو اس کے تمام بدن کو چھپا سکیں۔ ایسے کپڑے کے نیچے چھوٹا سا پاجامہ کفایت نہیں کرتا۔ اور مرد کو چاہیے کہ جب وہ ایسے کپڑے میں نماز پڑھے تو اس کے اوپر فینڈ یا کوئی ایسی چیز ہو جو اس کے دونوں یا کسی ایک کندھے کو ڈھانک سکے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقِهِ مِنْهُ شَيْءٌ . »

تم میں سے کوئی شخص ایک کپڑے میں اس حالت میں نماز ادا نہ کرے کہ اس کے کندھے پر کچھ نہ ہو۔ اس کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

میں نے فجر کی دو رکعت سنت ادا کر لیں تو موزن کھڑا ہوا اور فجر کی اذان کہی۔  
کیا اس حالت میں میری فجر کی دو رکعتیں ادا ہو گئیں یا نہیں؟

سوال : میں صبح کی نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعتیں نماز ادا کی۔ جب میں دوسری رکعت کے قیام میں تھا تو موزن کھڑا ہوا اور نماز کے لیے اذان کہی۔ جبکہ میں اپنی نماز کے متعلق یہ نیت کر چکا تھا کہ یہ صبح کی سنتیں ہیں۔ جب میں اپنے گھر سے اٹھا تو اس وقت بعض مساجد میں اذان ہو رہی تھی۔ پھر جب میں نماز سے فارغ ہوا تو بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔ پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا۔ ”اٹھو اور صبح کی سنت ادا کر لو۔“ میں نے کہا : ”میں تو ادا کر چکا ہوں۔“ وہ کہنے لگا : وہ جائز نہیں، الایہ کہ تم دوبارہ ادا کرو۔ کیونکہ موزن جب اذان کہ رہا تھا اس وقت تم نماز ادا کر رہے تھے . . . مجھے توقع ہے کہ آپ اس مسئلہ کے متعلق مجھے مستفید فرمائیں گے۔

معصم - ع - جدہ

جواب : جب موزن اذان دے رہا تھا اور آپ صبح کی سنتیں ادا کر رہے تھے تو اگر اذان ہی طلوع فجر کے بعد تاخیر سے ہوئی اور آپ کا سنتیں ادا کرنے کا فعل اذان سے مل گیا تو سنتیں ادا ہو گئیں۔ یہ کافی ہیں اور ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر اس بات میں شک ہو اور آپ یہ نہ جانتے ہوں کہ آیا اذان صبح کے بعد ہوئی ہے یا طلوع فجر کے وقت ہی ہوئی ہے تو اس صورت میں محتاط اور افضل بات یہی ہے کہ ان دو رکعتوں کو دوبارہ ادا کر لیں تا کہ طلوع فجر کے بعد ان کی ادائیگی یقینی ہو جائے۔

ہم ایک جماعت تھے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ آخر وقت میں نماز ادا کریں تو کیا ہم اذان اول وقت میں دیں یا آخر وقت میں؟

سوال : ہم ایک جماعت تھے۔ ہم نے طے کر لیا کہ مثلاً ظہر کی نماز آخر وقت میں ادا کریں گے اب اذان پہلے وقت میں کہنا لازم ہے یا آخر وقت میں؟ اور کیا اذان کے بغیر ہماری نماز درست ہوگی۔

ابراہیم۔ ص

جواب : جب آپ لوگ شہر میں ہوں تو آپ پر واجب ہے کہ مساجد میں جا کر مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کریں، الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔ جیسے مرض وغیرہ۔ اگر عذر شرعی موجود ہو تو گھر میں ادا کی ہوئی نماز جائز ہے اور شہر میں شہروالوں کی اذان ہی کافی ہے۔ ہاں! جب آپ صحرا میں ہوں تو نماز کا قیام (باجماعت) مشروع ہے۔ اس صورت میں آپ پر واجب ہے کہ آپ اذان کہیں اور نماز باجماعت ادا کریں۔ کیونکہ علماء کے دو اقوال میں صحیح تر قول یہ ہے کہ اذان اور اقامت فرض کفایہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حویرث اور اس کے ساتھیوں سے فرمایا :

« إذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم . »

جب نماز کا وقت آجائے تو تمہارے لیے تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حویرث اور اس کے ساتھی سے کہا : « إذا حضرت الصلاة فأذننا وأقيمنا . »

جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان کہو اور نماز باجماعت ادا کرو۔

اور اس لیے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بلال رضی اللہ عنہ کو اور مکہ میں ابو مخنف رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور انہیں دونوں کو نماز باجماعت میں اقامت کہنے کا حکم دیا۔ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہمیشہ پانچوں نمازیں اذان اور اقامت سے ادا کرتے رہے۔ جو اذان اور اقامت کی فرضیت پر دلیل ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« صلوا كما رأيتموني أصلي . »

نماز اس طرح ادا کرو جیسے مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔

رہا اول یا آخر وقت میں اذان کہنے کا معاملہ، جبکہ تم صحرا میں ہو تو اس معاملہ میں انشاء اللہ تعالیٰ بہت

وسعت ہے۔

اول وقت پر اذان اور نماز اور اس میں جلدی کرنا افضل ہے اور اگر آپ اذان اور صلوٰۃ کو مؤخر کر کے ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ ادا کر لیں تو بحالت سفر اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مسافر کے لیے یہ رخصت ہے کہ وہ سفر میں جمع کر لے۔ یہ جمع تاخیر ہو یا جمع تقدیم۔ یہ بات مسافر کی سہولت اور آرام کے مطابق ہوگی۔

اور اگر وہ ظہر کے وقت سفر ہو تو افضل یہ ہے کہ ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ ادا کر لے جبکہ وہ زوال سے پہلے روانہ ہوا ہو اور جب مغرب سے پہلے آغاز سفر کرے تو مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر ادا کرے۔ مگر جب وہ زوال کے بعد آغاز سفر کرے تو افضل یہ ہے کہ عصر کو مقدم کر کے ظہر کے ساتھ ادا کرے۔ اسی طرح اگر سورج غروب ہونے کے بعد روانہ ہو تو افضل یہ ہے کہ عشاء کو مقدم کر کے مغرب کے ساتھ ادا کرے۔ کیونکہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور بے شک اللہ عزوجل نے فرمایا :

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

تمہارے لیے اللہ کے رسول کی پیروی کرنا ہی اچھی روش ہے۔ (الاحزاب : ۲۱)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي.»

نماز اس طرح ادا کرو جیسے مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔

## تحتیۃ المسجد

تحتیۃ المسجد کے نفل غروب آفتاب کے بعد اور نماز مغرب سے پہلے پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : مغرب کی اذان کے بعد اور نماز سے پہلے تحتیۃ المسجد کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اذان اور اقامت کے بیان وقت مختصر ہوتا ہے۔ نیز نماز مغرب سے پہلے تحتیۃ المسجد کے علاوہ دوسرے نفل ادا کرنے کا کیا حکم

؟

صلاح-س-۱-منطقہ جنوبیہ

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہ ہے کہ تحتیۃ المسجد تمام اوقات میں حتیٰ کہ نہی کے

میں بھی سنت مؤکدہ ہیں جس کی وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول کا عموم ہے :

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكَعَتَيْنِ «(مَتَّفَقٌ عَلَيْهِ).

ب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لے۔

اور اذان مغرب کے بعد اور اقامت سے پہلے نماز ادا کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول کی رو سے سنت ہے :

مغرب سے پہلے نماز ادا کرو . . . مغرب سے پہلے نماز ادا کرو۔ پھر تیسری بار آپ نے یوں کہا۔ جو چاہے نماز مغرب سے پہلے نماز ادا کرے۔

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور جب مغرب کی اذان ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اقامت سے پیشتر دو رکعت نماز ادا کرنے میں جلدی کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ رہے ہوتے اور انہیں اس سے منع نہیں کیا بلکہ اس کا حکم دیا تھا جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

### اثنائے خطبہ تہیۃ المسجد کا حکم

سوال : جمہوریہ سوڈان کی مسجد (فتنہ) ربیع مروی میں میرے اور بعض نمازی بھائیوں کے درمیان بحث چل نکلی جو مسجد میں داخل ہونے کی دو رکعت نماز ادا کرنے سے متعلق تھی۔ جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو . . . میں اس موضوع پر ساتھ الشیخ سے فتویٰ کی امید رکھتا ہوں . . . آیا یہ رکعتیں جائز ہیں یا نہیں . . . اطلاع عرض ہے کہ اس مسجد عتیق کے نمازی بھائی امام مالک کے مذہب پر (یعنی مالکی) ہیں؟

ابراہیم - م - م - ضراء

جواب : مسجد میں داخل ہونے کے وقت سنت یہی ہے کہ داخل ہونے والا دو رکعتیں تہیۃ المسجد ادا کرے خواہ امام خطبہ دے رہا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكَعَتَيْنِ»

جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔

اس حدیث کو شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں نکالا ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكَعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزَ فِيهِمَا»

تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن مسجد آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعت ادا کرے اور ان میں اختصار کرے۔

اور یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح نص ہے۔ لہذا کسی کو روا نہیں کہ وہ اس کی مخالفت کرے اور غالباً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔ اسی لیے خطبہ کے وقت ان سے دو رکعتوں کی نہی ثابت ہے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث مل جائے تو کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں کی باتوں میں

آرست کی مخالفت کریں خواہ وہ کون لوگ ہوں۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾﴾

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں۔ پھر اگر کسی بات میں تم میں جھگڑا پیدا ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ پر اور روز آخرت پر یقین رکھتے ہو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام کار بھی اچھا ہے۔ (النساء : ۵۹)

نیز فرمایا :

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾

اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہوگا)۔ (الشوری : ۱۰) اور یہ تو معلوم ہے کہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل ہی کا حکم ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا :

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔ (النساء : ۸۰)

## نہی کے اوقات میں تحیۃ المسجد کا حکم

سوال : تحیۃ المسجد کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ ان میں ایک وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اوقات نہی مثلاً طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت یہ نوافل ادا نہ کیے جائیں۔ اور ایک وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تحیۃ المسجد چونکہ زوات الاسباب سے ہیں لہذا ان کا کوئی وقت نہیں، وہ ہر وقت ادا کیے جاسکتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر سورج آدھا غروب ہو چکا ہو تو بھی ادا کیے جاسکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ تفصیلی جواب سے مستفید فرمائیں گے۔ محمد . ع . ا . الدوادری

جواب : اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کسی وقت بھی ادا کئے جاسکتے ہیں۔ حتیٰ کہ فجر اور عصر (کی نماز) کے بعد بھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول میں عموم ہے :

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكَعَتَيْنِ»

تم میں کوئی شخص جب مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کر لے۔



اس کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور اس لیے بھی کہ یہ ذوات اسباب سے ہیں۔ جیسے طواف کی نماز اور سورج گمن کی نماز۔ ایسی تمام نمازوں میں درست بات یہی ہے کہ وہ تمام نبی کے اوقات میں بھی ادا کی جاسکتی ہیں جیسے فوت شدہ فرض نمازوں کی قضا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی نماز کے متعلق فرمایا :

« يَا بَنِي عَبْدِ مَنْفٍ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى آيَةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ »

اے بنی عبد مناف! جو شخص اس گھر کا طواف کرے اور نماز ادا کرے۔ اسے مت روکو، خواہ رات یا دن کا کوئی بھی وقت ہو۔

اسے احمد اور اصحاب سنن نے اسناد صحیح سے نکالا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف (سورج گمن یا چاند گمن) کے متعلق فرمایا :

« إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَصَلُّوا وَاذْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بِيَكُمْ . »

سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ انہیں کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے گمن نہیں لگتا۔ لہذا جب تم گمن دیکھو تو نماز ادا کرو اور دعا کرو۔ اس وقت کہ گمن کھل جائے۔

اس کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا؛ لَأَكْفَارَةٌ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ »

جو شخص نماز کے وقت سویا ہوا ہو یا بھول جائے تو جب اسے یاد آجائے، نماز ادا کرے۔ بس یہی اس کا کفارہ ہے۔

اور یہ تمام احادیث اوقات نبی اور دوسرے اوقات سب کے لیے عام ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی یہی قول پسند کیا ہے۔

**نماز باجماعت**

**نماز باجماعت کس چیز سے حاصل ہوتی ہے؟**

**سوال :** اگر نمازی، نماز باجماعت کے آخری تشہد میں طے تو کیا اسے نماز باجماعت کا اجر ملے گا یا نہیں؟

ابراہیم۔ س۔ منطقہ الجنوب

**جواب :** اگر نمازی ایک رکعت پالے تو اسے نماز باجماعت کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

« مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً فِي الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ . »

جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، گویا اس نے پوری نماز پالی۔

لیکن جب کوئی کسی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ جائے جیسے مرض وغیرہ تو اسے پوری نماز کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :  
 « إِذَا مَرِضَ الرَّجُلُ أَوْ سَافَرَ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ ؛ وَهُوَ صَاحِبُ حَقِّ مُقِيمٍ . »  
 جب کوئی شخص بیمار ہو جائے یا سفر اختیار کرے تو اللہ اس کا اتنا ہی عمل لکھ دیتا ہے جتنا وہ مقیم رہ کر تندرستی کی حالت میں کرتا تھا۔

جب مقتدی آئے اور امام رکوع میں ہو تو آیا وہ تکبیر تحریمہ کے

یا تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے ؟

سوال : جب مقتدی نماز میں شامل ہونے لگے اور امام رکوع میں ہو تو کیا مقتدی تکبیر تحریمہ کہے یا تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جائے ؟

فہم - ع - ع - الریاض

جواب : بہتر اور محتاط بات یہی ہے کہ وہ دونوں تکبیریں کہے۔ ایک تکبیر تحریمہ اور وہ رکن ہے اور یہ کھڑا ہونے کی حالت میں ہی کہی جائے گی اور دوسری رکوع کی تکبیر جبکہ وہ رکوع کے لیے جھکنے لگے۔ پھر اگر اسے رکعت فوت ہونے کا ڈر ہو تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق تکبیر تحریمہ اسے کفایت کر جائے گی۔ کیونکہ دو عبادتیں ایک ہی وقت اکٹھی ہو گئیں تو بڑی چھوٹی کو کفایت کر جائے گی اور اکثر علماء کے نزدیک یہ رکعت شمار ہو جائے گی۔ جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابوبکر ثقفی سے روایت کیا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ وہ رکوع میں تھے تو ابوبکر نے نماز کی خاطر صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کیا۔ پھر اسی حالت میں صف میں شامل ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا :

« زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا ؛ وَلَا تَعْدُ . »

اللہ تمہاری حرص زیادہ کرے۔ پھر ایسا نہ کرنا۔

اور لا تعد کا معنی یہ ہے کہ صف میں شامل ہونے سے پیشتر رکوع نہ کرنا بلکہ داخل ہونے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نماز کی خاطر صف میں شامل ہونے سے پیشتر رکوع نہ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس رکعت کی قضاء کا حکم نہیں دیا۔ جو اس رکعت کے شمار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کے حق میں فاتحہ کا سقوط (نہ پڑھنا معاف ہے) اس لیے اس کا محل یعنی قیام فوت ہو گیا ہے۔ اور یہ بات ان لوگوں کے ہاں بھی صحیح تر ہے جو مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنے کے وجوب کے قائل ہیں۔

میں اپنی مسجد میں جماعت کی امامت کراتا ہوں جبکہ میری قراءت اور تجوید کمزور ہے۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے یا میں جواب دے دوں؟

سوال : میں ریاض کے نواح میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ مجھے اشکال یہ ہے کہ قرأت میں میری تجوید کمزور ہے اور اس لحاظ سے کافی غلطیاں ہیں۔ مجھے قرآن کے تین پارے اور ان کے علاوہ بعض سورتوں کی بعض آیات بھی زبانی یاد ہیں اور میں اپنی ذمہ داری سے ڈرتا ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ مجھے جواب سے مستفید فرمائیں گے کہ آیا میں امامت جاری رکھوں یا مسجد انتظامیہ کو جواب دے دوں؟

م-م-۱-الریاض

جواب: آپ پر لازم ہے کہ آپ جس قدر قرآن یاد کر سکتے ہوں اس میں اور تجوید میں اپنی پوری کوشش کریں اور آپ کو بھلائی کی اور اللہ عزوجل کی مدد کی خوشخبری ہو جبکہ آپ اپنی نیت بہتر بنالیں اور اس میں پوری ہمت صرف کر دیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَنْقُ اللَّهُ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ إِسْرًا ﴾

اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کا کام آسان کر دیتا ہے۔ (العلاق : ۴)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«الماهرُ بالقرآنِ مع السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَّةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ.»

قرآن کا ماہر معزز اور نیکوکار لکھنے والوں (فرشتوں) کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس میں ہکلاتا ہے اور پڑھنا اس پر دشوار ہے اس کے لئے دو اجر ہیں۔

اور ہم آپ کو جواب دے دینے کی نصیحت نہیں کرتے بلکہ دائمی کوشش اور صبر و استقلال کی تاکید کرتے ہیں تا آنکہ آپ کتاب اللہ کی تجوید اور اسے پورا حفظ کرنے میں کامیاب ہو جائیں یا جس قدر اس سے میسر آئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے اور آپ کا کام آسان کرے۔

جو امام قرآن میں لحن کرے اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال : امام قرآن پڑھنے میں لحن کرتا ہے اور کبھی کبھی قرآنی آیات کے حروف کی ادائیگی میں کمی بیشی کر جاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

محمد-ب-۱-ابہا

جواب : جب اس کے لحن سے معنی میں کچھ فرق نہ پڑتا ہو تو اس کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ جیسے الحمد للہ رب العالمین میں رب کی ب کے کسرہ (ـِ) کے بجائے نصب (ـ) یا رفع (ـُ) پڑھ جائے اس طرح الرحمن کے ن کے کسرہ (ـِ) کے بجائے نصب (ـ) یا رفع (ـُ) پڑھ جائے مگر جب معنی بدل جائیں تو اس کے پیچھے نماز ادا نہ کریں جبکہ اسے سکھانا کچھ فائدہ دے اور نہ بتلانا (لقمہ دینا) جیسے وہ اہاک نعبد میں ایاک کے ک کسرہ (ـِ) پڑھے اور جیسے انعمت کی ت پر کسرہ (ـِ) یا ضمہ (ـِ) پڑھے۔ پھر اگر وہ تعلیم کو قبول کرے اور بتلانے پر اپنی قراءت درست کر لے تو اس کی نماز اور قراءت درست ہوگی اور ہر حالت میں مسلم کے لئے ہدایت یہ ہے کہ وہ بھائی کو نماز میں بھی سکھائے اور باقی اوقات میں بھی، کیونکہ ہر مسلم دوسرے مسلم کا بھائی ہے۔ جب کوئی غلط کام کرے تو دوسرا رہنمائی کرتا ہے اور اگر وہ ان پڑھ ہو تو اسے سکھاتا ہے اور اگر قرآن اس پر انک جائے تو اسے بتلاتا ہے۔

اگر امام فاتحہ میں لحن کرے تو اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال : اگر امام سورہ فاتحہ کی قراءت میں لحن کرے تو کیا اس کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کی نماز باطل ہو جاتی ہے؟

جواب : اگر امام سورہ فاتحہ میں ایسا لحن کرے جس سے معنی بدل جاتے ہوں تو اسے تنبیہ کرنا اور اسے غلطی بتلانا لازم ہے۔ پھر اگر وہ قراءت کو درست کر لیتا ہے تو الحمد للہ ورنہ اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔ اور جن لوگوں کی نماز سے متعلق سوال کیا گیا ہے، ان پر واجب ہے کہ وہ ایسے امام کو امامت سے معزول کر دیں اور وہ لحن جو معنی بدل دیتا ہے اس کی مثال جیسے انعمت علیہم میں ت پر فتح کے بجائے کسرہ یا ضمہ پڑھے یا اہاک نعبد میں ک پر فتح کے بجائے کسرہ پڑھے۔

رہا وہ لحن جس سے معنی تبدیل نہیں ہوتے جیسے وب کی ب پر یا الرحمن کے ن پر فتح۔ پڑھ جائے تو ایسے لحن سے نماز میں کچھ عیب واقع نہیں ہوتا۔

جب جہری نماز میں امام غلط پڑھ جائے تو کیا مقتدی کو اسے بتلانا چاہیے؟

سوال : جہری نماز کے دوران اگر امام قراءت میں خطا کر جائے، کوئی آیت یا آیت کا کچھ حصہ چھوڑ جائے یا غلطی سے آیت کا لفظ بدل دے وغیرہ وغیرہ . . . تو کیا مقتدی اسے لوٹا اور بتلا سکتا ہے؟

عبداللطیف - م - ع - ریاض

جواب : جب امام قراءت میں کوئی آیت چھوڑنے کی غلطی کر جائے یا اس کی قراءت میں لحن ہو تو اس کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کے لئے مشروع ہے کہ اسے بتلا دیں (لقمہ دین) اور اگر ایسی بات سورہ فاتحہ میں

واقع ہو تو پیچھے نماز ادا کرنے والوں پر واجب ہے کہ وہ امام کو بتلائیں۔ کیونکہ فاتحہ کی قراءت نماز کا رکن ہے، الایہ کہ لحن ایسا ہو جس سے آیت کے معنی نہ بدلتے ہوں اس صورت میں بتلانا واجب نہ ہوگا۔ جیسے وہ الرحمن یا الرحیم میں کسرہ کے بجائے نصب (—) پڑھ جائے یا ایسا ہی کوئی اور لحن ہو۔

ایک حادثہ میں میرا پاؤں کٹ گیا۔ کیا میرے لئے جائز ہے کہ میں جماعت کی امامت کروں؟

سوال : میں ایک مرد ہوں۔ میرا پاؤں تسمہ باندھنے کی جگہ کے نیچے سے کٹ گیا۔ جس کا سبب بس کا حادثہ تھا۔ کیا میرے لئے جائز ہے کہ امام کی غیر موجودگی میں آگے بڑھ کر نمازیوں کی امامت کراؤں یا نہیں؟ نیز کیا نماز کے لئے وضو کے وقت اس پر مسح کرنا میرے لئے جائز ہے؟

خ۔ ل۔ صیا

جواب : آپ جب پاؤں کٹنے کے باوجود نماز میں کھڑے ہو سکتے ہیں تو لوگوں کی امامت کرانے میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ امامت کی باقی شرائط آپ میں پائی جاتی ہوں۔

رہی اس پر مسح کی بات تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ قدم کا جتنا حصہ باقی رہ گیا ہے اس پر آپ طہارت کے بعد موزہ یا جراب پہنیں جو کہ ساتر ہو۔ مقیم کے لئے اس پر ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات تک مسح جائز ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور اگر یہ پاؤں ٹخنے کے اوپر سے کٹا ہے تو پھر نہ مسح کی ضرورت رہی اور نہ دھونے کی کیونکہ جو کچھ ٹخنوں کے اوپر ہے وہ نہ دھونے کا محل ہے اور نہ مسح کا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس مصیبت کا بہتر بدلہ دے اور اس کی تلافی فرمائے اور آپ کو صبر عطا فرمائے اور اس کا اجر و ثواب دے۔

کیا جبری نمازوں میں امام پر واجب ہے کہ وہ اتنی دیر خاموش رہے، جس میں مقتدی فاتحہ پڑھ سکے؟

سوال : سورہ فاتحہ کے بعد امام کے اتنی دیر ٹھہر جانے کے متعلق کیا حکم ہے جتنی دیر میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ سکے؟ اور اگر امام اس وقفہ کے لئے نہ ٹھہرے تو مقتدی سورہ فاتحہ کب پڑھے؟

عبدالرزاق۔ س۔ ۱۔ القسیم

جواب : جبری نمازوں میں امام کے سکوت کی مشروعیت پر کوئی صحیح صریح دلیل موجود نہیں ہے، جس میں مقتدی فاتحہ پڑھ سکے۔ البتہ مقتدی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ امام کے سکوت کی حالت میں پڑھ لے اگر وہ

آیت پڑھنے کے بعد ساکت ہوتا ہو اور اگر یہ بات میسر نہ آئے تو دل میں پڑھتا جائے اگرچہ امام وہی کچھ پڑھ رہا ہو۔ پھر اس کے بعد امام کے پڑھنے کے لئے چپ ہو جائے۔ یہ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول میں عموم پایا جاتا ہے:

« لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب .»

جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لعلکم تقرأون خلف إمامكم قالوا: نعم قال: لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها.»

شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو؟ صحابہ کہنے لگے ”ہاں“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایسا مت کرو۔ البتہ فاتحہ الکتاب پڑھ لیا کرو کیونکہ جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ابن حبان نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور یہی دو حدیثیں ہیں جو اللہ عزوجل کے درج ذیل قول کو خاص کرتی ہیں۔

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (الاعراف : ۲۰۴)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو بھی:

« إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا .»

امام تو بنایا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ لہذا اس کے خلاف کچھ نہ کرو۔ جب وہ تکبیر

کے تو تم بھی تکبیر کرو اور جب وہ پڑھے تو تم خاموش رہو۔

مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

**اگر مقتدی نماز میں قراءت کی آواز بلند کرے تو کیا حکم ہے؟**

**سوال :** دوران نماز مقتدی اگر قراءت کی آواز بلند کرے جبکہ امام کے پیچھے اس مقتدی کے پہلو میں

دوسرے مقتدی بھی ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ عبد الرزاق. س۔ ۱۔ القصیم

**جواب :** مقتدی کے لئے سنت یہی ہے کہ وہ اپنی قراءت، باقی تمام اذکار اور دعائیں سب دھیمی آواز

سے کرے۔ کیونکہ اس کی بلند آواز سے پڑھنے پر کوئی دلیل موجود نہیں اور اس لئے بھی کہ اس کی بلند آواز

سے پڑھنے سے ارد گرد کے نمازیوں کو تشویش ہوگی۔

”جس نے صفوں کی بائیں جانب کو آباد کیا، اس کے لئے دوا اجر ہیں“

کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سوال : عشاء کی نماز کھڑی ہوئی اور پہلی صف کی دائیں جانب مکمل ہو گئی جبکہ بائیں جانب صرف چند ایک لوگ کھڑے تھے، تو ہم نے کہا : بائیں جانب سے صف برابر کرو۔ نمازیوں میں سے ایک کہنے لگا : ”دائیں جانب افضل ہے۔“ کسی شخص نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہ حدیث پیش کی کہ ”جو شخص صفوں کی بائیں جانب کو آباد کرے اس کے لئے دوا اجر ہیں۔“ ہمیں بتلائیے اس مسئلہ میں راہ صواب کیا ہے؟

مطلق۔ ع۔ ا۔ الخرج

جواب : نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر صف کی دائیں جانب اس کی بائیں سے افضل ہے۔ اور لوگوں کو اعدلو الصف کہنا مشروع نہیں اور اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ صف کی دائیں جانب لوگ زیادہ ہوں تاکہ فضیلت حاصل کر سکیں۔

اور حاضرین میں سے کسی نے جو یہ حدیث پیش کی « من عمّر میاسر الصُفوفِ فله : أجران . » مجھے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں اور راجح بات یہی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ جسے کسی ایسے کمال نے گھڑا ہے جو نہ صف کی دائیں جانب کے لئے حریص ہوتے ہیں اور نہ مسابقت کے لئے . . . اور اللہ ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

میں اپنی مسجد کے امام کے پیچھے جری نمازوں میں سورہ فاتحہ کی قراءت نہیں کر سکتا

سوال : جری اور تراویح کی نماز میں جب امام سورہ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتا ہے تو قرآن کی قراءت شروع کر دیتا ہے اور میں فاتحہ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اتنا وقفہ ہوتا ہی نہیں جس میں سورہ فاتحہ پڑھی جاسکے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میں نے یہ حدیث بھی پڑھی ہے : « لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب . » اور یہ بھی : « قراءة الإمام قراءة لمن خلفه . » ان دونوں میں تطبیق کیسے کی جائے؟

عبدالرحمن۔ ن۔ الرياض

جواب : مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنے کے وجوب میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور راجح اس کا وجوب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول : « لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب » (متفق علیہ) میں عمومیت ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا : شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے رہتے ہو؟ صحابہ نے

جواب دیا۔ ”ہاں“ تو آپ نے فرمایا ”ایسا مت کرو۔ صرف فاتحہ الکتاب پڑھ لیا کرو کیونکہ جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔“ اس حدیث کو ابو داؤد نے اسناد حسن سے نکالا ہے۔

اگر امام جہری نماز میں سکتہ نہیں کرتا تو مقتدی اپنے امام کی قراءت کے ساتھ ساتھ ہی دل میں پڑھ لے تاکہ دونوں مذکورہ حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اگر مقتدی سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جائے یا اسے سورہ فاتحہ کے وجوب کا علم ہی نہ ہو تو فاتحہ اس سے ساقط ہو جائے گی جیسے کوئی شخص مسجد میں آئے اور امام رکوع کی حالت میں ہو اور وہ اس کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اس کی رکعت ادا ہو گئی اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ اس کی دلیل ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ وہ مسجد میں آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے۔ ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کیا پھر صف میں شامل ہوئے۔ سلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

« زَاذَكَ اللّٰهُ حِرْصًا، وَلَا تَعْذُ. »

اور آپ نے انہیں اس رکعت کی قضا کا حکم نہیں دیا۔ اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

ایک شخص مسجد میں آیا تو دیکھا کہ لوگ تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں  
اب کیا وہ عشاء کی نیت سے ان کے ساتھ پڑھ سکتا ہے؟

سوال : ایک شخص باجماعت نماز کے لئے آیا اور دیکھا کہ لوگ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں اور وہ یہ بات جانتا ہے۔ اب کیا وہ عشاء کی نیت کر کے ان کے ساتھ نماز پڑھ لے یا اکیلا پڑھے؟

مطلق۔ ع۔ ا۔

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اگر وہ عشاء کی نیت سے ان کے ساتھ نماز ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جب امام سلام پھیرے تو وہ اپنی نماز مکمل کرے۔ جیسا کہ صحیحین میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم کے ہاں جا کر یہی عشاء کی نماز انہیں پڑھاتے اور اس بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند نہیں فرمایا، جو اس بات پر دلیل ہے کہ فرض نماز ادا کرنے والا مقتدی ایسے امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے جو خود نفل ادا کر رہا ہو۔

نیز صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف کی بعض صورتوں میں ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر دوسرے گروہ کو دو رکعت پڑھائی۔ پہلی بار کی آپ کی دو رکعت نماز آپ کے فرض تھے اور دوسری بار آپ کے نفل تھے جبکہ مقتدی اپنی فرض نماز ادا کر رہے تھے۔



## کیا مسافر مقیم کی نماز میں امامت کر سکتا ہے؟

سوال : اگر انسان سفر کرے اور یہ چاہتا ہو کہ ظہر کی نماز باجماعت ادا کرے۔ وہ ایک مقیم کو پاتا ہے جو ظہر کی نماز ادا کر چکا ہے، تو کیا مقیم مسافر کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا وہ اس کے ساتھ نماز قصر ادا کرے یا پوری کرے؟

ع-ن-ح-شعراء

جواب : اگر مقیم مسافر کے پیچھے طلب فضیلت کے لئے نماز پڑھے جبکہ وہ اپنا فریضہ ادا کر چکا ہے تو وہ مسافر کی طرح دو ہی رکعتیں ادا کرے گا، کیونکہ وہ اس کے لئے نفل ہیں البتہ جب مقیم مسافر کے پیچھے اپنی فرض نماز جیسے ظہر، عصر اور عشاء پڑھے تو وہ چار رکعت پڑھے گا اور دو رکعت کے بعد جب مسافر سلام پھیرے تو اسے لازم ہے کہ اپنی نماز مکمل کرے۔

اور جب مقیم امام ہو اور مسافر اس کے پیچھے فرض نماز ادا کر رہا ہو تو مسافر بھی سب کے ساتھ پوری نماز ادا کرے گا۔ کیونکہ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اسے چار رکعت پوری کرنا چاہئیں جیسا کہ امام احمد اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان سے مسافر کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ امام کے پیچھے چار رکعت ادا کرے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو رکعت۔ پھر فرمایا: سنت یہی ہے۔

اور اس لئے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں عموم ہے :

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَلَا تَخْتَلَفُوا عَلَيْهِ.»

امام صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا اس کے خلاف نہ کرو۔ اس کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

## کیا عورت مسجد میں نماز ادا کر سکتی ہے؟

سوال : نوجوان باپردہ عورت جو شرعی اسلامی شعار اپنائے ہوئے ہو اور ماسوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے اپنا تمام جسم چھپائے ہوئے ہو، اگر وہ چاہے کہ تمام نمازیں مسجد میں ادا کرے تو اس کے لئے اس بات کی گنجائش ہے؟ اور کیا اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ ہی جائے؟

عبدالرحمن-م-ع-الریاض

جواب : اگر عورت شرعی حجاب اپنائے ہوئے ہو، اپنا چہرہ اور ہتھیلیوں کو چھپائے ہوئے ہو، خوشبو وغیرہ نہ لگاتی ہو اور اظہار زینت سے بچتی ہو تو اسے مسجد میں نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللَّهِ مَسَاجِدَ اللَّهِ.»

اللہ کی بندویوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

تاہم گھر میں نماز ادا کرنا ہی ان کے لئے افضل ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری

حدیث مذکور ہے :

«وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ»

اور ان کے گھر ہی ان کے لئے بہتر ہیں۔

ہماری مسجد کے پڑوس میں ایک چار دیواری شدہ احاطہ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اسے

عورتوں کے لئے نماز کی جگہ بنادیں۔ کیا ان کے لئے مسجد کے امام کی اقتدا درست ہے؟

سوال : ہماری مسجد کی شمالی جانب ایک چار دیواری شدہ احاطہ ہے جو مسجد سے ملحق ہے۔ ہم رمضان

میں نماز کی ادائیگی کے لئے اس احاطہ کو عورتوں کے لئے مخصوص کر دیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟ جبکہ ہمیں یہ

بھی معلوم ہے کہ وہ امام کو نہ دیکھ سکیں گی، فقط لاؤڈ سپیکر سے امام کی متابعت کر سکیں گی؟

ابو احمد

جواب : ایسی جگہ میں ان کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ جہاں سے نہ تو وہ امام

کو دیکھ سکیں اور نہ ان لوگوں کو جو امام کے پیچھے ہیں۔ وہ تو صرف تکبیر ہی سن سکتی ہیں لہذا محتاط صورت یہی

ہے کہ وہ ایسی جگہ نماز ادا نہ کریں بلکہ اپنے گھروں میں ادا کریں۔ الایہ کہ مسجد میں کوئی ایسی جگہ مل جائے جو

نماز ادا کرنے والوں کے پیچھے ہو۔ یا کسی خارجی مکان میں نماز ادا کریں جس میں وہ خود امام ہوں یا کوئی مقتدی

امام ہو۔

مسجد کی دو منزلیں ہوں، اوپر کی منزل میں مرد اور نچلی منزل میں عورتیں ہوں

جو لاؤڈ سپیکر سے اقتداء کریں تو کیا ان کی نماز درست ہے؟

سوال : ہمارے ہاں ایک مسجد ہے جو دو منزلہ ہے۔ اوپر کی منزل مردوں کے لئے ہے اور نچلی منزل

عورتوں کے لئے۔ عورتیں مردوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتی ہیں جبکہ وہ نچلی منزل میں ہوتی ہیں اور مرد

اوپر والی منزل میں۔ عورتیں نہ امام کو دیکھ سکتی ہیں اور نہ مردوں کی صفوں کو؛ بس درمیان میں مائیکروفون ہے

جس سے وہ تکبیر سن کر نماز ادا کرتی ہیں۔ اس صورت حال میں ان کی نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟

سائل از امریکہ (عبدالرحمن۔ ۱۔ پاکستان)

جواب : مذکورہ صورت میں عورتوں کی نماز درست ہے۔ کیونکہ وہ سب مسجد میں ہیں اور لاؤڈ سپیکر کی آواز کے ذریعہ ان کے لئے اقتداء ممکن ہے۔ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہی ہے۔  
اختلاف کی اہمیت صرف اس بات میں ہے جبکہ بعض مقتدی مسجد سے باہر ہوں اور وہ نہ امام کو دیکھ سکتے ہوں اور نہ مقتدیوں کو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ہم جماعت بن کر جنگل کی طرف گئے تو کیا ہمارے لئے نماز قصر کرنا  
اور جمع کرنا جائز ہے ؟

سوال : ہم جماعت بن کر جنگل کی طرف گئے تو کیا ہمارے لئے نماز قصر کرنا اور اسے جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟  
قاری

جواب : جس جگہ آپ گئے اگر وہ آپ کی قیام گاہ سے دور ہے تو آپ کا وہاں جانا سفری سمجھا جائے گا۔ لہذا جمع اور قصر سے کوئی بات مانع نہیں۔ سفر میں قصر کرنا پوری نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔ قصر یہ ہے کہ ظہر، عصر اور عشاء کی دو دو رکعتیں ادا کی جائیں۔ رہا جمع کرنے کا معاملہ تو یہ رخصت ہے اگر کوئی چاہے تو جمع کر لے اور چاہے تو نہ کرے۔ جمع یہ ہے کہ ظہر اور عصر اکٹھی ادا کر لی جائے اور مغرب اور عشاء اکٹھی کر لی جائے۔ جب مسافر مقیم ہو اور آرام سے ہو تو اس کے لئے جمع نہ کرنا افضل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے دوران جب تک منیٰ میں اقامت پذیر رہے آپ نماز قصر تو کرتے رہے مگر جمع نہیں کی۔ آپ نے جمع صرف عرفہ اور مزدلفہ میں کی جبکہ اس کی ضرورت تھی اور جب مسافر کسی جگہ چار دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لئے محتاط صورت یہی ہے کہ قصر نہ کرے بلکہ چار چار رکعت ادا کرے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ ہاں جب اقامت چار دن یا اس سے کم ہو تو قصر افضل ہے . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

نماز جمعہ

نماز جمعہ کی صحت کے لئے کم از کم کتنے آدمی ہونا چاہئیں ؟

سوال : نماز جمعہ اور خطبہ کے قیام کے لئے کم از کم کتنے آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟

محمد - ب - ا - ابہا

جواب : اس مسئلہ میں اہل علم کا بہت اختلاف ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ تین آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ ایک امام اور اس کے علاوہ دو اور آدمی۔ جب کسی بستی میں تین ایسے آدمی موجود ہوں جو شرعاً مکلف، آزاد اور اس بستی کے رہنے والے ہوں تو وہ جمعہ قائم کریں، ظہر نہ پڑھیں۔ کیونکہ نماز جمعہ کی مشروعیت اور

فرضیت پر دلالت کرنے والے دلائل تین اور اس سے زیادہ جتنے بھی آدمی ہوں سب پر عام ہے۔

میں نے پڑھا تھا کہ جمعہ کے قیام کے لئے ۴۰ آدمی ہونا شرط ہے اور الدعوة میں شائع ہوا کہ امام اور دو آدمیوں سے جمعہ ہو سکتا ہے۔ ان دونوں میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟

سوال : میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ جمعہ قائم کرنے کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ چالیس ایسے آدمی ہوں، جن پر نماز فرض ہو۔

اور آپ کی طرف سے الدعوة میں فتویٰ شائع ہوا کہ ایک امام اور مزید دو آدمی ہوں تو جمعہ قائم کرنا چاہیے۔ ہم ان دونوں باتوں میں تطبیق کیسے کریں؟

مبارک۔ ع۔ ۱

جواب : اہل علم کی ایک جماعت اس شرط کی قائل ہے کہ نماز جمعہ کی اقامت کے لئے چالیس آدمی ہونا چاہئیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی انہیں میں سے ہیں لیکن راجح تر قول یہی ہے کہ چالیس سے کم تر کے لئے جمعہ کی اقامت جائز ہے اور آدمیوں میں کم تر تین ہی ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے فتویٰ کے سوال میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے . . . کیونکہ چالیس آدمیوں کی شرط کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اور جس حدیث میں چالیس آدمیوں کی شرط آئی ہے، وہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس کی وضاحت کی ہے۔

مسجد میں میری جمعہ کی نماز فوت ہو گئی۔ کیا اب میں گھر میں دور کعتیں ادا کروں؟

سوال : میں مسجد میں جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا نہیں کر سکا، کیا اب میں گھر میں جمعہ کی نیت سے دور کعتیں ادا کروں یا ظہر کی نیت سے چار کعتیں ادا کروں؟

جواب : جو شخص کسی شرعی عذر مثلاً مرض یا کسی دوسرے سبب کی بنا پر نماز جمعہ میں مسلمانوں کے ساتھ حاضر نہیں ہو سکا، وہ ظہر ادا کرے گا۔ اسی طرح عورت بھی ظہر ادا کرے گی اور مسافر اور بستی کے رہنے والے بھی ظہر ادا کریں گے جیسا کہ سنت اس پر دلالت کرتی ہے۔ اہل علم کا عام قول یہی ہے اور جو شخص ان سے الگ رائے اختیار کرے، اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

کیا دیہاتوں اور سفر میں بھی نماز عید ادا کرنا مشروع ہے؟

سوال : ایک دفعہ میں اپنے ملک افریقہ کی ایک بستی ریف میں گیا۔ اتفاق سے وہاں عید الاضحیٰ کا دن آگیا۔ میں نے مردوں، عورتوں سب لوگوں کو دیکھا کہ وہ قبروں کی زیارت کے لئے ایک مقبرہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ عید کے دن صبح کو مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ سب حاضرین مقبرہ میں نماز ادا کرنے جا رہے ہیں۔ ان کے آگے آگے ایک بوڑھا تھا، جس نے ان سب کو نماز پڑھائی۔ ایک میں باقی رہ گیا۔ جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس پر حیران و پریشان کھڑا تھا۔ ان کے ساتھ میں نے یہ نماز نہیں پڑھی جسے وہ نماز عید کا نام دیتے تھے۔ ایسی نماز کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟ یہ خیال رہے کہ اہل الریف، جہاں میں گیا تھا، وہاں نہ کوئی مسجد ہے اور نہ جامع . . . یہ لوگ خیموں میں ایک دوسرے سے الگ الگ رہتے ہیں۔

نوٹ : یہ جو میں نے کہا ہے کہ انہوں نے مقبرہ میں نماز پڑھی تو اس کا مطلب ہے کہ مقبرہ کے قریب نماز پڑھی . . . جو قبروں سے کافی دور تھا۔

محمد - ع - 1 - تونس

جواب : الحمد للہ رب العالمین۔ نماز عید صرف شہروں اور بستیوں میں قائم کی جاتی ہے۔ اس کا چھوٹے چھوٹے دیہاتوں اور سفر میں قائم کرنا مشروع نہیں۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ مجھے کچھ یاد نہیں پڑتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سفر میں یا کسی چھوٹے سے گاؤں میں عید کی نماز ادا کی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو آپ نے نماز جمعہ نہیں پڑھی حالانکہ وہ دن جمعہ کا دن تھا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں عید کی نماز بھی نہیں پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں صحابہ رضی اللہ عنہم جو کہ مجسم خیر و سعادت تھے، نے بھی نماز عید نہیں پڑھی۔

## نماز سے متعلق احکام

پتلون کے ساتھ نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : پتلون پہن کر نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ جب یہ پہن کر نماز ادا کرتے ہیں تو ان کے ستر کے کچھ مقامات واضح ہو جاتے ہیں، بالخصوص نماز میں رکوع اور سجود کے وقت؟

عبداللہ - م - الریاض

جواب : جب پتلون، جو کہ پاجامہ ہی ہوتا ہے، مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ کو چھپانے والی ہو، کھلی ہو، تنگ نہ ہو تو اس میں نماز درست ہے اور افضل یہ ہے کہ اس پتلون کے اوپر قمیص ہو، جو ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کو ڈھانک لے اور نصف پنڈلی یا ٹخنوں تک آجائے اس طرح مقامات ستر پوری طرح ڈھک جائیں گے۔ ساتر تہبند میں نماز ادا کرنا پاجامہ میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے جبکہ اوپر ساتر قمیص نہ ہو کیونکہ ستر کے لئے تہبند پاجامہ سے زیادہ پردہ والی چیز ہے۔

باقی فرض نمازوں کو چھوڑ کر مغرب، عشاء اور فجر میں ہی بلند آواز سے قراءت

کیوں مشروع ہے؟

سوال : باقی فرض نمازوں کو چھوڑ کر مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں ہی بلند آواز سے تلاوت کیوں مشروع ہے اور اس کی کیا دلیل ہے؟

ا-ح-ع

جواب : یہ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ مغرب، عشاء اور فجر میں بلند آواز سے قراءت میں کیا حکمت ہے۔ غالب گمان یہ ہے اور صحیح بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، غالباً اس میں حکمت یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی نسبت ان اوقات میں لوگوں کے مشاغل کم ہوتے ہیں اور ان اوقات میں وہ کلام اللہ سے زیادہ مستفید ہو سکتے ہیں۔

اگر فجر کی سنتیں رہ جائیں تو کب ادا کی جائیں؟

سوال : میں ہمیشہ نماز فجر کے لئے جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ جماعت کھڑی ہو چکی ہے اور میں نے ابھی تک فجر کی دو رکعتیں نہیں پڑھی ہوتیں . . . کیا میرے لئے گنجائش ہے کہ نماز پوری ہونے کے بعد، یعنی جب امام سلام پھیرے، میں دو رکعت سنت فجر پڑھ لوں؟ اور اگر میں سورج کے طلوع ہونے تک انتظار کروں تو کیا میرا اجر کچھ کم ہو جائے گا؟ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں جیسا کہ حدیث

عبدالرحمن - م - ع - ریاض

جواب : جب کوئی مسلمان جماعت سے پہلے فجر کی سنتیں ادا نہ کر سکے تو اسے ان کی ادائیگی میں اختیار ہے کہ نماز کے بعد فوراً ادا کر لے یا سورج بلند ہونے تک تاخیر کر لے۔ کیونکہ دونوں باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ تاہم سورج بلند ہونے تک تاخیر کرنا افضل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم دیا تھا۔ رہا نماز کے فوراً بعد ادا کرنے کا مسئلہ تو یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے ثابت ہے۔ کسی شخص نے نماز کے بعد سنتیں ادا کیں تو آپ خاموش رہے۔

میں نے نذرمانی تھی کہ جب میرے پاؤں کو آرام آگیا تو دس رکعت نفل ادا کروں گا  
اب میں وہ ایک ہی دفعہ پڑھ لوں یا دو دو کر کے مختلف اوقات میں؟

سوال : میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لئے نذرمانی تھی کہ جب میرے پاؤں کو درد سے آرام آگیا تو دس رکعت نماز ادا کروں گا۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ کیا صورت جائز ہے۔ میں ہر روز دو دو رکعت ادا کر کے یہ پانچ دنوں میں پورے کروں یا یہ ضروری ہے کہ میں یہ دس رکعت ایک ہی وقت میں یعنی ایک ہی دن ادا کروں؟ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مستفید فرمائے۔

ع - م - س - ت - ریاض

جواب : جب مذکورہ شرط پوری ہو گئی، جو کہ درد سے آرام تھا، تو اب آپ کے لئے فوراً اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ آپ نہی کے اوقات کو چھوڑ کر کسی بھی وقت یہ نفل دو دو کر کے پڑھیں۔ ہر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیریں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنِي مَثْنِي »

رات اور دن کی نماز دو دو رکعتیں کر کے پڑھی جائیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ ، فَلْيُطِعه ، وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ ، فَلْيَعْصِه »

جس شخص نے نذرمانی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا اسے چاہئے کہ اطاعت کرے (نذر پوری کرے)

اور جس نے نذرمانی کہ اللہ کی نافرمانی کرے گا، اسے چاہئے کہ نافرمانی نہ کرے (یعنی ایسی نذر پوری نہ کرے)۔

اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

## جس گھڑی میں تصویر ہو اسے پہنے ہوئے نماز کا حکم؟

سوال : بعض گھڑیوں کے اندر بعض جانداروں کی تصویریں ہوتی ہیں۔ ایسی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ یا اگر صلیب کی تصویر ہو تو نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

ابراہیم۔س۔ منطقہ الجنوب

جواب : جب تصویر گھڑی کے اندر چھپی ہوئی ہو، جو دیکھی نہ جاسکتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں . . . مگر جب تصویر گھڑی کے باہر کی طرف ہو یا کھولنے سے نظر آجاتی ہو تو نماز جائز نہ ہوگی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

« لَا تَدْعُ صُورَةَ إِلَّا طَمَسْتَهَا »  
جو تصویر بھی دیکھو اسے مٹا دینا۔

یہی صورت صلیب کی ہے۔ جس گھڑی میں صلیب کی تصویر ہوگی اسے پہنے ہوئے نماز جائز نہ ہوگی۔ الایہ کہ اسے کھرچ دیا جائے یا پینٹ وغیرہ سے مٹا دیا جائے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ :

«أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى شَيْئًا فِيهِ تَصْلِيْبٌ إِلَّا نَقَضَهُ . وَفِي لَفْظٍ : إِلَّا قَضَبَهُ »  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بھی دیکھتے جس میں صلیب کا نشان ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے توڑ دیتے اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

## کیا ہفتہ میں دو یا تین بار قرآن کی کسی سورت کا تکرار جائز ہے؟

سوال : کیا ایک ہفتہ میں دو، تین یا اس سے زیادہ دفعہ قرآن کی کسی سورت کا تکرار جائز ہے؟

م۔م۔۱۔الریاض

جواب : ہفتہ میں کیا ایک دن میں سورت کا تکرار جائز ہے اور اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں بلکہ ایک ہی نماز کی دو رکعتوں میں فاتحہ کے بعد اسی سورت کو دو سری رکعت میں دہرایا جائے تو بھی نماز جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے پہلی اور دو سری رکعتوں میں سورۃ اِنَّا زَلَّزَلْتُمْ پڑھی تھی۔



## نماز تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں

سوال : میں نے اس سال رمضان میں دیکھا، اور یہ پہلی بار تھی کہ میں نے منظرہ حائل میں نماز تراویح ادا کی، کہ امام قرآن مجید پڑھ کر اس سے پڑھتا ہے۔ پھر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ پھر دوسری رکعت میں پکڑ لیتا ہے تا آنکہ نماز تراویح پوری کرتا ہے۔ جیسا کہ اس نے رمضان کے آخری عشرہ کے دوران نماز تراویح کے سلسلہ میں کیا اور یہ بات جس نے میری توجہ مبذول کی، جو کہ حائل کی تمام مساجد میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے پچھلے سال میں نے مدینہ منورہ میں نماز تراویح ادا کی تھی۔ وہاں میں نے یہ صورت نہیں دیکھی۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا؟ ورنہ اسے نئی بدعت سمجھا جائے گا، جسے نہ صحابہ نے کیا اور نہ ہی تابعین میں سے کسی نے کیا۔ پھر یہ بھی خیال آتا ہے کہ آیا تھوڑا قرآن اور چھوٹی سورت پڑھنا مگر منہ زبانی پڑھنا، قرآن سے دیکھ کر اس زیادہ پڑھنے سے افضل نہیں، جس سے مقصد یہ ہو کہ امام ہر روز ایک پارہ پڑھ کر مہینہ کے آخر تک قرآن کو ختم کر سکے۔ اگر یہ کام جائز ہے تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی کیا دلیل ہے؟

محمد - م - ح - حائل

جواب : نماز تراویح میں قرآن کو دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں سارا قرآن مقتدیوں کو سنایا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ کتاب و سنت کے جو دلائل شرعیہ نماز میں قرآن کی قراءت کی مشروعیت پر دلالت کرتے ہیں، وہ منہ زبانی قراءت اور مصحف کو دیکھ کر قراءت، دونوں کو عام ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام ذکوان کو حکم دیا کہ وہ نماز تراویح میں امامت کرانیں اور وہ قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں تعلقاً ذکر کیا ہے۔ جس کی سند مذکور نہیں۔

## کیا سورج طلوع ہونے پر نماز چاشت جائز ہے؟

**سوال :** جو شخص نماز فجر کے بعد مسجد میں رہے، کیا اسے جائز ہے کہ وہ سورج طلوع ہونے پر چاشت کی نماز کی دو رکعت ادا کرے۔ اس نماز کی ادائیگی کا مشروع اور مسنون وقت کیا ہے؟

صلاح - س - ا - منطقہ جنوبیہ

**جواب :** نماز چاشت کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج نیزہ بھر بلند ہو جائے اور زوال سے قبل تک باقی رہتا ہے اور افضل وقت وہ ہے جب دھوپ تیز ہو جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے وقت کے متعلق فرمایا :

« صَلَاةُ الْاَوَّابِينَ حِيْنَ تَرْمُضُ الْفِصَالُ »

صلوٰۃ اوابین کا وقت وہ ہے جب اونٹوں کے بچے اپنے قدموں (ناپ) تلے تپش کو محسوس کریں۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور ”ترمض“ کے معنی ہیں جب سورج کی گرمی تیز ہو جائے اور فصال، فسیل کی جمع ہے۔ بمعنی اونٹوں کے بچے۔ اور جو شخص مسجد میں رہے اس کے لئے بھی مستحب یہی ہے کہ جب سورج بلند ہو جائے، اس وقت دو یا زیادہ رکعتیں ادا کرے۔ کیونکہ اس بارے کی احادیث میں یہی بات مذکور ہے۔

## کیا نمازی فرض نماز میں دعا کر سکتا ہے؟

**سوال :** کیا نمازی کے لئے اپنی فرض نماز میں دعا کرنا جائز ہے؟ مثلاً ارکان بجالانے کے بعد، جیسے سجدہ میں سبحان اللہ کے بعد اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَاَرْحَمْنِيْ ، وَغَيْرُ ذَلِكَ .

فہد - ع - ع - الرياض

**جواب :** مومن کے لئے مشروع ہے کہ وہ اپنی نماز میں دعا کے مقامات پر دعا کرے، خواہ نماز فرض ہو یا نفل ہو۔ نماز میں دعا کے مقامات یہ ہیں۔ سجدہ میں اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں اور نماز کے آخری تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کے بعد اور سلام پھیرنے سے پہلے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں مغفرت طلب کرتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے ”اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، مجھے راہ راست پر قائم رکھ، میری اصلاح فرما، مجھے رزق عطا فرما اور مجھے امن میں رکھ“ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« أَمَّا الرُّكُوعُ فَعِظْمُوا فِيهِ الرَّبَّ ، وَأَمَّا السُّجُودَ فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ ، فَقَمِّنْ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ »

رکوع میں اپنے پروردگار کی عظمت بیان کیا کرو اور سجدہ میں بہت دعا کیا کرو۔ پس لائق ہے کہ تمہاری دعا قبول ہو جائے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا۔ نیز مسلم ہی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ ، فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ »

بندہ اپنے پروردگار کے سب سے زیادہ نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہو۔ لہذا سجدہ میں دعا زیادہ کیا کرو۔

اور صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تشہد سکھلایا تو فرمایا : ”پھر جو سوال تم اللہ سے چاہو کرو“۔ اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں : ”پھر جو دعا تمہیں پسند ہو اور اچھی لگے وہ کرو“ اور اس معنی میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں، جو ان مقامات میں دعا کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، جو دعا بھی مسلمان پسند کرتا ہو خواہ یہ دعا آخرت سے متعلق ہو یا دنیوی مصالح سے متعلق ہو مگر شرط یہ ہے کہ یہ دعا کسی گناہ کے کام اور قطع رحمی سے متعلق نہ ہو اور افضل یہ ہے کہ اکثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثر دعائیں ہی مانگے۔

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وارد ہے کہ آپ فرض نماز کے بعد

ہاتھ اٹھا کر دعا فرمایا کرتے تھے؟

سوال : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد دعائیں اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے؟ یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مجھے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد دعا کے وقت ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے۔

مریم - م - الریاض

جواب : جو کچھ ہمیں معلوم ہے، وہ یہ ہے کہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد اپنے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا کیا کرتے تھے اور جو بعض لوگ فرض نماز کے بعد اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ یہ بدعت ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہیں وہ مردود ہے۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا . . . نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :  
 «مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (متفق علیہ).

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ)

تشہد میں سببہ کو حرکت دینے سے متعلق سنت کیا ہے؟

سوال : میں دیکھتا ہوں کہ تشہد پڑھنے کے دوران یعنی نمازی اپنی سببہ کو دائیں بائیں اور بعض لوگ اوپر نیچے کی طرف حرکت دیتے ہیں۔ کبھی یہ حرکات جلد اور متواتر ہوتی ہیں اور کبھی کچھ وقفہ کے بعد۔ بعض دوسرے اپنی انگلی اٹھاتے تو ہیں مگر اسے حرکت نہیں دیتے اور کچھ اور لوگ ہیں جو ایک بار بھی اپنی انگلی نہیں اٹھاتے۔

عبدالرزاق - ح - ۱ - الدمام

جواب : تشہد کے وقت نمازی کے لئے سنت یہ ہے کہ اپنی سبب انگلیاں بند رکھے، یعنی دائیں ہاتھ کی انگلیاں اور اللہ کے ذکر اور دعا کے وقت سببہ سے اشارہ کرے اور اسے حرکت دے۔ یہ حرکت خفیف اور توحید کے لئے ہو اور اگر چاہے تو چھنگلی اور ساتھ والی انگلی دونوں کو بند رکھے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنائے اور سببہ سے اشارہ کرے۔ یہ دونوں صورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہیں۔ رہا بایاں ہاتھ تو اسے اپنی بائیں ران پر رکھے۔ ہاتھ کھلے اور انگلیاں قبلہ کی طرف پھیلی ہوئی ہوں اور اگر چاہے تو ہاتھ اپنے گھٹنے پر رکھ لے۔ یہ دونوں صورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درست ثابت ہیں۔

ایک شخص تسمیحات صرف اپنے دائیں ہاتھ پر گنتا ہے اور کہتا ہے کہ

سنت یہی ہے آپ کا کیا خیال ہے؟

سوال : ایک نوجوان نے ہماری امامت کرائی اور نماز کے بعد صرف اپنے دائیں ہاتھ پر تسمیحات پڑھنے لگا۔ اس سے بعض نمازی حیران ہوئے اور انہوں نے اس کے متعلق اس نوجوان سے پوچھا تو وہ کہنے لگا: سنت یہی ہے۔ توقع ہے کہ آپ اس بات کی صحت سے متعلق ہمیں مستفید فرمائیں گے۔

مطلق - ع - ۱ - الخرج

جواب : جو کچھ امام نے کیا وہی درست ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ اپنے دائیں ہاتھ پر تسمیحات گنا کرتے تھے اور جو شخص دونوں ہاتھوں پر گنتا ہے تو اکثر احادیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تاہم دائیں ہاتھ پر تسمیحات پڑھنا افضل ہے کیونکہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔

## تسبیح پر تیسیمات پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : تسبیح پر تیسیمات پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جب کہ تسبیح پڑھنے کا مقصد مقدر کی گنتی ہو؟

خالد-ی۔ مکہ المکرمہ

جواب : تسبیح کا ترک بہتر ہے۔ اسے بعض اہل علم نے ناپسند کیا ہے۔ تسبیح انگلیوں پر ہی افضل ہے۔ جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ ”تسبیح و تہلیل انگلیوں پر کی جائے“۔ نیز فرمایا کہ انگلیاں عند اللہ مسئول ہوں گی اور انہیں زبان عطا کی جائے گی“۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے نکالا ہے۔

سجود السمو

جب میں نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتی ہوں تو میرا ذہن منتشر ہوتا ہے

سوال : جب بھی نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتی ہوں تو میرا ذہن منتشر ہو جاتا ہے اور بہت سی سوچیں آنے لگتی ہیں اور میرے سلام پھیرنے تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ میں دوبارہ نماز ادا کرتی ہوں تو بھی وہی پہلی سی حالت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ پہلا تشہد بھول جاتی ہوں اور مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی رکعت ادا کی ہیں۔ جس سے میرا اضطراب اور اللہ تعالیٰ سے خوف بڑھ جاتا ہے۔ پھر میں سجدہ سو کر لیتی ہوں۔

آپ سے استفادہ کی توقع ہے۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!

جواب : وسوسے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور آپ پر واجب ہے کہ آپ اپنی نماز کی حفاظت کریں۔ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اس میں اطمینان پیدا کریں تا کہ علی وجہ البصیرت نماز ادا کر سکیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾

ان مومنوں نے فلاح پالی جو اپنی نماز میں ڈرنے والے ہیں۔ (المومنون : ۱-۲)

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو دیکھا جس نے نماز پوری طرح نہ پڑھی تھی اور نہ اس میں تسبیح کی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دہرانے کا حکم دیا اور فرمایا :

« إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْبِغِ الوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيْسَّرُ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْزُقْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْزُقْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا »

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اچھی طرح وضو کرو پھر قبلہ کی طرف رخ کرو۔ پھر تکبیر کو، پھر قرآن سے جس قدر آسانی سے پڑھ سکو، پڑھو۔ پھر رکوع کرو حتیٰ کہ تمہیں رکوع کرتے ہوئے اطمینان ہو جائے۔ پھر اوپر اٹھو حتیٰ کہ تم پوری طرح سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ سجدہ کرنے میں تمہیں اطمینان ہو جائے۔ پھر اٹھو حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ تمہیں سجدہ کرنے میں اطمینان ہو جائے پھر اپنی ساری نماز کو اسی طرح مکمل کرو۔

جب آپ جانتی ہیں کہ آپ نماز میں کھڑی اور اللہ سبحانہ کے سامنے مناجات کر رہی ہیں تو یہ باتیں آپ کو نماز میں خشوع اور اس کی طرف متوجہ رہنے کی دعوت دیتی ہیں اور شیطان کو آپ سے دور رہنے اور اس کے وسوسوں سے سلامتی کا باعث بنتی ہیں اور جب نماز میں بکثرت وسوسے آنے لگیں تو اپنی دائیں طرف تین بار تھوک دیں اور تین بار شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ اس طرح انشاء اللہ وہ تم سے پرے ہٹ جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایسا ہی حکم دیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: اے اللہ کے رسول! شیطان میری نماز میں شک و شبہ ڈال دیتا ہے۔

ان وسوسوں کی وجہ سے آپ کے لئے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف سجدہ سمو کر لیں جبکہ وہ واجب ہو مثلاً بھولے سے تشدد رہ گیا ہو یا مثلاً رکوع اور سجود میں تسبیح رہ گئی ہو۔

اور جب یہ شک پیدا ہو کہ مثلاً نماز ظہر کی تین رکعت ادا کی ہیں یا چار، تو انہیں تین شمار کر کے نماز مکمل کر لو اور سلام سے پہلے سمو کے دو سجدے نکال لو اور مغرب کی نماز میں شک پیدا ہو کہ رکعت دو ادا کی ہیں یا تین تو انہیں دو شمار کر کے نماز مکمل کرو اور سلام سے پہلے سمو کے دو سجدے نکال لو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھے اور اس بات کی توفیق دے، جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

جب امام کو یا اکیلے نمازی کو رکعتوں کی تعداد میں شک پیدا ہو جائے تو کیا کرے؟

سوال : جب چار رکعت والی نماز میں امام کو شک پڑ جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ تین رکعت ادا کی ہیں یا چار اور سلام کے بعد کوئی مقتدی خبر دے کہ اس نے تو تین ہی رکعت ادا کی ہیں۔ اس صورت میں کیا امام چوتھی رکعت کے لئے تکبیر تحریمہ کہے گا یا بغیر تکبیر کے فقط سورہ فاتحہ پڑھے گا . . . نیز سجود سمو کا موقع کونسا ہے۔ سلام سے پہلے یا اس کے بعد؟

جواب : جب امام کو یا اکیلے نمازی کو چار رکعت والی نماز میں شک پیدا ہو جائے کہ آیا اس نے تین

رکعت پڑھی ہیں یا چار تو اس پر لازم ہے کہ وہ یقینی بات کو بنیاد بنائے اور وہ کم رکعت ہی ہو سکتی ہیں گویا انہیں تین شمار کر کے چوتھی ادا کر لے۔ پھر سلام سے پہلے سجدہ سو نکالے۔ جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَذَرْكُمْ صَلَّى : ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا ، فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ ، وَلْيَبْنِ عَلَى مَا اسْتَيْقَنَ ، ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَسْلَمَ . فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتِهِ ، وَإِنْ كَانَ صَلَّى تَمَامًا كَانَتْ تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ »

جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک پڑ جائے اور نہ جانتا ہو کہ تین رکعت ادا کی ہیں یا چار تو شک کو نکال پھینکیں اور نماز کی بنا اس بات پر رکھیں جو یقینی ہو۔ پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے نکال لیں۔ اگر پانچ رکعت پڑھ لیں تو یہ سجدے نماز کو جوڑا بنادیں گے اور اگر نماز پوری ہوئی تو یہ سجدے شیطان کو خاک آلود کریں گے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

اور اگر اس نے تین رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ پھر اسے اس بات کی خبر دی گئی تو وہ نماز کی نیت سے بلا تکبیر اٹھ کھڑا ہو اور چوتھی رکعت ادا کرے پھر تشدد کے لئے بیٹھ جائے اور تشدد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور دعا کے بعد سلام پھیرے۔ پھر اس کے بعد سو کے دو سجدے نکالے۔ پھر سلام پھیرے۔ یہی طریقہ نماز میں ہر طرح کی بھول کے نقص کے لئے افضل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ظہر یا عصر کی دو رکعت ادا کر کے سلام پھیر دیا۔ ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا تو آپ اٹھے، اپنی نماز مکمل کی، پھر سلام پھیرا، پھر سو کا سجدہ کیا، پھر سلام پھیرا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے عصر کی نماز میں تین رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ پھر جب آپ کو بتلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھی رکعت پڑھی پھر سلام پھیرا۔ پھر سو کے دو سجدے کیے۔ پھر سلام پھیرا۔

ہم پچھلے تشدد میں تھے کہ امام نے کھڑے ہو کر تکبیر کہی اور بعض لوگ سجدہ میں

چلے گئے کیا ان پر سو کے سجدے ہیں؟

سوال : ہم باجماعت نماز مغرب ادا کر رہے تھے۔ تیسری رکعت میں آخری تشدد کے دوران امام نے تکبیر کہی اور ایک اور رکعت ادا کرنے کے قصد سے کھڑا ہو گیا۔ بعض مقتدیوں کو امام کے کھڑا ہونے کا پتہ نہ چلا اور وہ یہ سمجھ کر سجدہ میں چلے گئے کہ شاید امام نے سو کے سجدوں کے لئے تکبیر کہی ہے۔ جب انہوں نے سر اٹھایا تو امام کو دیکھا کہ وہ ”سبحان اللہ“ سن کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر امام نے سو کے دو سجدے نکالے۔

سلام کے بعد بعض نمازیوں پر واضح ہو گیا کہ انہوں نے تین سجدے نکالے ہیں۔  
اس صورت حال میں نماز کا کیا حکم ہے؟  
اور بعض مقتدیوں کے تیسرے سجدہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

علی۔ ۱

جواب : جن نمازیوں نے یہ گمان کرتے ہوئے کہ امام نے سجدہ سمو کے لئے تکبیر کہی سجدہ کیا، تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ان کی نماز درست ہے کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر نماز میں زیادتی نہیں کی۔ اپنے اعتقاد کے مطابق تو انہوں نے امام کی متابعت میں ہی یہ سجدہ کیا تھا۔

### سورہ فاتحہ کی قراءت میں شک والی نماز کا حکم

سوال : میں اپنی نماز کے دوران بھول گیا کہ میں نے سورہ فاتحہ کی قراءت کی ہے یا نہیں۔ تو کیا اب میں سمو کے سجدے نکالوں؟ نیز سمو کے سجدوں میں کیا پڑھنا چاہیے؟ اور جب غالب گمان یہی ہو کہ میں نے سورہ فاتحہ پڑھی تھی تو کیا پھر بھی سجدہ سمو کے سجدے کروں؟

ابراہیم۔ س۔ منظرہ الجنوب

جواب : جب اکیلے نمازی یا امام کو سورہ فاتحہ کی قراءت میں شک پڑ جائے تو پھر وہ رکوع میں جانے سے پہلے سورہ فاتحہ دوبارہ پڑھ لے اور اس پر سجدہ سمو نہیں ہیں . . . البتہ اگر نماز سے فراغت کے بعد شک پڑ جائے تو اس طرف توجہ نہ کرے اور اس کی نماز درست ہے۔

سمو کے سجدوں میں بھی وہی کچھ پڑھنا مشروع ہے جو نماز کے سجدوں میں پڑھنا مشروع ہے یعنی دعا اور قول  
سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى اور اس کے علاوہ دوسری دعائیں۔

نماز کے دوران مجھے قراءت اور تکبیر میں شک ہوتا رہتا ہے۔ مجھے یہ بھی شک پڑ جاتا ہے

کہ آیا میں نے سورہ فاتحہ پڑھی ہے؟ اس حال میں کیا میری نماز درست ہے؟

سوال : میری مشکل یہ ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں، قبلہ رخ ہوتا ہوں اور تکبیر تحریمہ کہتا ہوں تو مجھے شک پڑنے لگتا ہے کہ آیا میں نے تکبیر تحریمہ کہی ہے؟ میں دوبارہ تکبیر کہتا ہوں۔ اس کے بعد میں فاتحہ پڑھتا ہوں تو بھول جاتا ہوں اور نئے سرے سے دوبارہ پڑھتا ہوں۔ خاص کر جب میں امام کے ساتھ ہوتا ہوں تو یہ صورت پیش آتی ہے۔

کیا اندریں صورت حال میری نماز صحیح ہے؟ میں سمو سے بچنے کے لئے کیا کروں؟ مجھے مستفید فرمائیے۔



اللہ آپ کو اجر عطا فرمائے۔

عبداللہ - م

جواب : جو صورت حال آپ نے بیان کی ہے، آپ کی نماز درست ہے لیکن آپ کو وساوس سے بچنا چاہیے اور یہ اس صورت میں ہوگا کہ آپ سمجھیں کہ آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہیں اور جب آپ نماز میں شامل ہوں تو اللہ کی عظمت کو پیش نظر رکھیں اور اپنے دل کو اس پر مطمئن کریں۔ ساتھ ہی شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ اس طرح انشاء اللہ شیطانی وساوس دور ہو جائیں گے۔ شیطان خاک آلود ہوگا اور آپ کا پروردگار راضی ہوگا۔

جب کسی کو یہ شک پڑ جائے کہ آیا اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں، تو کیا کرے؟

سوال : جب نمازی کو اس بات میں شک پڑ جائے کہ آیا اس نے نماز ادا کی ہے یا نہیں . . . تو پھر کیا کرے؟ خواہ یہ شک نماز کے وقت میں ہو یا خارج میں ہو؟

عمر - م - ۱ - الریاض

جواب : جب فرض نمازوں میں سے کسی نماز میں بھی ایک مسلمان کو شک پڑ جائے کہ آیا وہ اسے ادا کر چکا ہے یا نہیں؟ . . . تو اس پر واجب ہے کہ جلد از جلد اس کی ادائیگی کرے کیونکہ حقیقتاً واجب چیز ابھی اس کے ذمہ ہے۔ لہذا اس کے لئے جلدی کرے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا؛ لِكَفَّارَةِ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ »

جو شخص نماز کے وقت سویا ہوا تھا یا اسے بھول گیا تو اسے چاہیے کہ جب اسے یاد آجائے، نماز ادا کرے۔ یہی اس کا کفارہ ہے۔

مسلم پر واجب ہے کہ وہ نماز کا خاصا اہتمام کرے اور اس کا بھی کہ وہ باجماعت نماز کی ادائیگی پر حریص ہونا چاہیے اور اسے کسی ایسے کام میں مشغول نہ ہونا چاہیے جو اسے نماز ہی کو بھلا دے کیونکہ نماز ہی اسلام کا ستون اور شہادتین کے بعد اہم فریضہ ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَلْبَيْنِ ﴾

تمام نمازوں کی اور بالخصوص درمیانی نماز کی محافظت کرو اور اللہ کے حضور فرمانبردار بن کر کھڑے ہو۔ (البقرہ : ۲۳۸)

نیز فرمایا :

﴿ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴾

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (البقرہ : ۴۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ ، وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ »  
 امور دین کا اصل اسلام (شہادتین) ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوبان کی چوٹی جمادنی سبیل اللہ  
 ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ : شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ، وَإِقَامِ  
 الصَّلَاةِ ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ ، وَحَجِّ الْبَيْتِ »

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ یہ شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ  
 کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔  
 اور نماز کی عظمت شان اور اس کی محافظت کے واجب ہونے پر بہت سی آیات و احادیث موجود ہیں۔

مکروہات نماز

ایک حدیث ہے ”جس نے پیاز یا لہسن یا بگھاٹ کھایا وہ تین دن تک ہماری مسجدوں میں  
 نہ آئے“ میں اس کے معنی سمجھنا چاہتا ہوں۔

سوال : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 کہ ”جس نے پیاز یا لہسن یا بگھاٹ کھایا وہ تین دن تک ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو بھی  
 ان چیزوں سے اذیت پہنچتی ہے۔ جن سے بنی آدم کو پہنچتی ہے۔“ یا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 ہو :

کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز کھانے والے کے لئے مسجد میں نماز جائز نہیں تا  
 آنکہ یہ مدت گزر جائے۔ یا یہ سمجھا جائے کہ جو شخص نماز باجماعت کا التزام چاہتا ہو اس کے لئے یہ چیزیں کھانا  
 ناجائز ہیں؟

ابراہیم - ع - ج

جواب : یہ حدیث اور اسی معنی کی دوسری صحیح احادیث نماز باجماعت میں مسلمان کی حاضری کی  
 کراہت پر دلالت کرتی ہیں جب تک کہ اس کی بو محسوس ہوتی ہو جو اس پاس والوں کو ناگوار ہو۔ خواہ یہ بو  
 لہسن کھانے سے ہو یا پیاز کھانے سے یا بگھاٹ سے یا کسی دوسری بدبودار چیز ہو۔ جیسے تمباکو نوشی۔ یہاں تک  
 کہ اس کی بو زائل ہو جائے . . . معلوم ہونا چاہیے کہ تمباکو نوشی بدبو کے علاوہ اور بھی کئی نقصانات کی  
 وجہ سے حرام ہے۔ اس کا گند اہونا معروف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں داخل ہے جو اس نے نبی صلی  
 اللہ علیہ وسلم کے متعلق سورہ اعراف میں فرمایا ہے :

﴿ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾

اور وہ رسول ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔

(اعراف : ۱۵۷)

اس چیز پر اللہ تعالیٰ کا وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جو سورہ مائدہ میں ہے :

﴿ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ﴾

آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ پاکیزہ چیزیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔ (المائدہ : ۴)

اور یہ تو واضح ہے کہ تمباکو پاکیزہ چیز نہیں لہذا معلوم ہوا کہ وہ امت پر حرام کردہ چیزوں میں سے ہے۔ رہی تین دن کی قید کی بات تو میں اس کی کوئی اصل نہیں جانتا۔

اس حدیث : ”عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں . . .

کی صحت کا درجہ کیا ہے؟

سوال : اس حدیث کی صحت کا درجہ کیا ہے ”عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں اور نہ صبح کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز ہے مگر مکہ میں --- مگر مکہ میں --- مگر مکہ میں ---“  
مطلق۔ ع۔ ا۔ الخرج

جواب : ”إلّا بمكّة“ کی زیادتی کے ساتھ یہ حدیث ضعیف ہے۔ رہی اصل حدیث تو وہ صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :  
« لا صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس ، ولا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس »  
صبح کے بعد کوئی نماز نہیں تا آنکہ سورج نکل آئے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں تا آنکہ سورج غائب ہو جائے۔

لیکن علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اس حدیث سے عموم سے سبب والی نمازیں مستثنیٰ ہیں جیسے نماز کسوف، نماز طواف اور تحیتہ المسجد۔ یہ نمازیں ادا کرنا مشروع ہیں خواہ نبی کے اوقات میں ہوں کیونکہ اس بارے میں جو صحیح احادیث وارد ہیں وہ اس عموم سے ان کے استثناء پر دلالت کرتی ہیں۔

## کیا نماز میں منہ لپیٹنا یا دیوار سے ٹیک لگانا جائز ہے؟

سوال : کیا نماز میں منہ لپیٹنا یا دیوار یا ستون سے یا ایسی ہی کسی دوسری جگہ سے ٹیک لگانا جائز ہے؟

ابراہیم - س - المنطقۃ الجنوب

جواب : کسی سبب کے بغیر نماز میں منہ لپیٹنا مکروہ ہے، نہ ہی فرض نماز میں کسی دیوار یا ستون سے ٹیک لگانا جائز ہے۔ کیونکہ طاقت رکھنے والے نمازی پر بغیر ٹیک کے سیدھا کھڑا ہونا واجب ہے۔  
البتہ نقلی نمازوں میں ٹیک لگانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ انہیں بیٹھ کر بھی ادا کیا جاسکتا ہے اور ٹیک لگاتے ہوئے بھی۔ البتہ کھڑے ہو کر نقل ادا کرنا بیٹھ کر ادا کرنے سے افضل ہے۔

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جانتا کہ اس پر کیا ہے . . . کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سوال : مجلہ الدعوة نمبر ۸۲۸ مورخہ ۱۲ ربیع الاول الموافق ۱۱ جنوری ۱۹۸۲ء عنوان فتاویٰ اسلامیہ سوال

نمبر ۲ پڑھنے کے بعد :

آپ نے سنت سے جو دلیل پیش کی وہ حدیث ابو جہیم سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :  
« لو یعلم المائر بین یدی المصلی : ماذا علیہ لکان أن یقف أربعین ؛ خیراً له من أن یمرّ بین یدیه »

اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جانتا ہوتا کہ اس پر کیا ہے تو ”چالیس“ ٹھہر جانا اس کے لئے اس سے بہتر تھا کہ وہ نمازی کے آگے سے گزرے۔

اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔ کیا یہ حدیث صحیح لکھی گئی ہے یا اس میں کوئی خطا ہوئی ہے۔ جہاں اس میں یہ اشتباہ پایا جاتا ہے :

« أن یقف خیراً له من أن یمرّ »

مبارک - ع - م - ظہران الجنوب

جواب : یہ حدیث صحیح ہے۔ جسے بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور اس کے الفاظ وہی ہیں جیسے سوال میں ذکر کئے گئے ہیں البتہ بعض کتب احادیث میں ملنا علیہ کے بعد من الإثم کے الفاظ زیادہ ہیں۔ اگرچہ الفاظ کی یہ زیادتی روایت کے لحاظ سے صحیح نہیں تاہم اس کے معنی درست ہیں۔

ایسے عوامی باغوں میں نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے جنہیں بدبودار پانی سے سیراب کیا جاتا ہے؟  
سوال : عوامی باغوں میں نماز کا کیا حکم ہے۔ جن کے متعلق یہ معلوم ہے کہ انہیں ایسے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے جس میں بدبو پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔ میں یہ سمجھتا رہا کہ یہ پانی صاف کیا ہوا ہوتا ہے اور جاری چشمہ وغیرہ سے آتا ہے یا ایسے کنوؤں سے جن تک گندے کنوؤں کا پانی لایا جاتا ہے۔ کیا ایسے باغوں میں نماز ادا کرنے سے لوگوں کو حکمہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی طرف سے روکا جائے۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ میں درست بات کی وضاحت فرمائیں گے۔

سعد - ع - ۱ - الریاض

جواب : جب پانی میں بدبو پیدا ہو جائے تو ایسے باغ میں نماز درست نہیں کیونکہ نماز کی صحت کی شرائط میں سے ایک شرط اس جگہ کی طہارت بھی ہے جہاں مسلم نماز ادا کرتا ہے اور اگر اس پر کوئی پاک موٹی چیز بطور پردہ ہو جائے۔ تو نماز درست ہوگی۔

اور مسلم کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان باغوں میں نماز ادا کرے۔

بلکہ اس پر واجب یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اللہ کے گھروں یعنی مساجد میں جا کر نماز ادا کرے۔ جن کے متعلق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ فِي بُيُوتٍ أُذِنَ لِلَّهِ أَنْ تَرْفَعَ وَيَذْكُرَ فِيهَا أَسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿٦٦﴾ رِجَالٌ لَا لُتْهُمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ وَآقَامُوا الصَّلَاةَ وَإِنَاءَ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٦٧﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ غَيْرِ حِسَابٍ ﴿٦٨﴾

ان گھروں میں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ بلند (تعمیر) کئے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے۔ ان میں صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہیں۔ یہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کے ذکر، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ لین دین۔ وہ اس دن سے خائف رہتے ہیں جب دل (خوف اور گھبراہٹ سے) الٹ جائیں گے اور آنکھیں اوپر چڑھ جائیں گی۔ تاکہ اللہ انہیں ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جسے چاہتا ہے بلا حساب رزق دیتا ہے۔

(النور : ۳۶-۳۷-۳۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ ؛ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ »

جس نے اذان کی آواز سنی، پھر مسجد نہ آیا، اس کی نماز ادا نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ کوئی شرعی عذر

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«أَنْقَلُ الصَّلَاةَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ، وَصَلَاةَ الْفَجْرِ؛ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبَوًّا»

منافقوں پر بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا (گناہ یا ثواب) ہے تو وہ ضرور مسجد کو آتے خواہ سرین کے بل گھسٹ کر آتے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ؛ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عَذْرٍ»

جس نے اذان کی آواز سنی پھر مسجد میں نہ آیا تو اس کی نماز ادا نہ ہوگی۔ سوائے اس کے کہ کوئی شرعی عذر ہو۔

اس حدیث کو ابن ماجہ، دار قطنی اور حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اندھا آیا اور کہنے لگا : اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی مسجد تک لانے والا نہیں۔ کیا میرے لئے رخصت ہے کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«هَلْ تَسْمَعُ النَّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَجِبْ»

کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ وہ کہنے لگا ”ہاں“ آپ نے فرمایا : ”تو پھر مسجد میں آؤ“۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا۔ تو جب اندھے کے لئے جسے مسجد تک لے جانے والا کوئی نہ تھا، نماز باجماعت کے ترک کا عذر قبول نہ ہو تو دوسروں سے کیسے ہو سکتا ہے؟ لہذا اے سائل! آپ پر واجب ہے کہ اللہ عزوجل سے ڈرو اور فجر اور دوسری باجماعت نمازوں پر محافظت کرو اور رات کو جلد سو جایا کرو تاکہ تم فجر کی نماز کے لئے اٹھ سکو۔ آپ کے لئے گھر میں نماز ادا کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ کوئی شرعی عذر موجود ہو۔ جیسے مرض یا خوف۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق تھامنے اور اس پر جسے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں نماز میں حرکتیں زیادہ کرتا ہوں جبکہ میں نے سنا ہے کہ حرکت نماز کو

باطل کر دیتی ہے۔ تو اب میں کیا کروں؟

سوال : میری مشکل یہ ہے کہ میں نماز میں زیادہ حرکتیں کرتا ہوں۔ جبکہ میں نے اس معنی میں ایک حدیث سنی ہے کہ نماز میں تین سے زیادہ حرکات نماز کو باطل کر دیتی ہیں . . . اس حدیث کی صحت کا درجہ کیا ہے؟ اور میں نماز میں کس طرح ان فضول حرکتوں سے نجات حاصل کروں؟

عادل - م - ۱

جواب : مومن کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کے سلسلے میں مستعد رہے اور نماز میں ڈرنے کے اثرات اس کے دل اور بدن میں ظاہر ہوں۔ خواہ یہ فرض نماز ہو یا نفل ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِي هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾

وہ مومن فلاح پائے گا جو اپنی نماز میں ڈرنے والے ہیں۔ (المؤمنون : ۱-۲)

اس پر لازم ہے کہ نماز اطمینان کے ساتھ ادا کرے اور یہ بات نماز کے ارکان و فرائض میں سے ہے کیونکہ جس شخص نے نماز کو بگاڑا اور اطمینان حاصل نہ کیا اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«ارجع فصلًا، فإنك لم تصل»

واپس لوٹ آؤ اور نماز ادا کرو۔ کیونکہ تم نے نماز ادا نہیں کی۔

تین بار اس نے آپ کے یہی بات کہنے پر نماز پڑھی۔ پھر کہنے لگا : اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ لہذا مجھے سکھاد دیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا :

«إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء، ثم استقبل القبلة، فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راعياً، ثم ارفع حتى تعتدل قائماً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم افعل ذلك في صلاتك كلها»

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اچھی طرح اور پوری طرح وضو کرو پھر قبلہ رخ ہو جاؤ، پھر تکبیر کو پھر جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو، پڑھو۔ پھر ایسے رکوع کرو کہ تمہیں اپنے رکوع پر اطمینان ہو۔ پھر سر اٹھاؤ اور پوری طرح سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ایسے سجدہ کرو کہ تمہیں اپنے سجدہ پر اطمینان ہو پھر سجدہ سے اٹھو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر سجدہ کرو جس پر تم مطمئن ہو جاؤ۔ پھر اپنی پوری نماز میں ایسا ہی کرو۔

اس حدیث کی صحت پر صحیحین کا اتفاق ہے اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا : ”پھر ام

القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھو اور مزید جو اللہ چاہے۔“

یہ حدیث صحیح ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اطمینان حاصل کرنا نماز کا رکن اور اس کا بہت بڑا فرض ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور جو شخص ٹھونکیں مارے (جلدی جلدی نماز پڑھے) اس کی نماز نہیں ہوتی اور خشوع نماز کا خلاصہ اور اس کی روح ہے۔ لہذا مومن کے لئے مشروع یہ ہے کہ وہ اس کا اہتمام کرے اور اس پر حریص ہو۔

رہی اطمینان اور خشوع کے منافی تین حرکات کی حد بندی کی بات، تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں۔ یہ صرف کسی عالم کا کلام ہے جس کے لئے کوئی ایسی دلیل نہیں جس پر اعتماد کیا جاسکے۔

تاہم نماز میں فضول حرکتیں کرنا مکروہ ہے۔ جیسے ناک، داڑھی اور کپڑوں کو حرکت دینا اور ان کاموں میں لگے رہنا اور جب ایسی فضول حرکات زیادہ اور متواتر ہوں تو نماز کو باطل کر دیتی ہیں۔ . . . لیکن اگر حرکات تھوڑی اور معمولی سی ہوں یا اگر زیادہ ہوں اور متواتر نہ ہوں تو ان سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن مومن کے لئے مشروع یہی ہے کہ وہ خشوع پر محافظت کرے اور نماز کو اچھی طرح مکمل کرنے کی حرص رکھتے ہوئے فضول حرکات چھوڑ دے، خواہ وہ کم ہوں یا زیادہ۔

اور اس بات پر دلائل موجود ہیں کہ نماز میں تھوڑا عمل یا تھوڑی حرکات سے نماز باطل نہیں ہوتی اسی طرح متفرق اور کبھی کبھار کی حرکات سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ”آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے دروازہ کھولا جبکہ آپ نماز ادا کر رہے تھے۔“

نیز ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ (امام تھے) اور اپنی بیٹی زینب کی بیٹی امامہ کو اٹھائے ہوئے تھے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو اسے نیچے بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اسے اٹھا لیتے۔“ . . . اور توہین دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## نماز کو باطل کرنے والی باتیں

جب نمازی کی ناک سے خون نکل آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : جب انسان کی ناک سے خون نکل آئے اور وہ نماز ادا کر رہا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

قاریہ

جواب : جب خون تھوڑی سی مقدار میں نکل آئے تو وہ معاف ہے، اسے رومال یا ایسی ہی کسی دوسری چیز سے پونچھ ڈالے۔ اگر زیادہ مقدار میں ہو تو وہ نماز کو توڑ دیتا ہے۔ اس کی صفائی کرے اور علماء کے اختلاف سے باہر ہوتے ہوئے اس کے لئے دوبارہ وضو کرنا مشروع ہے۔ پھر نماز کو نئے سرے سے



شروع کرے۔ جیسا کہ نماز کے دوران حدث ہو جائے، ایسا حدث جو مجمع علیہ (جس پر صحابہ کا اجماع ہو چکا ہو) ہو۔ جیسے کہ ہو یا بول کا نکلنا نماز کو توڑ دیتا ہے۔ پھر وضو کرے اور نماز کو دہرائے۔

جب نمازی یہ محسوس کرے کہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے تو کیا اس کی نماز باطل ہو جائے گی؟

سوال : جب میں نماز کے لئے وضو کرتا ہوں تو مجھے وضو کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ذکر سے کوئی چیز نکلتی ہے۔ کیا اس صورت میں میں ناپاک ہو جاتا ہوں یا نہیں؟ اور جب میں نماز کی حالت میں یہی بات محسوس کروں تو میری نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟

ابراہیم۔ س۔ منطقہ الجنوب

جواب : نمازی کا یہ احساس کہ اس کے آگے یا پیچھے سے کوئی چیز نکلی ہے، اس کے وضو کو باطل نہیں کرتا۔ اس کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی بات کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا : ”جب تک آواز نہ سن لے یا بونہ پالے اپنی نماز وغیرہ سے نہ پھرے۔“ اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

نماز باجماعت کو معمولی سمجھنا

میں بعض دفعہ کام میں پھنسا ہوتا ہوں اور سوتا ہوں تو فجر کی نماز کی ہمت نہیں پاتا گھر میں پڑھ لیتا ہوں۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے؟

سوال : کبھی کبھی میں کام میں پھنسا ہوتا ہوں اور تھکا ہوتا ہوں تو دیر سے سوتا ہوں۔ اس لئے صبح کی نماز باجماعت کی ہمت نہیں پاتا۔ گھر پر پڑھ لیتا ہوں۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے؟

خ۔ ع۔ ن۔ الریاض

جواب : مرد مکلف پر واجب ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد میں جا کر اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ادا کرے۔ اس کام میں سستی کرنا جائز نہیں اور فجر کی یا دوسری نماز باجماعت سے پیچھے رہنا نفاق کی صفات سے ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَدِيعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ﴾

منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اللہ انہیں اس دھوکا میں پھنسا دیتا ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ست اور ڈھیلے ڈھالے کھڑے ہوتے ہیں۔ (النساء : ۱۲۲)

ہماری مسجد کے بعض نمازی فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ میں نے بے لوث ہو کر انہیں نصیحت کی، کیا میں محکمہ والوں کو ان کی شکایت کروں؟

سوال : ہماری مسجد کے بعض نمازی فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ (یعنی جماعت میں شامل نہیں ہوتے) میں انہیں کئی بار نصیحت کر چکا ہوں۔ کیا اب میں محکمہ شرعی امور والوں کو ان کی شکایت کروں یا سمجھاتا رہوں؟

م-م-۱-الریاض

جواب : ہم آپ کو انہیں سمجھاتے رہنے کی ہی نصیحت کرتے ہیں۔ آپ جماعت کے چند خاص آدمیوں کو ساتھ لے کر ان پیچھے رہنے والوں کے ہاں جائیں اور انہیں نصیحت کریں اور اس عظیم خطرہ سے آگاہ کریں جو نماز باجماعت سے پیچھے رہنے میں ہے اور یہ کہ یہ اہل نفاق کی نشانی ہے۔ شاید وہ مان جائیں اور راہ راست پر آجائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا :  
« أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ : صَلَاةُ الْعِشَاءِ ، وَصَلَاةُ الْفَجْرِ ؛ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا »

منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے اور اگر وہ جانتے ہوتے کہ ان دونوں میں کیا گناہ یا ثواب ہے۔ تو ضرور جماعت میں آتے، خواہ سرین کے بل گھٹ کر آتے۔  
نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ ؛ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عَذْرِ »

جس نے نماز کی اذان سنی پھر مسجد نہ گیا اس کی نماز نہ ہوگی۔ الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو۔

آپ سے ایک اندھے آدمی نے اجازت چاہی کہ اسے مسجد میں لانے والا کوئی نہیں۔ کیا اس کے لئے گھر میں نماز ادا کر لینے کی رخصت ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا :

« هَلْ تَسْمَعُ النَّدَاءَ بِالصَّلَاةِ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ : فَأَجِبْ »

کیا نماز کی اذان سنتے ہو؟ وہ کہنے لگا : ہاں! آپ نے فرمایا۔ تو پھر بات مانو۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا : ”میں تمہارے لئے رخصت نہیں پاتا۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی تھے، فرماتے ہیں : ”ہم نے دیکھا کہ ایسے لوگ ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جن کا نفاق معلوم تھا۔“ یعنی نماز باجماعت سے۔

لہذا ہر مسلم پر واجب ہے کہ نماز باجماعت کی محافظت کرے اور اس سے پیچھے رہنے سے بچے اور ائمہ مساجد پر واجب ہے کہ وہ ان پیچھے رہنے والوں کو نصیحت کرتے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب

سے ڈراتے رہیں۔ پھر جب نصیحت کارگر نہ ہو تو ان پیچھے رہنے والوں کا معاملہ مرکز ہیئت کو پہنچا دیا جائے جو مسجد کے محلہ میں ہوتا کہ تعلیمات شرعیہ کی رو سے جو بات لازم ہے اس کے لئے وہ مناسب کارروائی کریں۔

اور ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو اس بات کی توفیق دے جس میں ان کی صلاح اور اللہ کے غضب اور عذاب سے ان کی نجات ہو۔

ہم اپنی بستی سے ۵۰ کلومیٹر دور شاپنگ کے لئے گئے۔ واپسی پر ہماری مغرب کی نماز فوت ہو گئی کیا ہمارے لئے یہ تاخیر جائز تھی؟

سوال : میں اور میرے چند اہل خانہ شہر کی طرف گئے، جو ہماری بستی سے ۵۰ کلومیٹر دور تھا تاکہ بعض ضرورت کی اشیاء خرید سکیں۔ مغرب کے قریب ہم واپس ہوئے لیکن رش کی وجہ سے ہمیں نکلنے نکلنے بہت دیر ہو گئی۔ مغرب کا وقت تنگ ہو گیا اور جب ہم گھر پہنچے تو عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ یعنی ہم مغرب کی نماز کا وقت نکل جانے پر پہنچے۔ اس صورت حال میں کیا ہمارے لئے جائز ہے کہ مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھ لیں، حتیٰ کہ ہم اپنے شہر پہنچ جائیں۔ اس دور کے سفر میں جو مشقت عورتوں کو پہنچتی ہے، اسے بھی ملحوظ رکھا جائے۔

ابراہیم - ع - ح

جواب : اس حال میں جو ذکر کیا گیا ہے کہ آپ مشقت کو دور کرنے کے لئے گاؤں پہنچنا چاہتے تھے، مغرب کی نماز کو مؤخر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر آپ راہ میں ہی کہیں ادا کر لیتے تو زیادہ بہتر تھا۔

میرا ایک ہمسایہ بہت جاگتا ہے اور فجر کی نماز کے وقت سویا رہتا ہے۔

کیا میرے لئے لازم ہے کہ نماز کے لئے اسے جگایا کروں؟

سوال : میرا ایک دوست ہے جو میرے نزدیک ہی رہتا ہے اور مسجد ہم سے بالکل قریب ہے . . . میرا دوست صبح کی نماز کے لئے مسجد نہیں جاتا۔ رات کو ٹیلی ویژن دیکھنے اور تاش کھیلنے میں وقت گزارتا ہے اور صبح کے ایک دو بجے تک جاگتا رہتا ہے اس لئے صبح کی نماز سورج طلوع ہونے کے بعد ادا کرتا ہے۔ میں اسے اکثر ناراض ہوتا رہتا ہوں۔ اس کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وہ اذان نہیں سنتا۔ حالانکہ مسجد ہم سے بالکل قریب ہے اور میں نے اس پر اپنی رغبت بھی ظاہر کی کہ میں اسے صبح کی نماز کے

لئے جگایا کروں گا اور عدا اس کے ہاں گیا اور اسے جگایا بھی، لیکن پھر بھی اسے مسجد میں نہ دیکھا۔ نماز کے بعد پھر میں اس کے پاس آیا اور دیکھا کہ وہ سو رہا ہے۔ میں اس سے خفا ہوا تو وہ فضول بہانے بنانے لگا . . . کبھی کبھی مجھے وہ یوں کہنے لگتا ہے کیا تم قیامت کے دن اللہ کے ہاں میری طرف سے مسئلہ ہوگے کہ میں تمہارا ہمسایہ تھا . . .

میں ذات والا سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ اس معاملہ میں مجھے مستفید فرمائیں گے۔ نیز کیا نماز کے لئے اسے جگانا مجھ پر لازم ہے؟

خلیل۔ ا۔ خ۔ الریاض

جواب : مسلم کے لئے ایسا جاگنا جائز نہیں جس کے نتیجے میں صبح کی باجماعت نماز یا اس نماز کا وقت ہی ضائع ہو جاتا ہو، خواہ یہ جاگنا قرآن پڑھنے یا علم کے حصول کی بنا پر ہو اور جب یہ جاگنا ٹیلی ویژن دیکھنے، تاش کھیلنے یا ایسی ہی کسی دوسری وجہ سے ہو تو پھر کیا حال ہوگا؟

آپ کا دوست اس کام کی وجہ سے گنہگار ہے اور اللہ تعالیٰ کی سزا کا مستحق ہے، جیسا کہ وہ حاکموں سے بھی سزا کا مستحق ہے جو اسے اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو اس سے باز رکھیں اور تمام اہل علم کے نزدیک عدا فجر کی نماز کو طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا کفر اکبر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفر و شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان عدا نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا۔ اس نے کفر کیا۔

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد کے ساتھ

نکالا ہے۔

اس بارے میں دوسری احادیث و آثار بھی موجود ہیں جو ایسے شخص کے کفر پر دلالت کرتی ہیں جو بلا عذر شرعی، جان بوجھ کر نماز کو اس کے وقت سے موخر کر کے ادا کرتا ہے۔

اور مسلم پر واجب ہے کہ وہ وقت پر نماز ادا کرنے کی محافظت کرے اور جو اسے جگا سکتے ہوں، ان سے مدد طلب کرے، خواہ یہ اس کے گھر والے ہوں یا بھائی ہوں۔ الارم والی گھڑی سے نماز کے وقت جاگنے کے لئے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔

اور اے سائل! آپ پر لازم ہے کہ اس سلسلہ میں آپ اپنے دوست کی مدد کریں۔ اسے اکثر

نصیحت کرتے رہیں۔ پھر اگر وہ اپنے اس عمل قبیح پر اکڑ جائے تو یہ معاملہ مرکز بیت تک پہنچادیں تاکہ جس سزا کا وہ مستحق ہے وہ پالے . . . ہم سب مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور راہ حق پر استقامت کی دعا کرتے ہیں۔

## دانستہ نماز چھوڑنے کا حکم

سوال : میرا بڑا بھائی نماز ادا نہیں کرتا۔ کیا اس سے صلہ رحمی کروں یا نہیں؟ خیال رہے کہ وہ فقط میرا پدری (سوتیللا) بھائی ہے۔

جواب : جو شخص دیدہ دانستہ نماز چھوڑتا ہے وہ کافر ہے۔ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اس کا کفر اکبر ہے جبکہ وہ نماز کے وجوب کا اقرار ہی بھی ہو۔ جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہے وہ تمام اہل علم کے نزدیک کافر ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ، وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ »  
امور دین کا اصل اسلام (شہادتین) ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کی کوہان کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ امام احمد اور ترمذی نے اسناد صحیح کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفر و شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان عہد نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑا، وہ کافر ہوا۔

اس حدیث کو امام احمد اور اہل السنن نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے۔

تارک نماز اس لئے بھی کافر ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور اہل علم و ایمان کے اجماع کو جھٹلانے والا ہے۔ لہذا اس کا کفر اکبر و اعظم ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو نماز کو معمولی سمجھتے ہوئے اس کا تارک ہے۔ دونوں صورتوں میں مسلمانوں کے حکام پر لازم ہے کہ وہ تارک نماز سے توبہ کرائیں۔ اگر وہ توبہ کر لے تو فیہما ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اس بارے میں دلائل موجود ہیں۔

نماز کے تارک سے بائیکاٹ لازم ہے اور جب تک وہ اس کام سے باز نہ آئے اس کی دعوت بھی قبول نہ کی جائے۔ تاہم اسے نصیحت کرتے رہنا، حق کی طرف دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کی ان سزاؤں سے ڈرانا لازم ہے جو ترک نماز کی بنا پر دنیا اور آخرت میں مترتب ہوتی ہیں۔ شاید وہ توبہ کر لے اور اللہ اسے

میرا ایک دوست ہے جو نہ نماز ادا کرتا ہے اور نہ روزے رکھتا ہے۔

کیا اس سے صلہ رحمی کروں یا نہیں؟

سوال : میرا ایک دوست ہے جس سے مجھے گہری محبت ہے۔ مگر یہ دوست نہ فرض نمازیں ادا کرتا ہے اور نہ ہی رمضان کے روزے رکھتا ہے۔ میں نے اسے نصیحت کی لیکن اس نے اسے قبول نہیں کیا۔ کیا اس کی کچھ اصل ہے یا نہیں۔

موسیٰ-ح

جواب : اس شخص اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے اللہ کی خاطر بغض و عناد رکھنا لازم ہے، تاکہ وہ توبہ کر لیں۔

کیونکہ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق نماز چھوڑ دینا کفر اکبر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفر و شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

مسلم نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کی ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان عہد نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑا، اس نے کفر کیا۔

اس حدیث کی امام احمد اور اہل السنن نے صحیح اسناد کے ساتھ تخریج کی ہے اور اس معنی کی احادیث

بہت ہیں۔

کسی شرعی عذر کے بغیر رمضان کے روزے چھوڑنا کبیرہ گناہ ہے اور بعض اہل علم ایسے شخص کو بھی کافر ہی سمجھتے ہیں جو شرعی عذر مثلاً بیماری اور سفر کے بغیر رمضان میں روزے نہیں رکھتا۔

لہذا آپ پر لازم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس دوست سے نفرت کریں اور اس وقت تک مقاطعہ کریں، جب تک وہ اللہ کے حضور توبہ نہ کرے اور مسلمان حکام پر واجب ہے کہ جن لوگوں کے متعلق انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ تارک نماز ہیں ان سے توبہ کرائیں اگر توبہ کر لیں تو خیر، ورنہ قتل کر دیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے :

﴿ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ﴾

پھر اگر وہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ (التوبہ : ۵)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو نماز نہ پڑھے، اس کی راہ نہ چھوڑی جائے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«نَهَيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ»

مجھے نماز ادا کرنے والوں کے قتل سے روکا گیا ہے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا، اس کے قتل سے آپ کو نہیں روکا گیا اور کتاب و سنت سے شرعی دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اور توبہ نہ کرے تو حکام کو اس کا قتل کرنا واجب ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کے دوست کو توبہ کی طرف لائے اور اسے سیدھی راہ دکھائے۔

### تارک نماز کے ساتھ رہنے کا حکم

سوال : مجھے ایک دفعہ کسی ہسپتال میں جانا پڑا۔ میرے ساتھ دو اور آدمی اسی کمرہ میں داخل ہوئے جس میں رہتا تھا۔ ہم وہاں تین دن تک رہے۔ اس دوران میں تو نماز ادا کرتا رہا لیکن وہ نماز ادا نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ وہ مسلمان تھے اور میرے شہر کے تھے۔ میں نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ اب مجھ پر کوئی گناہ ہے جو میں نے انہیں نماز کے لئے نہیں کہا؟ اور اگر اس میں گناہ ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

معتمد - ع

جواب : انہیں نصیحت کرنا آپ پر واجب تھا اور اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ان پر ترک نماز جیسے منکر عظیم پر گرفت کرنا چاہئے تھی :

﴿وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور بھلے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (آل عمران : ۱۰۴)

اور اس معنی میں اور بھی بہت سی آیات آئی ہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے بھی :

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أضعفُ الإيمانِ»

تم میں سے جو شخص کوئی بری بات دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو زبان سے بدل دے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ادنیٰ تر درجہ ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔

اور جب آپ نے یہ کام نہیں کیا تو اس گناہ سے آپ پر سچی توبہ واجب ہے۔ جو یہ ہے کہ انسان اپنے کئے پر نادم ہو اور اسے کھلتا چھوڑ دے اور آئندہ ایسا کام نہ کرنے کا پختہ عہد کرے اور یہ کام خلوص نیت سے، اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید اور اس کی سزا سے ڈرتے ہوئے کرے اور جو شخص توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَلِيَّ لَغْفَارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ أَهْتَدَىٰ﴾

اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے پھر سیدھی راہ چلے تو میں اسے بخش دینے والا ہوں۔ (طہ : ۸۲)

### نماز میں سستی کرنے والے کے ساتھ رہنے کا حکم

سوال : نماز میں سستی کرنے والے کے ساتھ رہنے کا کیا حکم ہے؟

فہد-ع-ع-الریاض

جواب : نماز میں سستی کرنے والے اور اسی طرح دوسرے کافروں کے ساتھ رہنا جائز نہیں۔

کیونکہ ترک نماز کفر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفر و شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے، وہ نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا، اس نے کفر کیا۔

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے۔ ان کے

علاوہ اور بھی کئی دلائل ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔



میں اپنے بھائی سے الجھ پڑا اور اسے کہا ”اے کافر! مجھ سے دور ہو جا“۔ بنیادیہ تھی کہ وہ تقریبات کے علاوہ کبھی نماز نہیں پڑھتا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : میں اور میرا بھائی کسی مسئلہ میں الجھ پڑے۔ میں نے غصہ کی حالت میں اسے کہہ دیا : اے کافر مجھ سے دور ہو جا“۔ اور اس کی بنیادیہ تھی کہ وہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ صرف اپنے رشتہ داروں کی موجودگی میں تقریبات وغیرہ میں پڑھ لیتا تھا۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اور آیا یہ بات صحیح ہے کہ وہ کافر ہے۔

ف-ع-ع

جواب : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ »

نماز چھوڑنے سے آدمی کا کفر و شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا اور امام احمد اور اہل السنن نے اسناد جید کے ساتھ بریدہ بن

الحصیب رضی اللہ عنہ سے تخریج کی۔ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا، اس نے کفر کیا۔

اور اس معنی پر دلالت کرنے والی احادیث بہت ہیں۔ تاہم آپ کو اس صورت حال میں چاہئے یہ تھا

کہ اسے کافر کہنے میں جلدی نہ کرتے۔ پہلے اسے نصیحت کرتے اور بتلاتے کہ نماز کو چھوڑ دینا کفر اور

گمراہی ہے۔ اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور توبہ کرنا واجب ہے۔ اس طرح شاید اسے آپ سے فائدہ

پہنچ جاتا اور وہ آپ کی نصیحت قبول کر لیتا۔ ہم اپنے اور سب مسلمانوں کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے

سب گناہوں سے سچی توبہ کی توفیق طلب کرتے ہیں۔

”جو نماز میں سستی کرے، اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا“ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

سوال : ہمیں ایک چٹھی موصول ہوئی جس کا ایک ورق تھا جو لوگوں میں تقسیم کیا جا رہا تھا۔ اس

ورق میں ایک حدیث بھی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب تھی اور وہ یہ تھی ”جو شخص نماز میں

سستی کرے اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا“۔ اس ورق میں اور بھی بہت کچھ تھا۔ آپ سے اس

خالد-ن۔ الریاض

جواب : اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ صحت کے اعتبار سے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”میزان“ میں اور حافظ ابن حجر نے ”لسان المیران“ میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ لہذا جس شخص کو یہ ورق ملے اسے چاہئے کہ اسے جلا ڈالے اور اگر تقسیم کرنے والے کو دیکھے تو اسے تنبیہ کر دے۔ اس طرح جھوٹے لوگوں کے جھوٹ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حمایت ہوگی۔

نماز کی عظمت شان، سستی کرنے سے بچنے اور جو شخص ایسا کرے اس کی وعید کے متعلق قرآن عظیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنا کچھ مذکور ہے جو شافی و کافی ہے اور جھوٹ بکنے والوں کے جھوٹ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ جیسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْاَوْسَطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَنَتَيْنِ﴾

تمام نمازوں کی اور بالخصوص درمیانی نماز کی محافظت کرو اور اللہ کے حضور فرمانبردار بن کر کھڑے ہو۔ (البقرہ : ۲۳۸)

نیز فرمایا :

﴿خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ غِيَا﴾

پھر ان کے بعد ناخلف ان کے جانشین ہوئے۔ جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔ (مریم : ۵۹)

نیز فرمایا :

﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ ۗ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾

سو ایسے نمازیوں کے لئے خرابی ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔ (الماعون : ۴-۵)

اور اس معنی میں بہت سی آیات ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«العهدُ الَّذي بيننا وبينهم الصلاةُ، فمن تركها فقد كفرَ»

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے، وہ نماز ہے۔ جس نے نماز کو چھوڑا اس نے کفر کیا۔

امام احمد اور اہل سنن نے صحیح اسناد کے ساتھ اس حدیث کو نکالا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»

نماز چھوڑنے سے آدمی کافر و شرک سے فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہؓ سے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

«مَنْ حَافِظٌ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا، وَبِرَهَانًا، وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهُ نُورًا وَلَا بِرَهَانًا وَلَا نَجَاةً وَحُشِرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ، وَهَامَانَ، وَقَارُونَ، وَأَبِيِّ بَنِي خَلْفٍ»

جس نے نماز کی محافظت کی تو یہ عمل قیامت کے دن اس کے لئے نور اور برہان اور نجات کا باعث ہوگا اور جس نے اس پر محافظت نہ کی اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ برہان اور نہ عذاب سے نجات۔ وہ قیامت کے دن فرعون، ہامان، قارون اور ابی بن خلف کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

اس حدیث کو امام احمد نے اسناد حسن کے ساتھ نکالا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں بعض علماء نے کہا ہے کہ نماز کو ضائع کرنے والے کا حشر قیامت کے دن ان کافروں کے ساتھ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ :

اگر اس نے ریاست کی وجہ سے نماز کو ضائع کیا تو اسے فرعون سے تشبیہ دی گئی ہے لہذا قیامت کے دن وہ فرعون کے ساتھ ہوگا اور اسی کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

اور اگر نماز ضائع کرنے کا سبب وزارت یا کوئی دوسرا عہدہ تھا تو وہ ہامان سے مشابہ ہے۔ قیامت کے دن اس کے ساتھ اس کا حشر ہوگا اور اسی کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

اور اگر نماز ضائع کرنے کا سبب مال و دولت اور خواہشات ہیں تو اسے قارون سے تشبیہ دی گئی ہے جسے اللہ نے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تھا۔ جس کی وجہ کثرت مال اور خواہشات کی پیروی کے سبب اس کا حق ٹھکرا دینا تھا۔ ایسا آدمی قارون کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اسی کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

اور اگر نماز ضائع کرنے کا سبب تجارت اور ایسے ہی دوسرے معاملات تھے، تو اسے ابی بن خلف سے تشبیہ دی گئی، جو مکہ کے کافروں میں تاجر تھا۔ لہذا قیامت کے دن اس کا حشر ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا اور اسی کے ساتھ وہ جہنم میں جائے گا۔

ہم ان اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے حال سے اللہ سے عافیت چاہتے ہیں۔



## جن اموال میں زکوٰۃ واجب ہے

سوال : کیا اس سونے میں زکوٰۃ واجب ہے، جسے کوئی عورت محض زینت اور استعمال کے لیے رکھتی ہے اور وہ تجارت کے لیے نہ ہو؟

بشیر-ع-الخرج

جواب : عورتوں کے زیور کی زکوٰۃ میں جبکہ وہ حد نصاب کو پہنچ جائے اور تجارت کے لیے نہ ہو، اہل علم کے درمیان اختلاف ہے . . . اور صحیح بات یہ ہے کہ جب وہ حد نصاب کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ یہ محض پہننے اور زینت کے لیے ہو۔

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور اس کی مقدار  $\frac{3}{4}$  اگنی سعودی ہے۔ اگر زیور اس سے کم مقدار میں ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ الا یہ کہ وہ تجارت کے لیے ہو۔ اس صورت میں اس میں زکوٰۃ مطلق ہوگی۔ یعنی جب اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے۔ چاندی کا نصاب ۱۴۰ مثقال ہے اور درہموں سے اس کی مقدار ۵۶ ریال ہے۔ اگر چاندی کا زیور اس سے کم مقدار میں ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ الا یہ کہ وہ تجارت کے لیے ہو۔ اس صورت میں اس میں زکوٰۃ مطلق ہوگی یعنی جب اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے۔

سونے اور چاندی کے زیور جو پہننے کے لیے تیار کئے گئے ہوں ان میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا عموم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَا مِنْ صَاحِبٍ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي زَكَاتَهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُفِحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ « (الحديث)

جس شخص کے پاس بھی سونا اور چاندی ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی بڑی بڑی تختیاں تیار کی جائیں گی۔ جن سے اس کے پہلو، اس کے ماتھے اور اس کی پشت کو داغا جائے گا۔

اور عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث یوں ہے :

«إِنَّ امْرَأَةً دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَفِي يَدِ ابْنَتِهَا مَسَكَنَانِ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: «أَتُعْطِينَ زَكَاةَ هَذَا»، قَالَتْ: لَا. قَالَ: «أَيُّسْرِكَ أَنْ يُسَوِّرَكَ اللَّهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوَارِينَ مِنْ نَارٍ؟»... فَأَلْقَتْهُمَا، وَقَالَتْ: هُمَا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ»

ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اس کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو کڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ”کیا ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟“ وہ کہنے لگی۔ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عوض قیامت کے دن دو آگ کے کنگن پہنائے؟“ . . . اس عورت نے وہ دونوں کڑے آپ کے آگے ڈال دیئے اور کہا یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں۔

اس حدیث کو ابو داؤد اور نسائی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا۔

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ انہوں نے سونے کے پازیب پہنے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگیں:

«يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «مَا بَلَغَ أَنْ يُزَكَّى فَرُكَّتِي فَلَيْسَ بِكَنْزٍ».

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا یہ کنز (خزانہ) کے حکم میں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر یہ کنز کے حکم میں نہ رہیں گے۔

اس حدیث کو ابو داؤد اور دار قطنی نے روایت کیا اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ نہیں کہا کہ زیور میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”زیور میں زکوٰۃ نہیں“ تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کا اصل سے یا احادیث صحیحہ سے معارضہ کرنا جائز نہیں۔

میری بیوی کے پاس سونا ہے، جسے وہ پہنتی ہے۔ کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟

سوال: میری بیوی کے پاس سونا ہے جسے وہ پہنتی ہے اور وہ حد نصاب کو پہنچتا ہے تو کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟ اور کیا زکوٰۃ کی ادائیگی میرے ذمہ ہے یا میری بیوی کے؟ اور کیا زکوٰۃ اس سونے سے نکالی جائے یا اس کے برابر نقد قیمت سے ادا ہو جائے گی؟

ابراہیم۔ ۱۔ الریاض

جواب: سونے اور چاندی کے زیور میں زکوٰۃ واجب ہے جبکہ وہ نصاب کے وزن کو پہنچ جائے اور وہ سونے کے لیے ۲۰ مثقال اور چاندی کے لیے ۱۳۰ مثقال ہے۔ موجودہ صورت میں سونے کے

نصاب کی مقدار ۱۱۳ گنی ہے۔ لہذا جب سونے کا زیور اتنی مقدار کو پہنچ جائے یا اس سے بڑھ جائے تو اس سلسلے میں علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ یہ زیور پہننے کے لیے ہو۔

اور چاندی کے نصاب کی مقدار سعودی ریالوں میں ۵۶ ریال ہے۔ لہذا جب چاندی کا زیور اس مقدار تک پہنچ جائے یا اس سے بڑھ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ سونے، چاندی اور سامان تجارت میں زکوٰۃ ربع عشر ہے جو کہ ایک سو میں ڈھائی اور ہزار میں پچیس بنتی ہے۔ اسی طرح اس مقدار سے زیادہ کا حساب کیا جاسکتا ہے۔

زکوٰۃ زیور کی مالک کے ذمہ ہے۔ اگر اس کی اجازت سے اس کا خاندان یا کوئی دوسرا آدمی ادا کر دے تو بھی کوئی حرج نہیں اور زکوٰۃ اسی زیور سے نکالنا ضروری نہیں بلکہ سونے یا چاندی کا موجودہ نرخ شمار کر کے اس کی قیمت کے برابر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ جبکہ اس پر پورا سال گزر چکا ہو۔

کیا سونے کا قلم استعمال کرنا جائز ہے اور کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : مجھے سونے کے قلم تحفہ میں ملے ہیں۔ ان کے استعمال کا کیا حکم ہے اور کیا ان قلموں پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ مجھے مستفید فرمائیے اللہ آپ کو مستفید فرمائے۔

ایک سائل

جواب : صحیح تر بات یہ ہے کہ ان کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک میں عموم ہے :

«أَحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِلنَّاتِ لِأُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلَيَّ ذُكُورِهِمْ»

سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں پر حرام کئے گئے ہیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کے متعلق فرمایا :

«هَذَا حِلٌّ لِلنَّاتِ لِأُمَّتِي، حَرَامٌ عَلَيَّ ذُكُورِهِمْ»

یہ دو چیزیں میری امت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں پر حرام ہیں۔

رہا ان کی زکوٰۃ کا مسئلہ، تو جب یہ قلمیں بذاتہ حد نصاب کو پہنچ جائیں، یا مالک کے پاس اگر اور سونا ہے تو اس کے ساتھ مل کر حد نصاب پورا کر دیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ بشرطیکہ ان پر سال گزر چکا ہو۔ اسی طرح اگر اس کے پاس چاندی یا دوسرا سامان تجارت ہے اور یہ سب چیزیں مل کر حد نصاب کو پورا کر دیتی ہیں تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ سونا اور چاندی ایک ہی چیز کی طرح ہیں۔ اسی طرح اگر چاندی کی نقدی وغیرہ ہو جو نصاب کو مکمل کر دے تو

اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایک شخص ہر طرح کے سکے اکٹھے کرنے کا شوق رکھتا ہے۔ کیا ان میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : ایک شخص عربی اور غیر عربی ہر طرح کے سکے، محض شوق کے طور پر جمع کرتا ہے ان میں سے کچھ قیمتی ہیں اور کچھ دوسرے بھی۔ کیا سال گزر جانے پر ان میں زکوٰۃ ہے؟

حسین - ۱ - ع - الریاض

جواب : جب ان کی قیمت حد نصاب کو پہنچ جائے اور ان پر سال گزر جائے تو ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے۔ کیونکہ کتاب و سنت کے دلائل میں عموم ہے اور یہ سکے یا پیسے نقدی کے حکم میں ہیں جو کہ چاندی کے سکوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

ایک شخص اپنے بیٹے کی شادی کے لیے رقم جمع کر رہا ہے

کیا اس مال میں اس پر زکوٰۃ ہے؟

سوال : ایک شخص چند سالوں سے اپنے بیٹے کی شادی کے لیے رقم جمع کر رہا ہے کیا اس کے اس مال میں زکوٰۃ ہے؟ یہ خیال رہے کہ اس سے اس کا اردہ محض اپنے بیٹے کی شادی کرنا ہے؟

ف - ع - ع

جواب : اس پر لازم ہے کہ جو کچھ نقدی اس نے جمع کی ہے، اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ جس پر کہ سال کا عرصہ گزر چکا ہو۔ اگرچہ اس رقم سے اس کی نیت اپنے بیٹے کی شادی کرنا ہو۔ کیونکہ جب تک یہ رقم اس کے پاس ہے اس کی ملکیت ہے۔ لہذا ہر سال اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے تا آنکہ یہ رقم شادی میں خرچ ہو جائے۔ اس لیے کہ کتاب و سنت کے دلائل میں عموم ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔

میں نے شادی کے لیے مال جمع کیا ہے جو عنقریب خرچ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : میں اس وقت حکومت کے ایک محکمہ میں ملازم ہوں اور تقریباً چار ہزار ریال ماہوار تنخواہ پاتا ہوں اور سال بھر میں میں نے سترہ ہزار ریال جمع کئے ہیں جو اس وقت تک کے چالوکھاتہ میں ہیں۔ میں انشاء اللہ انہیں شوال کے مہینہ میں خرچ کر دوں گا جب میں شادی کروں گا اور تقریباً اس سے دینی رقم قرضہ کے طور پر لوں گا تا کہ میں شادی کے اخراجات پورے کر سکوں۔

میرا سوال یہ ہے کہ آیا ان سترہ ہزار ریال میں زکوٰۃ ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ ان پر تقریباً سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور اگر زکوٰۃ واجب ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟

فوزی - ح - ۱ - پیشہ

جواب : اس مذکورہ رقم پر جب سال کا عرصہ گزر چکا تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ خواہ رقم شادی کے لیے محفوظ کی گئی ہو یا قرض کی ادائیگی کے لیے یا مکان کی تعمیر کے لیے یا ایسی ہی کسی دوسری غرض کے لیے ہو۔ کیونکہ نفوذ اور جو کچھ ان کے قائم مقام ہو، میں زکوٰۃ کے وجوب پر دلالت کرنے والے دلائل میں عموم ہے۔ شرح زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے جو ہر ایک ہزار میں پچیس ریال بنتی ہے۔

کیا شادی یا مکان کی تعمیر کے لیے جمع کئے ہوئے مال پر زکوٰۃ واجب ہے؟

سوال : میں اپنی ماہوار تنخواہ سے رقم جمع کر رہا ہوں۔ کیا اس مال میں مجھ پر زکوٰۃ ہے؟ یہ خیال رہے کہ یہ رقم میں اپنے مکان کی تعمیر کے لیے جمع کر رہا ہوں اور اسی طرح اپنی شادی میں مہر کی ادائیگی کے لیے جمع کر رہا ہوں، جو انشاء اللہ جلد ہونے والی ہے۔

چند سالوں سے میں یہ رقم ایک بنک میں جمع کر رہا ہوں کیونکہ مجھے کوئی ایسی جگہ نہ مل سکی جہاں میں رقم جمع کروں۔ بنک میرے حساب میں کچھ رقم شامل کر دیتا ہے جو مجھ سے مخصوص نہیں اور اس رقم کو فائدہ کا نام دیا جاتا ہے (جو کہ سود ہوتا ہے) بالآخر میں نے بنک میں جمع کرائی ہوئی اپنی رقم نکالوائی اور یہ فائدہ نہیں لیا۔ اسے بنک والوں کے ہاں ہی چھوڑ دیا جو آج تک میرے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ کیا میں اسے صدقہ کر سکتا ہوں، یا اسے بنک کے لیے چھوڑ دوں، یا اس کا میں کیا کروں اور کیا میں اسے ایسے خاندان کو دے سکتا ہوں جو مال کے لیے سخت محتاج ہیں کیونکہ ان کا کمانے والا کوئی نہیں یا کسی جمعیت خیرہ کو دے دوں؟ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے فضل میں اضافہ فرمائے۔

محمد - ع - ع - جدہ

جواب : جمع شدہ مال شادی کے لیے ہو، مکان کی تعمیر کے لیے یا کسی دوسری غرض کے لیے، جب وہ حد نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال کا عرصہ گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، خواہ یہ سونا ہو یا چاندی یا کرنسی نوٹ ہوں۔ کیونکہ وجوب زکوٰۃ پر دلالت کرنے والے دلائل میں عموم ہے۔ لہذا بلا استثناء جو چیز بھی حد نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سودی بنکوں میں مال رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس میں اٹم و عدوان پر اعانت ہے اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو جائز ہے لیکن اس کا فائدہ نہیں لینا چاہئے۔ رہا وہ فائدہ جو آج تک بنک میں آپ کے نام لکھا موجود ہے جس کے لیے آپ کی طرف سے کوئی شرط نہ تھی، راجح تر بات یہی ہے کہ اس کو آپ لے



کرنیکی کے کاموں میں خرچ کر دیں۔ جیسے فقراء اور محتاجوں کو دے دیں یا پانی کی سبیلیں اور ایسے ہی دوسرے کاموں میں جو مسلمانوں کے لیے نافع ہوں۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ آپ وہ رقم بک والوں کے پاس چھوڑ دیں، جو اسے برائی کے کاموں اور کفریہ اعمال میں صرف کریں۔ آپ نے بک سے اپنی رقم نکلو کر اچھا کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی ہدایت اور توفیق میں اضافہ کرے۔

### گھروں اور بسوں میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال : ایک شخص کے پاس دکانیں اور ٹیکسیاں ہیں۔ جن کی آمدنی وہ اپنے بال بچوں پر خرچ کر دیتا ہے اور سال بھر میں کچھ بھی بچا نہیں سکتا۔ کیا اس مال میں اس پر زکوٰۃ ہے اور ٹیکسیوں اور دکانوں میں کب زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس کی مقدار کیا ہوگی؟

عبداللہ - ع

جواب : جب یہ دکانیں اور ٹیکسیاں کمائی کا ذریعہ ہوں اور ان کے کرائے سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ مگر جب یہ چیزیں یا ان میں سے کچھ تجارت کے لیے ہوں تو آپ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ یہ زکوٰۃ تجارتی قیمت پر ہوگی جبکہ اس پر سال کا عرصہ گزر جائے۔ یہی صورت ان غیر منقولہ جائیدادوں کے کرایوں کی ہے جو تجارت کے لیے ہوں، جبکہ ان پر سال کا عرصہ گزر جائے اور اگر آپ اس آمدنی کو سال پورا ہونے سے پیشتر گھر کی ضروریات پر یا نیکی کے کاموں پر یا دوسری ضروریات پر خرچ کر ڈالیں تو پھر آپ پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ اس بارے میں جو آیات و احادیث سے دلائل وارد ہیں، ان میں عموم ہے۔

ایک شخص کا اپنے شہر میں مکان ہے جسے کرایہ پر دے رکھا ہے اور جہاں وہ کام کرتا ہے وہاں اس نے مکان کرایہ پر لیا ہوا ہے۔ کیا وہ اپنے مکان کے کرایہ کی زکوٰۃ ادا کرے؟

سوال : ایک شخص کا کسی شہر میں اپنا مکان ہے۔ وہ اس میں رہتا نہیں بلکہ اسے کرایہ پر چڑھایا ہوا ہے اور جہاں وہ رہتا ہے وہاں اس نے مکان کرایہ پر لیا ہوا ہے۔ جس کا کرایہ اس کے اپنے ملکیتی مکان سے کم ہے تو کیا اس کے ملکیتی مکان پر زکوٰۃ ہوگی؟

قاریہ

جواب : اس کے اپنے ملکیتی مکان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ اس نے اسے فروخت کرنے کے لیے نہیں بنایا لیکن اس مکان کے کرایہ پر زکوٰۃ ہوگی جبکہ اس پر سال گزر جائے اور اس سے پیشتر اس نے اسے خرچ نہ کیا ہو۔

## کیا گھروں کے کرایوں میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : ایک آدمی کے پاس بہت سے مکان ہیں۔ جنہیں اس نے کرایہ پر دیا ہوا ہے اور وہ ان سے سال بھر میں بہت سا مال اکٹھا کر لیتا ہے۔ کیا اس مال پر زکوٰۃ ہے اور وہ کب واجب ہوگی اور اس کی ادائیگی کی مقدار کیا ہوگی؟

محسن - م - ح - سلطنت عمان

جواب : جب مکان یا دکان کے کرایہ یا ان کے علاوہ دوسری نقد پر سال بھر کا عرصہ گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ حد نصاب کو پہنچتا ہو اور کرایہ پر دینے والا شخص سال گزرنے سے پہلے جو کچھ اپنی ضروریات میں خرچ کر ڈالے اس میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

ایسے اموال میں مسلمانوں کے اجماع کے مطابق شرح زکوٰۃ ربع عشر یعنی چالیسواں حصہ ہے اور سونے کا نصاب ۲۰ مثقال ہے اور اس کی مقدار سعودی افرنگی گنی کے حساب سے ۳۱۱ گنی ہے۔ اور چاندی کا نصاب ۱۴۰ مثقال ہے اور اس کی مقدار رریالوں کے حساب سے ۵۶ سعودی ریال ہے۔

میں نے مکان بنانے کے لیے زمین خریدی۔ پھر اسے بیچ ڈالا۔ کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : میرے پاس زمین کا ایک قطعہ ہے۔ جسے میں نے مکان بنانے کی غرض سے خریدا تھا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے اسے بیچنے کی ضرورت پڑ گئی۔ کیا مجھ پر اس مدت کے لیے زکوٰۃ ہے جس میں میں نے اس قطعہ کو فروخت کے لیے پیش نہیں کیا؟

سعید - ع - ا - الجبوة

جواب : جو کچھ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے اگر یہ درست ہے تو آپ پر اس مدت کے لیے کوئی زکوٰۃ نہیں، جو بیع سے پہلے گزری ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تقاضا کرنے والی عدت مفقود تھی اور وہ بیع کا قصد جبکہ آپ بیع کا قصد نہیں رکھتے تھے۔

میرا ایک زمین کا ٹکڑا ہے جس پر میں نہ تعمیر کی طاقت رکھتا ہوں نہ اس سے استفادہ کر سکتا ہوں۔ تو کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : اگر کسی کے پاس ایک قطعہ زمین ہو اور وہ اس پر مکان تعمیر کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، نہ ہی اس سے استفادہ کر سکتا ہو تو کیا اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جواب : جب یہ قطعہ بیع کے لیے رکھا ہوا ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے اور اگر بیع کے لیے نہ

ہو یا اس میں تردد ہو اور کوئی بات طے شدہ نہ ہو یا وہ کراہیہ پر دینے کے لیے ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں جیسا کہ اہل علم کی اس بارے میں صراحت ہے۔ چنانچہ ابو داؤد رحمہ اللہ نے سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ :

« أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِمَّا نَعُدُّهُ لِلْبَيْعِ »

ہم ہر اس مال سے زکوٰۃ نکالیں، جسے ہم فروختی مال شمار کرتے تھے۔

ماہوار تنخواہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال : میں ملازم ہوں اور میری تنخواہ تین ہزار ریال ہے۔ کیا مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس کی مقدار کیا ہوگی جبکہ میں اس سے تھوڑی سی رقم یعنی چھ سو ریال خرچ کرتا ہوں۔

ابراہیم۔ س۔ منطقہ الجنوب

جواب : جب اس تنخواہ کی رقم پر سال کا عرصہ گزر جائے اور وہ حد نصاب کو پہنچ جائے تو آپ پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر اس سے کم رہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ایسے مال کی زکوٰۃ کیسے نکالی جائے جو وقفوں سے جمع ہوئی ہو؟

سوال : اگر کوئی شخص مال کا ایک حصہ ایک وقت جمع کرے پھر کچھ مدت بعد اس کا دوسرا حصہ جمع کرے تو اس طرح جمع شدہ مال کی زکوٰۃ کیسے نکالے؟

مریم۔ م۔ الریاض

جواب : جب نقدی وغیرہ یا سامان تجارت پر سال کا عرصہ گزر جائے اور وہ حد نصاب کو پہنچ جائے تو اس کی زکوٰۃ نکالے۔ اسی طرح جس مال (یعنی کل مال کے جس حصہ پر) سال گزر جائے، اس کی زکوٰۃ نکالتا جائے۔ اگر وہ کل مال کی زکوٰۃ ادا کر دے جبکہ سال صرف مال کے پہلے حصہ پر ہی گزرا ہو، تو بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ سال گزرنے سے پیشتر زکوٰۃ ادا کر دینا جائز ہے۔ مثلاً وہ رمضان ۱۴۰۳ھ میں دس ہزار کا مالک تھا۔ پھر ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ میں مزید دس ہزار کا مالک ہو گیا تو وہ پہلے دس ہزار کی زکوٰۃ رمضان ۱۴۰۳ھ میں ادا کرے گا اور دوسرے دس ہزار کی ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ میں۔ اب اگر وہ پورے بیس ہزار کی زکوٰۃ رمضان ۱۴۰۴ھ میں ادا کر دے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے دوسرے دس ہزار کی زکوٰۃ، زکوٰۃ کے واجب ہونے سے پہلے نکال دی۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

میرے پاس کچھ رقم ہے جو کسی نے مسجد کے لیے تبرعاً دی تھی

یہ رقم میرے پاس سال بھر رہی۔ کیا اس میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : میرے پاس کچھ رقم ہے جو اہل خیر نے مسجد کی تعمیر کے لیے دی تھی۔ یہ رقم سال سے

زیادہ عرصہ میرے پاس رہی۔ کیا اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سعید-ع-۱-الجوة

جواب : اس مال میں مطلقاً زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ اہل خیر نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے۔ آپ پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ آپ جلد از جلد اسے اس کے مصرف میں لائیں۔

کچھ لوگوں نے باہمی تعاون کے لئے آپس میں کچھ رقم اکٹھی کی۔  
کیا اس رقم میں زکوٰۃ ہے؟

سوال : ایک جماعت کے ہر فرد نے کچھ مال ادا کیا اور اس غرض سے مال اکٹھا کیا کہ اس سے استفادہ کیا جائے۔ اگر کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے (اللہ ایسا نہ کرے) یا عام حالات میں کسی کو ضرورت پیش آجائے تو اس مال سے استفادہ کیا جاسکے۔ اس رقم پر سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ کیا اس مال پر زکوٰۃ ہے؟

جواب : یہ اور اس سے ملتے جلتے اموال جو لوگوں نے مصالح عامہ کے لیے اور آپس میں بھلائی پر تعاون کے لیے تبرعاً دیئے ہوں، ان میں زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ یہ اموال اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مالکوں کی ملکیت سے نکل چکے ہیں اور ان کے منافع میں ان کے اغنیاء اور فقراء سب مشترک ہیں کہ ان سے پیش آنے والے حوادث کا علاج ہو سکے۔ گویا اب وہ ان مالکوں کی ملکیت سے خارج سمجھے جائیں گے اور یہ مجموعی صدقات کے حکم میں ہیں جو اسی غرض اور مقصد میں خرچ کئے جائیں گے جس کے لیے یہ جمع کئے گئے ہیں۔

ہم نے ایک تعاونی صندوق بنایا ہے۔ کیا اس میں موجود رقم پر زکوٰۃ ہے؟

سوال : ہمارے ہاں جامعہ ملک سعود میں طلبہ کے لیے ایک صندوق ہے۔ جو مالی تعاون کے لیے رکھا گیا ہے۔ یہ فنڈ جامعہ سے پورا کیا جاتا ہے اور اس کا تھوڑا سا حصہ بالاقساط طلباء سے لیا جاتا ہے اور اس صندوق کی رقم سے حاجت مند طلباء کی اعانت کی جاتی ہے۔ کیا اس صندوق میں موجود رقم پر زکوٰۃ ہے؟

جواب : مذکورہ صندوق کے مال اور اسی سے ملتے جلتے دوسرے اموال میں زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ وہ ایسا مال ہے جس کا کوئی مالک نہیں بلکہ وہ بھلائی کے کاموں کے لیے تمام وقف کردہ اموال کی طرح تیار کیا گیا ہے۔

ایک شخص کے پاس چاندی کے سو عربی ریال ہیں جس کی اس نے عرصہ بیس سال

سے زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ وہ کیا کرے؟

سوال : ایک شخص کے پاس چاندی کے ایک سو عربی ریال موجود ہیں۔ یہ وہ سکے ہیں جو ملک عبدالعزیز کے عہد میں رائج تھے۔ ان سکوں کی تقریباً عرصہ بیس سال یا اس سے زیادہ مدت سے زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی۔ کیا ان ریالوں میں زکوٰۃ واجب ہے؟ اور اس کی مقدار کیا ہوگی؟ کیا موجودہ کرنسی نوٹوں سے ان کی قیمت لگا کر نوٹوں میں ان کی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

ابواحمد

جواب : گزشتہ مدت کی زکوٰۃ اس پر لازم ہے۔ خواہ وہ ان چاندی کے ریالوں سے ہی ادا کرے اور چاہے تو ان کی قیمت نکال کر کرنسی نوٹوں سے ادا کرے۔

مصارف زکوٰۃ

مسکین کون ہے جسے زکوٰۃ دینا چاہئے؟ نیز مسکین اور فقیر میں کیا فرق ہے؟

سوال : مسکین کی کیا تعریف ہے، جسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہو؟ نیز مسکین اور فقیر میں کیا فرق ہے؟

محمد۔ ع۔ ۱

جواب : مسکین وہ فقیر ہے جو اپنے اخراجات پورے نہ کر سکتا ہو اور فقیر اس سے زیادہ حاجت مند کو کہتے ہیں اور یہ دونوں اہل زکوٰۃ کی اقسام ہیں۔ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے :

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا ﴾

صدقات (زکوٰۃ و خیرات) تو فقراء، مسکین اور اس پر کام کرنے والوں کے لیے ہے۔

(التوبہ : ۶۰)

اور جس شخص کی آمدنی اتنی ہو کہ اس کے کھانے، پینے، پوشاک اور رہائش کو کافی ہو، خواہ یہ وقف سے ہو یا کمائی سے ہو یا وظیفہ یا اسی طرح کا کوئی اور آمدنی کا ذریعہ ہو تو اسے نہ فقیر کہا جاسکتا ہے اور نہ مسکین۔ ایسے شخص کو زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔

## رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کے متعلق حکم

سوال : کیا ایک بھائی کا دوسرے محتاج بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ جو عیال دار ہے اور کام تو کرتا ہے لیکن اس کی آمدنی کفایت نہیں کرتی؟

اسی طرح فقیر چچا کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟  
اسی طرح عورت اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے بھائی یا چچا یا بہن کو دے سکتی ہے؟

عبداللطیف۔ ز  
جواب : اگر کوئی مرد یا عورت اپنی زکوٰۃ اپنے فقیر بھائی یا فقیر بہن یا فقیر چچا یا فقیر پھوپھی اور باقی فقیر رشتہ داروں کو ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دلائل میں عموم پایا جاتا ہے۔ بلکہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ ادا کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الصَّدَقَةُ فِي الْمَسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَفِي ذِي الرَّحِمِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ »

مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے جبکہ اولوالارحام کو صدقہ دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

ما سوائے والدین کے، کہ انہیں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ خواہ کتنے اوپر تک چلے جائیں اور اولاد کے، خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں خواہ وہ کتنا نیچے تک چلے جائیں، انہیں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی اگرچہ وہ فقیر ہوں۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ اپنے مال سے ان پر خرچ کرے جبکہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہو اور اس کے سوا کوئی موجود نہ ہو جو ان پر خرچ کر کے ان کی گزر اوقات کا ذریعہ بنے۔

کیا میں اپنے مال کی زکوٰۃ سے اپنی والدہ اور اپنے بھائی کو دے سکتا ہوں؟

سوال : میرے پاس اتنا مال ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اس رقم میں ایک قسم وہ ہے جو مجھ پر قرض ہے جو میں نے موسیٰ عامہ سے جو بلا سود پیشگی قرضے دیتا ہے، لیا تھا۔ اس قرضہ پر اور باقی رقم پر سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ تو کیا اس رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی جو میرے ذمہ قرضہ ہے؟

کیا میں اس مال سے اپنی والدہ کو کچھ رقم دے سکتا ہوں۔ اس خیال سے کہ وہ زکوٰۃ ہے؟ یہ بات ملحوظ رہے کہ میرا والد اس پر خرچ کرتا ہے اور الحمد للہ اس کی حالت ٹھیک ٹھاک ہے۔ اسی طرح میرا ایک بھائی ہے جو کام کرنے پر قادر ہے لیکن ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی اور وہ (اللہ سے ہدایت دے) اکثر نمازوں کی محافظت نہیں کرتا۔ کیا میں اسے زکوٰۃ میں سے کچھ دے سکتا ہوں؟ مجھے مستفید فرمائیے۔  
اللہ آپ کا تمہبان ہو۔

خالد۔ ن۔ ظہران الجنوب

جواب : جو رقم آپ کے پاس موجود ہے، اس پوری رقم کی زکوٰۃ نکالنا آپ پر واجب ہے جبکہ اس پر سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور علماء کے دو اقوال سے میں صحیح تر قول کے مطابق موسیٰ کا قرضہ اس ادائیگی میں مانع نہیں۔

لیکن اگر آپ موسیٰ کا قرضہ سال پورا ہونے سے پیشتر ادا کر دیتے ہیں تو جو کچھ قرضہ کی ادائیگی میں صرف ہو جاتا اس پر زکوٰۃ نہ ہوتی۔ زکوٰۃ صرف اس مال پر ہوتی جو سال گزرنے پر قرضہ کی ادائیگی کے بعد باقی رہ جاتا اور وہ نصاب کی حد کو پہنچتا۔

چاندی کا کم سے کم نصاب اور جو کچھ سعودی عرب کی موجودہ کرنسی کے حساب سے بنتا ہے وہ ۵۶ ریال ہے۔

آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ آپ زکوٰۃ میں سے اپنی والدہ کو کچھ دیں۔ کیونکہ والدین میں سے کسی کو بھی زکوٰۃ نہیں لگتی۔ علاوہ ازیں وہ غنی ہے۔ جس پر آپ کا والد خرچ کرتا ہے۔

رہا تمہارا بھائی! تو جب تک وہ تارک نماز ہے، زکوٰۃ اسے بھی نہیں لگ سکتی۔ کیونکہ نماز ارکان اسلام میں شہادتین کے بعد سب سے بڑا رکن ہے۔ اس لیے بھی کہ نماز کو عدا چھوڑنا کفر اکبر ہے اور اس لیے بھی زکوٰۃ اسے نہیں لگ سکتی کہ وہ طاقتور اور کمانے کے قابل ہے اور اگر اس پر کچھ خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو اس کا باپ اس کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ خرچ اخراجات کے پہلو سے وہی جواب دہ ہے۔ جب تک کہ وہ اس کی طاقت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے اور حق کی راہ دکھلائے اور اپنے نفس، شیطان اور برے دوستوں کے شر سے پناہ میں رکھے۔

میں ملازم ہوں، تنخواہ پاتا ہوں۔ میں نے سنا کہ ایک تاجر صدقہ تقسیم کرتا ہے۔ میں اس میں ملتا ہوں، کیا وہ مال میرے لیے جائز ہے؟

سوال : میں ملازم ہوں اور مجھے تقریباً تین ہزار ریال ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ کسی تقریب کے موقع پر میں نے سنا کہ ایک تاجر صدقہ تقسیم کرتا ہے۔ میں اس کے ہاں گیا تو اس نے مجھے بھی کچھ رقم دے دی۔ کیا یہ مال میرے لیے حلال ہے؟

ق-م-س-الریاض

جواب : اگر آپ کی تنخواہ سے آپ کی اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات پوری نہ ہو سکتی ہوں اور خرچ معمول کے مطابق ہو، جس میں اسراف و تبذیر نہ ہو تو آپ کے لیے زکوٰۃ حلال ہے، ورنہ

نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی دین کی سمجھ عطا فرمائے اور اپنے فضل سے آپ کو بے نیاز کرے۔

کیا وکیل فقیر اپنے موکل کے صدقہ سے کچھ لے سکتا ہے؟

سوال : میں فقیر ہوں اور ایک غنی کے ہاں کام کرتا ہوں۔ اس نے میری امانت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مجھ پر اعتماد کیا اور اپنے مال کی زکوٰۃ سے ایک کثیر رقم مجھے دی تا کہ جہاں ہم لوگ رہتے ہیں وہاں کے فقراء میں اس رقم کو بانٹ دوں۔ میں نے اپنے آپ کو ہی اس رقم کے لیے محتاج دیکھا اور اپنے پاس ہی رکھ لی۔ کیا اس میں مجھ پر گناہ ہے؟ یہ خیال رہے کہ میں فقیر اور اس رقم کا محتاج ہوں۔ جبکہ یہ غنی اس منطقہ کے فقیروں کو اپنے مال سے بہت کچھ دیتا رہتا ہے۔

جواب : آپ کا یہ کام جائز نہیں، بلکہ یہ خیانت ہے۔ آپ پر واجب ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور مال کا تادان ادا کریں اور اسے زکوٰۃ کے مستحق مسلمان فقراء میں اس آدمی کی جانب سے ادا کریں جس نے آپ کو وکیل بنایا تھا۔ جب تم یہ کام کر چکو تو پھر آپ کو چاہئے کہ اسے اطلاع دیں اور اسے کہیں کہ میں فقیر ہوں۔ اپنی زکوٰۃ سے میری بھی مدد کرو۔

کیا زکوٰۃ کا مال ایک فقیر کو دینا افضل ہے یا زیادہ لوگوں کو؟

سوال : جب انسان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے اور وہ تھوڑی سی ہو مثلاً جیسے دو سو ریال تو کیا اسے ایک ہی محتاج خاندان کو دینا افضل ہے یا کئی ایک متفرق محتاج خاندانوں کو؟ مجھے مستفید فرمائیے۔ جزاکم اللہ خیرا

قاریہ

جواب : زکوٰۃ اگر تھوڑی ہو تو ایک ہی محتاج خاندان کو دے دینا اولیٰ اور افضل ہے۔ کیونکہ زیادہ خاندانوں میں بانٹنے سے اس کا نفع کم رہ جائے گا۔

کیا خاوند کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے مال سے بیوی کے مال کی زکوٰۃ ادا کرے؟

سوال : کیا یہ جائز ہے کہ میرا خاوند میرے مال کی زکوٰۃ اپنے پاس سے ادا کرے۔ یہ ملحوظ رہے کہ اسی نے مجھے وہ مال دیا ہے۔ . . . اور کیا یہ جائز ہے کہ میں زکوٰۃ اپنے بھتیجے کو دوں جو نوجوان ہے اور شادی کی فکر میں ہے۔ . . .؟ مجھے مستفید فرمائیے۔

ف۔ م۔ ا۔ ا۔ الریاض

جواب : تمہارے مال میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ حد نصاب کو پہنچ جائے یا اس سے



زیادہ ہو۔ خواہ یہ مال سونا ہو یا چاندی۔ یا اموال زکوٰۃ میں سے کوئی دوسرا مال ہو جب تمہارے کہنے پر تمہارا خاوند تمہاری طرف سے زکوٰۃ ادا کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور آپ زکوٰۃ شادی کے اخراجات میں امداد کے طور پر اپنے بھتیجے کو دے سکتے ہیں جبکہ وہ اپنی محنت سے اخراجات پورے کرنے سے عاجز ہو . . . اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے، جو اسے پسند ہے۔

وکیل اس شرط کا پابند ہوتا ہے جو موکل لگائے  
بشرطیکہ وہ شرط شریعت مطہرہ کے موافق ہو

سوال : میرے ایک بھائی نے مجھے زکوٰۃ کا مال دیا اور کہا کہ میں یہ مال سوڈان کے لوگوں کو پہنچا دوں، بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کے قولا اور عملاً پابند ہوں۔ ان کا میرے ساتھ کوئی قریبی رشتہ نہ ہو اور یہ کہ وہ محتاج اور زکوٰۃ کے مستحق ہوں۔

اور میرے ہاں ایسے لوگ ہیں جو قریبی اور جانے پہچانے ہیں لیکن ان میں یہ تمام شرطیں پوری نہیں پائی جاتیں اور رقم بدستور میرے قبضہ میں ہے . . . مجھے مطلع فرمائیے کہ میں اس کا کیا کروں؟ کیا اسے دینے والے کو واپس لوٹا دوں یا جن لوگوں کو میں مستحق دیکھوں، ان میں بانٹ دوں، خواہ یہ شرائط پوری نہ ہو سکیں۔

محمد-۱-ع-عنبرہ

جواب : جس شخص نے آپ کو وکیل بنایا ہے، آپ کو چاہئے کہ اسی کی ہدایت کے مطابق زکوٰۃ کا مال ان لوگوں کو ادا کریں اور اگر ان میں وہ صفات پوری طرح نہ پائی جائیں، تو مال موکل کو واپس کر دیجئے۔ تا کہ جسے وہ مستحق سمجھے خود اس پر صرف کرے۔ جس مصرف میں صاحب مال نے وصیت کی ہے اس کے علاوہ آپ اسے دوسرے مصرف میں نہیں لاسکتے۔ کیونکہ وکیل اس شرط کا پابند ہوتا ہے، جو موکل نے لگائی ہو۔ بشرطیکہ وہ شرط شریعت مطہرہ کے موافق ہو۔

ایک شخص نے مسجد کی ایک معینہ جہت کی تعمیر کے لیے مال دیا۔ کیا اس مال کو مسجد کے کسی دوسرے کام میں صرف کیا جاسکتا ہے؟

سوال : ایک شخص نے مسجد کی کمیٹی کو کچھ مال دیا اور کہا کہ مثلاً اس مال سے طہارت خانے بنائے جائیں لیکن بعد میں کمیٹی کی کثرت رائے یہ ہو گئی کہ وہ یہ رقم کسی دوسرے کام میں استعمال کر لے،

جس کو صاحب مال نے مخصص نہیں کیا تھا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

خالد-ح-الریاض

جواب : بہتر اور محتاط صورت تو یہی ہے کہ رقم دینے والے نے جس خاص کام کے لیے رقم دی ہے، اسی کام میں خرچ ہو جبکہ وہ کام مشروع ہو۔ جیسا کہ طہارت خانے اور وضو کرنے کی جگہیں یا کوئی اور مباح کام ہو۔ لیکن اگر تعمیر مسجد کمیٹی یہ دیکھے کہ اس کام سے مسجد کی تعمیر زیادہ ضروری ہے اور وہ اس میں خرچ کر دے تو اس میں بھی انشاء اللہ کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ نفع کے لحاظ سے تعمیر مسجد کا کام بہر حال مسجد کے ارد گرد وضو کی جگہیں بنانے سے افضل و اعظم ہے اور یہاں یہی بات ہے۔ کیونکہ مسجد کی تعمیر ہی مقصود اول ہے اور طہارت خانوں کی تعمیر تو نمازیوں کی کثرت اور نماز کی ادائیگی کی سہولت کی خاطر وسائل و اعانت کے باب سے ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## روزہ رکھنا اور چھوڑنا اقامت والے شہر کے تابع ہوگا

سوال : میں مشرقی ایشیا سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہمارے ہاں ہجری مہینہ سعودی عرب کی مملکت سے ایک دن بعد ہوتا ہے اور ہم طالب علم اس سال رمضان کے مہینہ میں اپنے وطن کو سفر کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : ”چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر ہی ختم کرو“ . . . تا آخر حدیث۔

اور ہم نے مملکت سعودیہ میں روزے شروع کئے۔ پھر ہم ماہ رمضان میں اپنے ملک کو جائیں گے اور یہ ممکن ہے کہ ہم رمضان کے آخر تک اکتیس دن روزے رکھیں۔

میرا سوال یہ ہے کہ ہمارے روزوں کے متعلق کیا حکم ہے اور ہم کتنے دن روزے رکھیں؟

ابوبکر۔ م۔ ج

جواب : آپ سعودی عرب میں یا کسی اور جگہ روزے رکھیں۔ پھر باقی ماہ کے روزے اپنے ملک میں رکھیں تو جب وہاں کے لوگ روزے چھوڑیں تب آپ بھی چھوڑیں، خواہ یہ تیس دن سے زیادہ ہو جائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ ، وَالْإِفْطَارُ يَوْمَ تَفْطِرُونَ »

جس دن تم روزے شروع کرو وہ روزہ کا دن ہے اور جس دن روزے چھوڑو وہ افطار کا دن ہے۔ تاہم اگر تم انتیس دن روزے پورے نہ کر سکو تو تمہارے لئے اسیسویں دن کا روزہ ضروری ہے۔ کیونکہ قمری مہینہ ۲۹ دن سے کم کا نہیں ہو سکتا۔

ہم غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ قبل ہوائی جہاز پر سوار ہوئے۔ گھنٹہ گزر گیا لیکن سورج غروب نہ ہوا۔ کیا ہم روزہ چھوڑ دیں یا غروب آفتاب کا انتظار کریں؟

سوال : ہم رمضان کے مہینہ میں مغرب کی اذان سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل باذن اللہ تعالیٰ ریاض سے ہوائی جہاز کے ذریعہ روانہ ہوئے۔ مغرب کی اذان ہونے والی تھی اور ہم سعودیہ کی فضاؤں

میں تھے۔ تو کیا ہم روزہ چھوڑ دیں۔ جب کہ ہم سورج دیکھ رہے تھے جو خاصا بلند تھا اور ہم نضا میں تھے۔ یا ہم روزہ رکھے رہیں اور اپنے ملک جا کر روزہ چھوڑیں یا ہم محض سعودیہ کی اذان کے وقت کے مطابق روزہ چھوڑ سکتے ہیں؟

قاری

جواب : جب طیارہ ریاض سے بلند ہوا اور مثلاً وہ غروب آفتاب سے پہلے مغرب ہی کی طرف روانہ ہوا تو جب تک سورج غروب نہ ہو آپ روزہ رکھے رہیں گے۔ آپ خواہ نضا میں ہوں یا اپنے ملک میں اتریں، سورج غروب ہونے پر ہی آپ روزہ چھوڑیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :  
 « إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَهُنَا، وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ »  
 جب ادھر رات بڑھ آئے اور ادھر سے دن پیچھے ہٹ جائے تو اس وقت روزہ دار روزہ چھوڑے۔  
 اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

جس شخص کو ماہ رمضان ہو جانے کا علم ہی طلوع فجر کے بعد ہو

اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : آپ کی ذات والا سے اس شخص کے بارے میں حکم کے متعلق سوال ہے جسے ماہ رمضان کے ہو جانے کا علم ہی طلوع فجر کے بعد ہو، وہ کیا کرے؟

جواب : جس شخص کو ماہ رمضان کے ہو جانے کا علم ہی طلوع فجر کے بعد ہو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ باقی دن ان چیزوں سے پرہیز رکھے جو روزہ نہ ہونے کی صورت میں حلال ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ رمضان کا دن ہے اور مقیم کے لئے جائز نہیں کہ وہ مفطرات میں سے کوئی چیز کھائے۔ لیکن اسے اس روزہ کی قضا دینا ہوگی کیونکہ اس نے فجر سے پہلے روزوں کی رات نہیں گزاری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« مَنْ لَمْ يُبَيِّتِ الصِّيَامَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ »

جس نے طلوع فجر سے پہلے روزے (کی نیت نہ کر لی اس کا روزہ نہیں۔

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے معنی میں اس کے موافق نقل کیا ہے اور یہ عام فقہاء کا قول ہے . . . اور اس سے مراد فرضی روزے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے حدیث شریف سے ذکر کیا ہے۔

رہے نقلی روزے، تو وہ دن کے دوران نیت سے بھی جائز ہیں۔ بشرطیکہ مفطرات سے کوئی چیز نہ کھائی ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اس بات کی توفیق دے جو اسے پسند ہو اور ان سے

ان کے روزے اور ان کا قیام قبول فرمائے۔ وہ سننے والا ہے، قریب ہے . . . و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔

میں ہسپتال میں علاج کروا رہا ہوں اور ایسی دوا کھا لیتا ہوں جو شدید بھوک کا سبب بن جاتی ہے۔ کیا میں روزہ چھوڑ دوں یا صبر کیے رہوں؟

سوال : میں اپنی عمر کے سولہویں سال میں ہوں اور تقریباً عرصہ پانچ سال سے اب تک مستثنیٰ ملک فیصل میں خصوصی علاج کرا رہا ہوں۔ پچھلے سال ماہ رمضان میں ڈاکٹر نے حکم دیا کہ میری وریڈ میں کیمیائی علاج دیا جائے اور میں روزہ دار تھا اور یہ علاج بڑا قوی، معدہ اور تمام جسم پر اثر انداز ہونے والا تھا۔ ایک دن جب میں یہ علاج کرا رہا تھا تو مجھے سخت بھوک محسوس ہوئی جبکہ ابھی فجر کو تقریباً سات گھنٹے گزرے تھے۔ عصر کے قریب مجھے اتنی درد ہوئی کہ یوں محسوس ہونے لگا کہ میں مر جاؤں گا، لیکن میں نے مغرب کی اذان تک روزہ نہ چھوڑا . . . اور اس سال ماہ رمضان میں انشاء اللہ ڈاکٹر مجھے یہی علاج دینے کا حکم دے گا۔ کیا اس دن میں روزہ چھوڑ دوں یا نہ چھوڑوں؟ اور اگر میں روزہ نہ چھوڑوں تو کیا اس دن کی قضا مجھے دینا پڑے گی؟ اور کیا وریڈ میں خون لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح اس علاج سے جس کا میں نے ذکر کیا ہے (روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟) مجھے مطلع فرمائیے۔ جزاکم اللہ خیراً

ج۔ ع۔ ا۔ ۱۔ الریاض

جواب : ماہ رمضان میں مریض کے لئے روزہ نہ رکھنا مشروع ہے جب کہ روزہ اسے نقصان دیتا ہو یا اس پر گراں گزرتا ہو یا دن کے وقت اسے علاج کی خاطر گولیاں کھانے یا دوائی پینے کی ضرورت پیش آئے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

« وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ »

اور جو شخص تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔

(البقرہ : ۱۸۵)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتِيَ رُخْصَةً كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتِيَ مَعْصِيَتَهُ »

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں کو قبول کیا جائے۔ جیسے وہ اس بات

کو ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔

اور ایک دوسری روایت میں کہا

«كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ»

(جیسے وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے ضروری (واجبی) احکام پر عمل کیا جائے) کے الفاظ ہیں۔  
 رہی تحلیل یا کسی دوسرے مقصد کے لئے ورید میں خون لینے کی بات، تو صحیح قول یہی ہے کہ اس سے  
 روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن اگر زیادہ خون لینا پڑے تو بہتر یہ ہے کہ اسے رات تک موخر کر دیا جائے۔ اگر دن  
 کو کرے تو پھر محتاط روش یہ ہے کہ اسے حجامت (پچھنے لگوانا) کی مانند قرار دے کر اس کی قضا دے۔

میں ایک مریضہ ہوں۔ میں نے رمضان کے کچھ روزے نہیں رکھے

اور میں ان کی قضا کی طاقت بھی نہیں رکھتی۔ ان کا کفارہ کیا ہے؟

سوال : میں ایک شادی شدہ مریضہ ہوں۔ میں نے گزشتہ رمضان میں بعض روزے چھوڑے  
 ہیں اور اپنے مرض کی وجہ سے ان کی قضا نہیں دے سکتی۔ ان کا کفارہ کیا ہوگا؟ اسی طرح اس سال بھی  
 میں رمضان کے روزہ نہ رکھ سکوں گی۔ ان کا کفارہ کیا ہوگا؟

مریم۔ م۔ الریاض

جواب : ایسا مریض جس پر روزے شاق ہوں اسے روزہ نہ رکھنا مشروع ہے۔ جب اللہ اسے شفا  
 دے اس کی قضا دے دے جو اس کے ذمہ ہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾

اور جو تم میں سے مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کر لے۔ (البقرہ : ۱۸۵)

لہذا اے سالک! آپ پر روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے تنگی نہیں اور اس مہینہ میں بھی جب تک مرض  
 باقی ہے، روزہ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ روزہ چھوڑنا مریض اور مسافر کے لئے اللہ تعالیٰ کی  
 طرف سے رخصت ہے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصتوں کو قبول کیا  
 جائے۔ جیسے اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔

آپ پر کوئی کفارہ نہیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ آپ کو مرض سے نجات دے تو پھر ان کی قضا لازم  
 ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بیماری سے شفا دے اور ہماری اور آپ کی بیماریاں دور کرے۔

اگر رمضان میں دن کے وقت روزہ دار کو احتلام ہو جائے

تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

سوال : جب رمضان میں دن کے وقت روزہ دار کو احتلام ہو جائے تو کیا وہ اس کے روزہ کو  
 باطل کر دے گا یا نہیں؟ اور کیا اس پر جلد غسل واجب ہے؟

عمر۔ م۔ ۱۔ الریاض

جواب : احتلام روزہ کو باطل نہیں کرتا کیونکہ یہ بات روزہ دار کے اختیار میں نہیں ہوتی۔ البتہ اس صورت میں اس پر غسل واجب ہے، جبکہ منی لگی ہوئی دیکھ لے۔  
 اگر اسے نماز فجر کے بعد احتلام ہو اور وہ ظہر کی نماز کے وقت تک غسل کو موخر کر لے تو بھی کوئی حرج نہیں . . . اسی طرح اگر وہ رات کو اپنی بیوی سے صحبت کرے اور طلوع فجر کے بعد غسل کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ جماع سے جنبی حالت میں صبح کرتے پھر نہاتے اور روزہ رکھتے۔

حیض اور نفاس والی عورتوں کی بھی یہی صورت ہے۔ اگر وہ رات کو پاک ہو جائیں اور طلوع فجر کے بعد نہائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور ان کا روزہ صحیح ہوگا . . . لیکن انہیں اور اسی طرح جنبی کو بھی یہ جائز نہیں کہ وہ طلوع آفتاب یا نماز فجر کو موخر کرے۔ بلکہ ان سب پر واجب ہے کہ نہانے میں جلدی کریں تا کہ طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کو اپنے وقت پر ادا کر سکیں۔  
 اور مرد پر لازم ہے کہ جنابت کے غسل سے جلد فارغ ہوتا کہ فجر کی نماز باجماعت ادا کر سکے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا احتلام سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور جب انسان کے جسم سے خون بہ نکلے تو کیا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کیا قے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟

سوال : میں نے روزہ رکھا تھا اور مسجد میں سو گیا۔ جب بیدار ہوا تو معلوم ہوا کہ مجھے احتلام ہوا ہے۔ کیا احتلام روزہ پر اثر انداز ہوتا ہے؟ یہ خیال رہے کہ میں نے غسل نہیں کیا اور نہانے کے بغیر ہی نماز ادا کر لی۔

ایک دفعہ یوں ہوا کہ مجھے سر میں پتھر لگا۔ جس سے میرے سر سے خون بہ نکلا۔ کیا خون کی وجہ سے میرا روزہ ٹوٹ گیا۔

اسی طرح کیا قے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ امید ہے آپ مجھے مستفید فرمائیں گے۔

م۔ و۔ ۱

جواب : احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بندے کے بس کی بات نہیں۔ لیکن جب منی نکلے تو اس پر غسل جنابت لازم ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جب احتلام والا پانی یعنی منی دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے۔

اور یہ جو آپ نے بلا غسل نماز ادا کی۔ یہ آپ سے غلطی ہوئی ہے اور بہت بری بات ہے۔ اب آپ پر لازم ہے کہ اس نماز کو دہرائیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف توبہ بھی کریں۔

اور جو پتھر آپ کے سر پر لگا، جس سے خون بہہ نکلا، تو اس سے آپ کا روزہ باطل نہیں ہوگا۔ اور جو تے آپ کے اندر سے نکلی۔ اس میں بھی آپ کا کچھ اختیار نہ تھا، لہذا آپ کا روزہ باطل نہیں ہوا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ؛ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ، وَمَنْ اسْتَقَاءَ؛ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ »  
 جسے بے اختیار تے آئی، اس پر روزہ کی قضاء نہیں اور جس نے عمدتے کی، اس پر قضاء ہے۔  
 اس حدیث کو احمد اور اہل سنن نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

### نصف شعبان کے روزوں کا حکم

سوال : نصف شعبان یعنی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ شعبان کے روزوں کا کیا حکم ہے؟

خالد-ی۔ مکتہ المکرمہ

جواب : ہر مہینہ میں ان تین دنوں کے روزے مستحب ہیں۔ خواہ یہ شعبان کے ہوں یا کسی اور مہینہ کے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص کو ان کا حکم دیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ابوالدرداء اور ابو ہریر رضی اللہ عنہما کو ان کی وصیت فرمائی اور جو شخص بعض مہینوں میں یہ روزے رکھ لے اور بعض چھوڑ دے یا کبھی رکھ لے اور کبھی چھوڑ دے تو بھی کوئی بات نہیں۔ کیونکہ یہ نفلی روزے ہیں، فرضی نہیں اور بہتر یہ ہے کہ اگر کسی کو میسر آسکے تو ہر ماہ ان دنوں کے روزے رکھتا رہے۔

### صدقہ فطر کی قیمت؟

سوال : صدقہ فطر کی کیا قیمت ہے؟

مریم-م۔ الریاض

جواب : غالباً اس سے سائلہ کی مراد رمضان کا صدقہ فطر ہے اس میں واجب شہریا علاقہ والوں کی عام خوراک کا ایک صاع ہے۔ خواہ یہ چاول ہوں یا گندم، کھجور یا اور کوئی غلہ وغیرہ اور یہ صدقہ مسلمانوں کے ہر فرد خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

یہ صدقہ عید کی نماز کی طرف روانگی سے پیشتر ادا کر دینا لازم ہے اور اگر عید سے ایک دو دن پہلے ہی ادا کر دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیلو کے حساب سے اس کی مقدار تقریباً تین کیلو بنتی ہے۔



## مواقیت (احرام کے مقامات)

### جدہ میقات نہیں

سوال : ہوائی جہاز کے ذریعہ حج پر آنے والوں کو بعض لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ جدہ سے احرام باندھیں جبکہ بعض دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں راہ صواب کیا ہے؟ فتویٰ عنایت فرمائیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب : تمام حجاج پر، خواہ وہ فضائی راستے سے آئیں یا بحری راستے سے یا خشکی کی راستے سے آئیں، واجب ہے کہ جب وہ بری راستے سے مقررہ میقات پر سے گزریں یا فضائی اور بحری سفر کی صورت میں اس میقات کے بالمقابل آجائیں تو احرام باندھ لیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میقات مقرر کئے تو فرمایا :

«هُنَّ لِهِنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ» .

یہ مقامات وہاں کے رہنے والوں کے لئے ہیں اور ان کے لئے بھی جو وہاں سے گزر کر آئیں، وہاں کے مقیم نہ ہوں۔ جو حج یا عمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اس حدیث پر شیخین کا اتفاق ہے۔

رہی جدہ کی بات، تو وہ اہل جدہ کے لئے تو میقات ہے مگر دور سے آنے والوں کے لئے میقات نہیں۔ ہاں اگر وہ اس حال میں جدہ آئیں کہ ان کا حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہو اور بعد میں حج یا عمرہ کا ارادہ پیدا ہو جائے تو پھر جدہ ہی ان کے لئے میقات ہوگا۔

### تین (قسم کے) حج

سوال : بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حج قرآن اور حج افراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے منسوخ ہو چکے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حج تمتع کرنے کے سلسلہ میں دیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب : یہ قول باطل ہے۔ صحت کے لحاظ سے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ علماء کا اس بات پر اجماع

ہے کہ حج تین قسم کا ہے۔ افراد، قرآن، اور تمتع۔ جو شخص حج کرے اس کا احرام باندھنا بھی صحیح اور اس کا حج بھی صحیح ہے اور اس پر کوئی نذیہ نہیں۔ لیکن اگر وہ اس کے بجائے عمرہ کا ارادہ کر لے تو یہ اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق افضل ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو، جنہوں نے حج افراد کا احرام باندھا تھا یا حج اور عمرہ کو ملا کر قرآن کا احرام باندھا تھا لیکن ان کے ساتھ قرآنی نہ تھی، یہ حکم دیا کہ وہ اس احرام کو عمرہ کا احرام قرار دے لیں۔ پھر طواف اور سعی کریں، پال کتروائیں اور احرام کھول دیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احرام کو باطل نہیں کہا بلکہ انہیں افضل عمل کی راہ دکھلائی۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا۔ یہ کوئی افراد حج کا نسخ نہیں تھا بلکہ یہ تو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسے عمل کی طرف راہنمائی تھی جو اس سے افضل و اکمل تھا . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کسی شخص نے اپنے لئے حج کی نیت کی، بعد میں اسے خیال آیا کہ وہ اپنے کسی قریبی کے لئے نیت کر لے۔ کیا وہ ایسا کر سکتا ہے؟

سوال : کسی شخص نے اپنے لئے حج کی نیت کی اور وہ خود پہلے حج کر چکا تھا۔ جب وہ عرفہ میں تھا تو اسے خیال آیا کہ وہ اپنے کسی قریبی کے لئے حج کی نیت بدل لے۔ اس کا کیا حکم ہے اور کیا اسے یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب : انسان جب اپنے لئے حج کا احرام باندھ لے تو پھر وہ نیت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ نہ راستے میں، نہ عرفات میں اور نہ کسی اور جگہ۔ بلکہ یہ حج اسی کے لئے لازم ہے۔ اس کے باپ یا ماں یا کسی دوسرے کے لئے بدل نہیں سکتا۔ اسی کے لئے متعین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾

اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو۔ (البقرہ : ۱۹۶)

گویا جب اس نے اپنے لئے احرام باندھا تو اپنے لئے ہی اسے پورا کرنا واجب ہو گیا اور اگر وہ کسی دوسرے کے لئے احرام باندھتا تو اسے دوسرے کے لئے ہی پورا کرتا۔ لیکن احرام باندھنے کے بعد وہ اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا، اگرچہ وہ اپنی طرف سے حج پہلے کر چکا ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ اپنے والدین کی طرف سے حج کروں یا کوئی ایسا آدمی تیار کروں جو ان دونوں کی طرف سے حج کرے۔ میرے لئے کون سی بات مشروع ہے؟

سوال : میں چھوٹا سا تھا کہ میری والدہ فوت ہو گئی۔ میں نے ایک شخص کو حج کا خرچہ دے کر والدہ کی طرف سے حج کے لئے پابند کیا۔ نیز میرا والد بھی فوت ہو چکا ہے۔ میں ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتا۔ میں نے اپنے بعض رشتہ داروں سے سنا ہے کہ اس نے حج کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ آیا میں اپنی والدہ کے حج کے لئے کسی دوسرے کو بھیج سکتا ہوں یا یہ ضروری ہے کہ میں خود ہی اس کی طرف سے حج کروں؟ نیز کیا میں اپنے والد کی طرف سے حج کر سکتا ہوں جبکہ میں نے سنا ہے کہ اس نے حج کیا تھا؟ میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ مجھے مستفید فرمائیں گے۔ شکر یہ!

معص - ع - جدہ

جواب : اگر آپ خود ان کی طرف سے حج کریں اور مناسک حج ادا کرنے میں شرعی احکام کا پوری طرح خیال رکھیں تو یہ بہت بہتر بات ہے اور اگر کسی دیندار اور امانت دار آدمی کو بھیج دیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔

اور بہتر یہ ہے کہ آپ ان کی طرف سے حج اور عمرہ کریں اور اگر اس معاملہ میں کسی کو نائب بنائیں تو اسے بھی یہی کہیں کہ وہ ان کی طرف سے حج اور عمرہ کرے اور یہ کام آپ کی طرف سے ان کے لئے نیکی اور احسان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اور آپ کی طرف سے قبول فرمائے۔

ایک عورت نے حج کے مناسک خود ادا کئے مگر رمی جمار کے لئے کسی دوسرے کو وکیل مقرر کیا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : ایک عورت نے حج ادا کیا اور اس کے تمام مناسک خود ادا کیے۔ مگر رمی الجمار کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بنایا۔ کیونکہ اس کے ساتھ چھوٹا سا بچہ تھا۔ اس کا کیا حکم ہے؟ یہ خیال رہے کہ یہ اس کا فرض حج تھا۔

نہید - ا - القسیم

جواب : اس معاملہ میں اس کے ذمہ کچھ نہیں۔ وکیل کی طرف سے رمی الجمار اسے کافی ہے۔ کیونکہ رمی جمار کے وقت بہت ہجوم ہوتا ہے جو عورتوں کے لئے بہت بڑا خطرہ ہوتا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس کے ساتھ چھوٹا بچہ بھی تھا۔

## عرفہ کا وقوف

**سوال :** اگر حاجی عرفہ کی حدود سے باہر، لیکن اس سے کہیں قریب ہی وقوف کرے تا آنکہ سورج غروب ہو جائے اور وہ واپس چلا آئے تو اس کے حج کے متعلق کیا حکم ہے؟

**جواب :** اگر عرفہ میں وقوف کے اوقات میں کوئی حاجی وہاں وقوف نہیں کرتا تو اس کا کوئی حج نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : الحج عرفہ (عرفہ کا وقوف ہی حج ہے)۔ لہذا جو شخص طلوع فجر سے پہلے رات کے دوران عرفہ کا وقوف پالے اس نے حج پالیا اور عرفہ میں وقوف کا وقت عرفہ کے دن زوال آفتاب سے لے کر اگلے (قربانی والے) دن کی طلوع فجر تک ہے۔ اس بات پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

رہا زوال سے پہلے عرفہ میں وقوف، تو اس میں اہل علم کا اختلاف ہے اور اکثر اس وقوف کو کافی نہیں سمجھتے جب تک وہ زوال کے بعد یا رات کو وقوف نہ کرے جس شخص نے زوال کے بعد یا رات کو وقوف کیا تو یہ اس کے لئے کافی ہے اور افضل یہ ہے کہ وہ نماز ظہر اور عصر کی جمع تقدیم کے بعد غروب آفتاب تک وقوف کرے اور جس شخص نے دن کو وقوف کیا اسے غروب آفتاب سے پہلے وہاں سے واپس مڑنا جائز نہیں اور اگر وہ ایسا کرے تو اکثر اہل علم کے نزدیک اس پر قربانی لازم ہے کیونکہ اس نے واجب کا ترک کیا۔

جو شخص دن کو وقوف کرتا ہے اس کے لئے دن اور رات کے وقوف کو جمع کرنے کی یہی صورت ہے۔

## منیٰ سے باہر رات گزارنے کا حکم

**سوال :** اگر کسی حاجی کو منیٰ میں رات گزارنے کو جگہ نہ ملے تو وہ کیا کرے؟ اور اگر وہ منیٰ سے باہر رات گزارے تو اس پر کچھ پابندی ہے؟

**جواب :** اگر حاجی منیٰ میں رات بسر کرنے کے لئے جگہ کی تلاش میں پوری سعی کرنے کے بعد بھی جگہ نہ پاسکے تو وہ منیٰ سے باہر قیام کر لے تو اس پر کوئی گرفت نہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿فَأَنْقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾

اللہ سے ڈرو، جہاں تک تم سے ہو سکے۔ (التغابن : ۱۶)

اور منیٰ میں جگہ نہ پاسکنے کی وجہ سے اس پر کوئی نذیہ نہیں۔

## کیا تمتع یا قران کی قربانی عرفات میں ذبح کرنا جائز ہے؟

سوال : کسی حاجی نے اپنی قربانی ایام تشریق کے دوران عرفات میں ذبح کر ڈالی اور وہاں کے لوگوں میں ہی اسے تقسیم کر دیا۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر وہ اس کا حکم نہ جانتا ہو یا عدا اس نے ایسا کیا ہو تو اس پر کیا واجب ہے؟

اور اگر وہ اپنی قربانی ذبح تو عرفات میں کرے مگر اس کا گوشت حرم کی حدود میں تقسیم کرے تو کیا یہ جائز ہے اور وہ کونسی جگہ ہے۔ جس کے علاوہ کسی دوسری جگہ قربانی کرنا جائز نہیں؟ شکریہ!

عبداللہ - ن - الدلم

جواب : تمتع یا قران کی قربانی حرم کے علاوہ کسی اور مقام پر جائز نہیں اور اگر کسی نے کسی اور مقام مثلاً عرفات یا جدہ یا کسی دوسرے مقام پر ذبح کی تو وہ کفایت نہ کرے گی، اگرچہ اس کا گوشت حرم میں ہی تقسیم کیا جائے۔ اسے حرم میں دوسری قربانی کرنا پڑے گی اور اس سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ اس مسئلہ کو جانتا تھا یا نہ جانتا تھا۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی حرم میں ذبح کی اور فرمایا :

« خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ »

اپنے حج کے ارکان مجھ سے سیکھ لو۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی حرم میں ہی اپنی قربانی ذبح کی۔

## ممنوعاتِ احرام

احرام باندھے ہوئے کے سر سے بال گرنے کا حکم

سوال : اگر عورت نے احرام باندھا ہو اور بے اختیار اس کے سر سے بال گرائیں تو وہ کیا کرے؟

جواب : اگر کسی محرم کے سر سے بال گرائیں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور یہ بات وضو کرتے وقت سر کا مسح کرنے سے ہو یا سردھونے سے ہو، اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اسی طرح اگر مرد کی داڑھی سے یا اس کی مونچھوں سے یا ناخنوں سے کچھ گر جائے تو بھی چنداں مضائقہ نہیں جبکہ اس نے عدا ایسا نہ کیا ہو۔ ممنوع بات صرف یہ ہے کہ وہ احرام کی حالت میں دانستہ اپنے بال یا اپنے ناخن کاٹے۔ اسی طرح عورت بھی دانستہ کچھ نہ کاٹے۔ پھر اگر بلا ارادہ بال گرتے ہیں تو وہ مردہ بال ہوتے ہیں جو حرکت کے وقت گرتے ہیں۔ ان کے گرنے کا کچھ نقصان نہیں۔

## اپنے گھر کو لوٹنے والے مسافر کے لئے طواف وداع

سوال : جب حاجی عمرہ ادا کر لے۔ پھر اس کے بعد اپنے اقرباء کی زیارت کے لئے حرم سے باہر جانا چاہے تو کیا اس کے لئے طواف وداع لازم ہے یا اس معاملہ میں اسے کچھ کرنا ضروری ہے؟

جواب : عمرہ کرنے والا جب حرم سے باہر مکہ کے گرد و نواح میں جانے کا ارادہ کرے تو اس کے لئے طواف وداع ضروری نہیں اور یہی صورت حاجی کی ہے۔ لیکن جب اپنے گھر والوں یا دوسرے لوگوں کی طرف سفر کا ارادہ کرے تو طواف وداع اس کے لئے جائز ہے۔ لیکن واجب نہیں کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے عمرہ سے احرام کھولا اور منیٰ اور عرفات کی طرف نکلے، انہیں طواف وداع کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ لیکن جب حاجی لوگ اپنے گھر والوں یا دوسرے لوگوں کی طرف مکہ کو چھوڑتے ہوئے سفر کریں تو ان کے لئے طواف وداع ضروری ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

« أَمَرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ ؛ إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَائِضِ »  
 لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ان کا آخر وقت بیت اللہ پر ہو۔ الا یہ کہ حائضہ عورت کو اس میں گنجائش ہے۔  
 یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول امر الناس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا۔ اسی لئے ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ »

تم میں سے کوئی شخص دوڑ نہ جائے تا آنکہ اس کا آخری عہد بیت اللہ کے ساتھ ہو۔  
 اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حائضہ عورت کے لئے نہ حج میں طواف وداع ہے اور نہ عمرہ میں۔ اسی طرح نفاس والی عورت کا بھی اہل علم کے ہاں ایسا ہی حکم ہے۔

## حج سے متعلقہ مسائل

کعبہ کے رکن یمانی کو چھونے کا حکم؟

سوال : طواف کے دوران کعبہ شریف کے جنوب مغربی رکن کی طرف اشارہ کرنے یا اسے چھونے کا کیا حکم ہے؟ اس کے نزدیک کتنی تکبیریں کہنا چاہئیں اور حجر اسود کے نزدیک کتنی؟ ہمیں مستفید فرمائیے۔

عبدالرحمن - ع - ۱

جواب : طواف کرنے والے کے لئے ہر چکر میں حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونا جائز ہے۔ جیسا کہ اس کے لئے بالخصوص حجر اسود کو ہر چکر میں بوسہ دینا اور چھونا مستحب ہے۔ حتیٰ کہ آخری چکر میں بھی اگر اسے بغیر مشقت یہ بات میسر آسکے اور اگر مشقت ہو تو اسے دھکم پیل کرنا جائز نہیں۔ اس صورت میں حجر اسود کی طرف ہاتھ سے یا چھڑی وغیرہ سے اشارہ کر لے اور تکبیر کہے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے، رکن یمانی کے متعلق کوئی ایسی چیز وارد نہیں ہوئی جو اس کی طرف اشارہ کرنے پر دلالت کرتی ہو۔ اسے صرف چھونا ہی کافی ہے اگر یہ بغیر مشقت کے ممکن ہو اور چومنا نہیں چاہئے اور ساتھ یہ پڑھے :

بِسْمِ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ اَكْبَرُ يَا اللّٰهُ اَكْبَرُ

اور اگر مشقت ہو تو اسے چھونا مشروع نہیں۔ اپنے طواف میں بغیر اشارہ یا تکبیر کے آگے چلتا جائے۔ کیونکہ یہ بات نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئی ہے نہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرة والزیارة میں واضح کر دیا ہے۔

رہی تکبیر تو وہ صرف ایک بار کہنا چاہئے اور مجھے کوئی ایسی چیز معلوم نہیں جو تکبیر کے زیادہ بار کہنے پر دلالت کرتی ہو۔ حاجی اپنے پورے طواف میں جو شرعی اذکار اور دعائیں آسانی سے پڑھ سکتا ہو، پڑھے اور ہر چکر کو اسی دعا پر ختم کرے۔ جس پر ختم کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور مستند دعایہ ہے :

﴿رَبَّنَا مَا آتَانَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

طواف اور سعی میں تمام اذکار اور دعائیں پڑھنا مستحب ہے، واجب نہیں . . . اور توفیق دینے

والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## ان دونوں میں کونسا عمل افضل ہے نفل حج یا اسی رقم کا افغان مجاہدین کے لئے چندہ دینا

سوال : جو شخص اپنا فرضی حج ادا کرچکا ہو اور دوسری بار حج کر سکتا ہو تو کیا اسے دوسری بار حج کرنے کے عوض یہ جائز ہوگا کہ وہ حج کے اخراجات کی رقم افغانستان کے مسلمان مجاہدین کے لئے دے دے۔ جبکہ دوسری بار حج کرنا نفلی عبادت ہے اور جہاد کے لئے چندہ دینا فرض ہے؟ ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے۔

عبداللہ - ۱ - حائل

جواب : جو شخص فریضہ حج ادا کرچکا ہو، اس کے لئے افضل یہی ہے کہ دوسرے حج کی رقم نبی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے چندہ میں دے دے۔ جیسا کہ افغان مجاہدین اور وہ مہاجرین جو پاکستان میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا : ”اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا“۔ سائل نے پوچھا : ”پھر اس کے بعد کونسا؟“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”اللہ کی راہ میں جہاد“۔ سائل نے پوچھا : ”پھر اس کے بعد کونسا؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”حج مبرور“۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو جہاد کے بعد قرار دیا۔ جس سے مراد نفلی حج ہی ہو سکتا ہے کیونکہ استطاعت کی صورت میں تو فرضی حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اور صحیحین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا :

« مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فَقَدْ غَزَا ، وَمَنْ خَلَّفَهُ فِي أَهْلِهِ بَخِيرٍ فَقَدْ غَزَا »

جس نے کسی غازی کو سامان مہیا کیا تو اس نے جہاد کیا اور جس نے غازی کے گھروالوں کی ٹھیک طرح دیکھ بھال کی، تو اس نے جہاد کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ افغان مجاہدین اور ان جیسے دوسرے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کو اپنے بھائیوں سے مالی تعاون کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا ان دو مذکور حدیثوں اور ان کے علاوہ دوسری حدیثوں کی بنا پر نفلی حج کی نسبت اتنی رقم جہاد میں خرچ کر دینا افضل ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔



مکہ میں اقامت کے دوران حاجی کے لیے قصر صلوٰۃ کا حکم

سوال : مکہ میں اقامت کے دوران حاجی کے لئے قصر نماز کے متعلق کیا حکم ہے جب کہ وہ چار دن سے زیادہ مکہ میں رہے۔

خالد - ی - مکہ المکرمہ

جواب : جب حاجی کی مکہ میں اقامت چار دن یا اس سے کم ہو تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ چار رکعت والی نمازوں کی دو دو رکعتیں پڑھے کیونکہ حج الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ البتہ جب چار دن سے زیادہ رہنے کا ارادہ رکھتا ہو تو محتاط روش یہی ہے کہ چار رکعتیں نماز ادا کرے اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

میں نے حج افراد کا احرام باندھا تھا لیکن میرے ساتھی مدینہ جانا چاہتے ہیں۔  
کیا میں ان کے ساتھ چلا جاؤں اور واپس آ کر عمرہ ادا کر لوں؟

سوال : میں ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے گیا اور حج افراد کا احرام باندھا۔ میرے ساتھی مدینہ کی طرف سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کیا میں مدینہ چلا جاؤں اور چند دن بعد مکہ آ کر عمرہ ادا کر لوں؟

جواب : جب کوئی شخص جماعت کے ساتھ حج کرے اور حج افراد کا احرام باندھے۔ پھر ان کے ساتھ زیارت کے لیے سفر کرے تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اپنے احرام کو عمرہ کا احرام قرار دے لے اور اسی کے لیے طواف اور سعی کرے اور بال کتر دے۔ پھر احرام کھول دے۔ پھر حج کے موقع پر احرام باندھ لے۔ اس طرح اس کا یہ حج تمتع ہوگا اور حج تمتع کی قربانی اس پر لازم ہوگی۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا تھا، جن کے ساتھ قربانی نہیں تھی۔

کیا یہ درست ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت نہ کرنے سے حج ناقص رہ جاتا ہے؟

سوال : بعض حاجی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب تک حاجی مسجد نبوی کی زیارت نہ کرے، ان کا حج ناقص ہوتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب : زیارت مسجد نبوی سنت ہے، واجب نہیں، نہ ہی اس کا حج کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ بلکہ سنت یہ ہے کہ ہر سال مسجد نبوی کی زیارت کی جائے لیکن یہ حج کے وقت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«لَا تُشَدُّ الرَّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هَذَا، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى» (متفق عليه)

تین مساجد کے علاوہ کسی مقام کی طرف ثواب (زیارت، فضیلت) کی غرض سے سفر نہ کیا جائے۔ مسجد الحرام کی طرف، میری اس مسجد کی طرف اور مسجد اقصیٰ کی طرف۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هَذَا، خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِي مَآ سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ»

میری اس مسجد میں ایک نماز، مسجد حرام کے علاوہ باقی مقامات پر ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

اور جب مسجد نبوی کی زیارت کی جائے تو اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ ریاض الجنۃ میں دو رکعت نماز نفل ادا کی جائے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھا جائے۔ جیسا کہ جنت البقیع کی زیارت اور اس جگہ مدفون صحابہ وغیرہم کے لیے سلام اور دعا اور رحمتہ اللہ علیہ کما مشروع ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سکھایا کرتے تھے کہ جب وہ قبروں کی زیارت کریں تو یوں کہیں :

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ. نَسَأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ»

اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ سے عافیت چاہتے ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب آپ جنت البقیع کی زیارت کرتے تو یوں فرماتے :

«يَرْحَمُ اللَّهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ»

اللہ تعالیٰ ہم میں سے پہلے چلے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں، سب پر رحم فرمائے۔ اے اللہ بقیع غرقد والوں کو معاف فرما۔

اور جو شخص مسجد نبوی کی زیارت کرے اس کے لیے یہ بھی مشروع ہے کہ مسجد قبا کی زیارت کرے اور اس میں دو رکعت نفل ادا کرے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے دن وہاں جاتے اور اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا کیا کرتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : «جو شخص اپنے گھر میں اچھی طرح طہارت کرے پھر مسجد کو آئے اور اس میں نماز ادا کرے تو عمرہ کی مانند ہے۔»

یہی وہ مقامات ہیں جن کی مدینہ منورہ میں زیارت کرنا چاہیے۔ رہیں سات مساجد اور مسجد قبلتین اور ایسے ہی دوسرے مقامات جن کی زیارت کے متعلق بعض مؤلفین نے مناسک میں ذکر کیا ہے۔ ان کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی ان پر کوئی دلیل ہے اور مومن کے لیے دائمی طور پر بدعت کو چھوڑتے ہوئے صرف سنت

کی اتباع ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## حج کے دوران حائضہ اور نفاس والی عورتیں

ایک عورت نے حج کا ارادہ کیا لیکن یوم ترویہ کو اسے نفاس کا خون آگیا۔ اب وہ کیا کرے؟

سوال : ایک نفاس والی کو یوم الترویہ (۸ ذی الحجہ) کو نفاس کا خون اترنا شروع ہوا۔ اس نے طواف اور سعی کے سوا حج کے باقی ارکان ادا کر لیے۔ وہ یہ دیکھتی رہی کہ آغاز نفاس سے دس دن بعد پاک ہو جائے گی۔ کیا وہ اس وقت طہارت کرے، نہائے اور حج کا باقی رکن یعنی طواف ادا کرے؟

جواب : ہاں۔ مثال کے طور پر جب آٹھویں دن وہ نفاس والی ہو جائے تو وہ حج کرے، لوگوں کے ساتھ عرفات اور مزدلفہ میں وقوف کرے اور جو کچھ دوسرے لوگ کرتے ہیں مثلاً رمی الجمار، بال کتر وانا اور قربانی کرنا وغیرہ وہ سب کچھ کرے۔ اب اس کے ذمہ صرف طواف اور سعی باقی رہ جائے گی جسے وہ اپنے پاک ہونے تک موخر کر دے۔ پھر جب دس یا زیادہ یا کم دنوں کے بعد پاک ہو جائے تو نہائے، نماز ادا کرے، روزے رکھے طواف و سعی کرے۔

نفاس کی کم از کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں۔ یہ دس دن یا اس سے کم یا اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس کی انتہا (زیادہ سے زیادہ مدت) چالیس دن ہے۔ جب چالیس دن گزر جائیں اور خون نہ رکے تو ایسی عورت کو اپنے آپ کو پاکیزہ عورتوں کی طرح شمار کرنا چاہیے۔ وہ نہائے، نماز ادا کرے اور روزے رکھے اور جو خون بعد میں آئے اسے صحیح قول کے مطابق بگڑا ہوا خون سمجھے۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی وہ نماز ادا کرے، روزہ رکھے اور وہ اپنے خاوند کے لیے حلال ہے لیکن ایسے خون سے روئی وغیرہ رکھ کر بچنے کی کوشش کرے۔ ہر نماز کے لیے اس کے وقت پر وضو کرے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ وہ ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو جمع کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنہ بنت شمس کو ایسی ہی وصیت کی تھی۔

حائضہ عورت احرام کی دور کعتیں کیسے ادا کرے اور کیا وہ قرآن پڑھ سکتی ہے؟

سوال : حائضہ عورت احرام کی دو رکعت کیسے ادا کرے؟ اور کیا ایسی عورت کے لیے دل میں قرآن

کریم کی آیات پڑھنا جائز ہے؟

جواب : (۱) حائضہ احرام کی دو رکعت ادا نہ کرے بلکہ ان رکعتوں کے بغیر ہی احرام باندھ لے۔ احرام کی رکعتیں جمہور کے نزدیک سنت ہیں۔ بعض اہل علم انہیں مستحب نہیں سمجھتے کیونکہ ان کے بارے میں کوئی مخصوص روایت نہیں اور جمہور انہیں مستحب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا :

« أَتَانِي آتٍ مِنْ رَبِّي ، فَقَالَ : صَلِّ فِي هَذَا الْوَادِي الْمُبَارِكِ ، وَقُلْ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ »  
میرے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور کہا۔ اس مبارک وادی میں نماز ادا کرو اور کہو عمرہ حج کے اندر ہے۔

یعنی آنے والا حجۃ الوداع کے موقع پر وادی عقیق میں آیا تھا اور صحابہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی پھر احرام باندھا۔ لہذا جمہور اس بات کو مستحب سمجھتے ہیں کہ نماز کے بعد احرام باندھا جائے خواہ یہ نماز فرضی ہو یا نفلی ہو۔ وہ وضو کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے۔ اور حیض و نفاس والی عورتیں نماز ادا کرنے والوں سے نہیں۔ وہ نماز ادا کئے بغیر ہی احرام باندھ لیں اور ان دور کتوں کی قضاء بھی مشروع نہیں۔ (ب) صحیح قول کے مطابق حائضہ عورت کو قرآن کو لفظاً ادا کرنا جائز ہے اور دل میں اسے دہرانا تو سب کے نزدیک ہی جائز ہے۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اس بات میں کہ آیا وہ زبان سے ادا کر سکتی ہے یا نہیں؟ بعض اہل علم اسے حرام سمجھتے ہیں اور ان باتوں کو حیض و نفاس والی عورتوں کے لیے حرام قرار دیا ہے کہ وہ قرآن کی قراءت کریں یا قرآن کو چھوئیں۔ نہ وہ دل میں پڑھ سکتی ہیں اور نہ قرآن سے تا آنکہ وہ غسل کر لیں۔ اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ ایسی عورتوں کے لیے دل میں قرآن پڑھنا جائز ہے، قرآن سے پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان کی مدت لمبی ہوتی ہے اور اس لیے بھی کہ اس کے متعلق کوئی صریح حکم وارد نہیں، جس میں اس کی ممانعت ہو، بخلاف جنبی کے کہ اس کے لیے سب کچھ ممنوع ہے تا آنکہ وہ غسل نہ کر لے اور غسل پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم نہ کر لے۔ دلیل کے لحاظ سے یہی بات راجح تر ہے۔

ایک عورت طواف افاضہ کر رہی تھی کہ اسے خون اتر آیا۔ اس نے اپنے ولی کو نہ بتلایا حتیٰ کہ اپنے ملک واپس آگئی۔ اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : ایک عورت حج کے لیے روانہ ہوئی۔ آغاز سفر سے پانچ دن بعد اسے ماہواری آگئی۔ میقات پر پہنچنے کے بعد اس نے غسل کر لیا اور احرام باندھ لیا، جب کہ وہ حیض کی وجہ سے پاک نہ تھی۔ جب وہ مکہ پہنچی تو حرم سے باہر ہی رہی اور حج یا عمرہ کے شعائر میں سے کچھ بھی نہ کیا۔ وہ دو دن منیٰ میں رہی پھر وہ پاک ہو گئی اور اس نے غسل کیا اور پاکیزگی کی حالت میں اس نے عمرہ کے تمام مناسک سرانجام دیئے۔ پھر جب وہ حج کے لیے طواف افاضہ کر رہی تھی تو اسے پھر خون آگیا مگر وہ شرمانگنی اور مناسک حج پورے کر لئے اور اپنے ولی کو اس وقت اطلاع دی جب وہ واپس اپنے وطن پہنچ گئے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

فییدہ - ۱ - اقصیم

جواب : اگر بات ایسی ہی ہے جیسا کہ سائل نے بیان کیا ہے تو اس عورت پر لازم ہے کہ وہ مکہ جائے

کیا۔ وہ کہتے ہیں :

« لَقَدْ رَأَيْتُ النَّاسَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَاعُونَ جِزَافًا - يَعْنِي الطَّعَامَ - يُضَرَّبُونَ أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِمْ حَتَّى يُؤْوَهُ إِلَى رِحَالِهِمْ »

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ غلہ کے ڈھیر کا سودا کر لیتے اور اسی جگہ بیچ دینے پر انہیں مار پڑتی تھی۔ تا آنکہ وہ اس ڈھیر کو اپنے ٹھکانوں تک نہ لے جائیں۔ اور اس معنی میں بہت سی احادیث ہیں۔

بیچ میں اگر نقد کی نسبت ادھار یا قسطوں میں قیمت زیادہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے

سوال : بیچ میں اگر نقد کی نسبت ادھار یا قسطوں پر قیمت زیادہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

احمد - م - ۱

جواب : معلوم مدت والی بیچ جائز ہے جبکہ اس بیچ میں معتبر شرائط پائی جاتی ہوں۔ اسی طرح قیمت کی قسطیں کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ یہ اقساط معروف اور مدت معلوم ہو۔ چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿يَتَّابِعُهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتَسَبُوهُ﴾

اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے ادھار پر لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ (البقرہ : ۲۸۲)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَلْيُئْسِلْ فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ ، وَوَزَنٍ مَّعْلُومٍ ، إِلَىٰ أَجَلٍ مَّعْلُومٍ »

جب کوئی شخص کسی چیز میں بیچ سلم کرے تو ناپ تول اور مدت معین کر کے کرے۔

اور بریرہ رضی اللہ عنہا سے متعلق جو صحیحین میں ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں سے نو اوقیہ میں خرید لیا کہ ہر سال ایک اوقیہ (چاندی) ادا کی جائے گی اور یہی قسطوں والی بیچ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیچ کو معیوب نہیں سمجھا بلکہ خاموش رہے اور اس سے منع نہیں کیا اور اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ قسطوں میں قیمت نقد کے برابر ہو یا مدت کی وجہ سے زیادہ ہو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا ایک بکری کی بیچ دو ادھار بکریوں سے جائز ہے؟

سوال : کیا ایک بکری کی بیچ دو یا تین بکریوں سے جائز ہے جو مثال کے طور پر بیس سال یا اس سے بھی

سعید - ع - ۱ - الجبوة

زیادہ مدت کے بعد ملیں؟

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق ایک معین حاضر جانور کی بیچ ایک یا زیادہ

جانوروں سے ادھار پر جائز ہے۔ مدت معلوم ہونی چاہیے۔ خواہ یہ تھوڑی ہو یا زیادہ یا قسطوں والی ہو جبکہ قیمت اور دوسری صفات طے کر لی جائیں جو اسے معین کر سکیں۔ اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ فروختنی چیز جانور ہو یا کوئی دوسری چیز۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ :

«أَنَّه اشْتَرَى الْبَعِيرَ بِالْبَعِيرَيْنِ إِلَى إِبْلِ الصَّدَقَةِ»

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حاضر اونٹ اس شرط پر خریدی کہ جب زکوٰۃ کے اونٹ آئیں گے تو اس کے عوض دو اونٹ دے دیں گے۔

اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

سود

جو شخص حالات سے مجبور ہو کر تنگ یا کرنسی ایکس چینج

میں کام کرے اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جسے اس کے حالات بتکوں میں یا مملکت میں موجود مقامی کرنسی ایکس چینج میں کام کرنے پر مجبور کر دیں۔ جیسے بنک الاہلی التجاری، بنک الریاض، بنک الجزیرہ، بنک العربی الوطنی، شرکہ الراجحی برائے مبادلہ و تجارت، مکتبہ الکفکی برائے تبادلہ، بنک السعودی الامریکی اور ان کے علاوہ دوسرے مقامی بنک ہیں۔ یہ خیال رہے کہ یہ بنک اپنے گاہکوں کے لیے سیونگ اکاؤنٹ کھولتے ہیں اور کلرک جو تحریر کا کام کرتے ہیں۔ جیسے حسابات لکھنے والا، پڑتال کرنے والا، نگرانی کرنے والا یا ان کے علاوہ ادارہ کے دوسرے کام کرنے والوں کو یہ بنک کئی مراعات دیتے ہیں جو ملازموں کو ان بتکوں کی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ جیسے بدل سکین (کرایہ رہائش) جو تقریباً بارہ ہزار ریال کے لگ بھگ ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے اور سال کے آخر میں دو ماہ کی تنخواہ۔ تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

سچو۔ م۔ ا۔

جواب : سودی بتکوں میں کام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کو لکھنے والے اور دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

اور اس لحاظ سے بھی ناجائز ہے کہ اس کام میں گناہ اور سرکشی پر تعاون ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے

فرمایا :

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں نہ کیا

کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (المائدہ : ۲)

بنکوں کے ملازمین جو تنخواہ لیتے ہیں وہ حلال ہے یا حرام؟

سوال : عام بنکوں کے ملازمین اور بالخصوص عربی بنکوں کے ملازمین جو تنخواہ پاتے ہیں وہ حلال ہے یا حرام۔ جبکہ میں نے سنا ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ یہ بنک بعض معاملات میں سودی لین دین کرتے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے مستفید فرمائیں گے کیونکہ میں خود بھی کسی بنک میں کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں؟  
فوزی۔ ح۔ ا۔ پیشہ

جواب : جو بنک سودی لین دین کرتے ہیں ان میں کام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں بنک والوں کے لیے گناہ اور سرکشی پر اعانت ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :  
﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔ (المائدہ : ۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، ایسی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا : ”ہم سواء“ (یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں) اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔

بنکوں کی ملازمت کا حکم

سوال : میرا چچا زاد بھائی بنک الجزیرہ میں ملازم ہے۔ کیا اس کے لیے یہ ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں فتویٰ دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر جزا دے . . . میں نے اپنے بھائیوں سے سنا ہے کہ بنک کی ملازمت جائز نہیں۔  
عمری۔ ع۔ ا۔ جدہ

جواب : سودی کاروبار کرنے والے بنکوں میں ملازمت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ کام گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ (المائدہ : ۲)

اور یہ تو معلوم ہے کہ سود بہت بڑے بڑے گناہوں میں سے ہے۔ لہذا ایسے لوگوں سے تعاون جائز نہیں . . . نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں سب پر لعنت فرمائی ہے۔  
 نیز فرمایا کہ یہ سب لوگ اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔“  
 اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا۔

## سودی بنکوں کی ملازمت

سوال : میرا چچا زاد بھائی بنک الجذبیرہ میں کلرک ہے۔ اسے بعض علماء نے فتویٰ دیا کہ وہ یہ ملازمت چھوڑ دے اور بنک کے علاوہ کوئی اور کام تلاش کرے۔ آپ کو اللہ بستر جزا عطا فرمائے۔ ہمیں مستفید فرمائیے کہ آیا یہ ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

عمری-ع-ع-جدہ

جواب : جس شخص نے اسے مذکورہ فتویٰ دیا، اس نے بہت اچھا کام کیا۔ کیونکہ سودی بنکوں کی ملازمت جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ گناہ اور سرکشی پر بنک کی اعانت ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالْقَوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (المائدہ : ۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ”آپ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں، سب پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔“ اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا۔

بنکوں سے ڈیلنگ

ہم غیر اسلامی ممالک میں پڑھاتے ہیں اور اپنی نقدی بنکوں میں رکھتے ہیں

کیا ہم اس پر فائدہ لے سکتے ہیں یا ہم باطل کی اعانت کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیں؟

سوال : ہم غیر مسلموں کے ملکوں میں رہتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمیں وافر مال و دولت سے نوازا ہے۔ جس کی حفاظت ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس مال کو کسی امریکی بنک میں رکھیں۔ لہذا ہم سود لیے بغیر اپنی رقوم ان بنکوں میں رکھتے ہیں۔ بنکوں والے اس بات پر بہت خوش ہیں اور ہمیں بے وقوف ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ کیونکہ ہم جو سودی رقم ان کے ہاں چھوڑ دیتے ہیں، اسے وہ عیسائیت کی نشر و اشاعت پر صرف کرتے ہیں۔ . . . جبکہ یہ مال مسلمانوں کا ہوتا ہے۔



میرا سوال یہ ہے کہ ہم اس مال سے خود کیوں نہ فائدہ اٹھائیں۔ اس سے مسلمان فقراء کی مدد کریں یا مساجد اور اسلامی مدارس تعمیر کریں۔ اگر کوئی مسلمان یہ فائدہ لے لے تو کیا وہ گنہگار ہوگا جبکہ وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرے۔ جیسے مجاہدین کو چندہ دے دے۔

محمد - ع - ی - امریکہ

جواب : سودی بنکوں میں اپنی رقم رکھنا ناجائز ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس بنک کو قائم کرنے والے مسلم ہیں یا غیر مسلم۔ کیونکہ اس کام میں گناہ اور سرکشی پر اعانت ہے اگرچہ سود نہ لیا جائے۔ لیکن جب کوئی شخص رقم کی حفاظت کے لیے یہ کام کرنے پر مجبور ہو اور سود نہ لے تو انشاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾

اور جو کچھ اللہ نے تم پر حرام کیا ہے، اسے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ الا یہ کہ تم کسی بات پر مجبور ہو جاؤ۔

(الانعام : ۱۱۹)

اور اگر سود لیتا ہے تو یہ کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ سود بڑے بڑے گناہوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب کریم میں اور اپنے امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حرام قرار دیا ہے اور بتلایا کہ مٹا دینے کی چیز ہے اور جو شخص اس کے درپے ہو اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔ مالدار لوگ یہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے اموال سے نیکی اور احسان کی راہوں میں اور مجاہدین کی مدد میں خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام پر اجر عطا فرمائے گا اور اس کے عوض عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾

جو لوگ اپنے اموال رات کو اور دن کو، خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں تو اللہ کے ہاں ان کے لیے اجر ہے۔ انہیں نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (البقرہ : ۲۷۴)

نیز فرمایا :

﴿ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ﴾

جو کچھ تم خرچ کرو گے تو اللہ اس کا عوض عطا فرمائے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (سبا : ۳۹)

یہ آیات زکوٰۃ و صدقات سب کو عام ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ﴿ مَا نَقَصَ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ ، وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا ، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ ﴾

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور جو شخص معاف کرے اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو اللہ کی

خاطر تواضع سے پیش آئے، اللہ سے بلند کر دیتا ہے۔

نیز یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ فِيهِ النَّاسُ إِلَّا وَيَنْزِلُ فِيهِ مَلَكَانَ : أَحَدُهُمَا يَقُولُ : اللَّهُمَّ اعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا وَالثَّانِي يَقُولُ : اللَّهُمَّ اعْطِ مُمْسِكًا تَلْفَاءً»

کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ اس میں صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے۔ اے اللہ خرچ کرنے والے کو عطا فرما۔ اور دوسرا کہتا ہے۔ اے اللہ! بخیل کے مال کو عارت کر۔

نیکی کے کاموں میں اور حاجت مندوں پر خرچ کرنے کی فضیلت میں آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں۔ لیکن اگر صاحب مال سودی رقم لیتا ہے، خواہ لاعلمی کی بنا پر لے یا نرم روی کی بنا پر، پھر اللہ اسے نیک بختی کی راہ دکھلا دے تو وہ ایسے مال کو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کر دے اور اپنے پاس ایسے مال سے کچھ نہ رکھے کیونکہ سود جس مال میں مل جائے اسے بھی مٹا دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الْمَصْدَقَ﴾

اللہ تعالیٰ سود کا زور ہٹا دیتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ (البقرہ : ۲۷۶)

اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا مملکت عربیہ سعودیہ میں کام کرنے والے بنکوں کے حصے خریدنا جائز ہے ؟

سوال : کیا مملکت سعودیہ عربیہ میں کام کرنے والے بنکوں کے حصے خریدنا جائز ہے۔ جیسے سعودی امریکی بنک یا الائنڈ کمرشل سعودی بنک۔ جس نے اب عوام میں اپنے حصص فروخت کرنے کا اعلان کیا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے بنکوں سے ؟

عبدالحسن۔ ا

جواب : سعودی بنکوں کے حصے خریدنا جائز نہیں۔ جیسا کہ سعودی بنکوں اور دوسرے سعودی اداروں سے

معاملات جائز نہیں۔ کیونکہ یہ گناہ اور سرکشی پر تعاون ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ

کیا کرو۔ (المائدہ : ۲)

## بنکوں کے حصے خریدنے کا حکم

سوال : بنکوں کے حصے خریدنے اور کچھ مدت بعد انہیں بیچ دینے کا کیا حکم ہے جبکہ مثال کے طور پر ایک ہزار کے حصے تین ہزار کے ہو جائیں اور کیا اسے سود ہی سمجھا جائے گا؟

ناصر-ع-۱-الخرج

جواب : بنکوں کے حصوں کی خرید و فروخت جائز نہیں کیونکہ یہ نقدی کی نقدی سے بیچ ہے۔ جس میں نہ برابر برابر ہونے کی شرط پائی جاتی ہے اور نہ قبضہ میں لینے کی اور اس لیے بھی کہ سودی اداروں کے ساتھ تعاون جائز نہیں۔ نہ ہی ان کی خرید و فروخت جائز ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو۔ (المائدہ : ۲)

اور جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ”آپ نے سود لینے والے، دینے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔“ اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ اور آپ صرف اپنا اس المال ہی لے سکتے ہیں۔

آپ کو اور دوسرے سب مسلمانوں کو میری یہی نصیحت ہے کہ وہ ہر طرح کے سودی معاملات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور گزشتہ معاملات پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں کیونکہ سودی معاملات دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧٥﴾ يَمْسَحُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِي الصَّدَقَتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے پٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ بیچ کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ تو جس شخص کو اپنے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی وہ باز آگیا تو پہلے جو ہو چکا

وہ اس کا اور (قیامت کو) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر سود لینے لگا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے۔ اللہ سود کو نابود کرتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ (البقرہ ۲۴۵-۲۴۶)

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا :

﴿يَتَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۳۷﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۳۸﴾﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو (سود چھوڑ دو) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے۔ جس میں نہ دوسروں کا نقصان نہ تمہارا نقصان۔ (بقرہ-۲۴۸-۲۴۹)

اور جیسا کہ پہلے حدیث شریف گذر چکی ہے۔

### سودی بینکوں میں امانت رکھنے کا حکم

سوال : اگر کسی کے پاس کچھ نقد رقم ہو اور وہ حفاظت کی خاطر اسے امانت کے طور پر کسی بینک میں رکھے اور سال کا عرصہ گزرنے پر اس کی زکوٰۃ ادا کرے تو کیا یہ اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ آپ کو بہتر جزاء عطا فرمائے۔

عمری-ع-ع-جدہ

جواب : سودی بینکوں میں امانت رکھنا جائز نہیں، خواہ وہ اس پر سود نہ لے۔ کیونکہ اس کام میں گناہ اور سرکشی پر اعانت ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اس کام پر مجبور ہو اور سود نہ لے اور اپنے مال کی حفاظت کے لیے سودی بینک کے علاوہ اور کوئی جگہ نہ پائے تو مجبوری کی بنا پر (انشاء اللہ) اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾

اللہ نے جو کچھ تم پر حرام کیا ہے اسے تفصیل سے بیان کر دیا ہے الا یہ کہ تم کسی بات پر مجبور ہو جاؤ۔ (الانعام : ۱۱۹)

اور جب کوئی اسلامی بینک یا امانت رکھنے کی جگہ پالے جس میں گناہ اور سرکشی پر تعاون کی صورت نہ ہو تو اپنا مال اس میں امانت رکھے۔ اب اس کے لیے سودی بینک میں امانت رکھنا جائز نہ ہوگا۔

## ایسی کمپنیوں سے تعاون کا حکم جو سودی لین دین کرتی ہیں

سوال : میں شرکہ تجاریہ (تجارتی کمپنی) کے ہاں اکاؤنٹ ہوں۔ یہ کمپنی سودی بینک سے قرضے لینے پر مجبور ہوتی ہے۔ مجھے معاہدہ قرض کا ایک فارم ملتا ہے جس سے بینک کے رجسٹروں میں کمپنی کا مقروض ہونا ثابت ہو سکے . . . . کیا میں سودی تحریر لکھنے والا سمجھا جاؤں گا اور میرے لیے اس کمپنی میں کام کرنا جائز نہ ہوگا۔ یعنی کیا میں کمپنی سے عقد کی رو سے گنہگار سمجھا جاؤں گا۔ جبکہ میرا ایسا معاہدہ نہ تھا؟

عبداللطیف۔ ذ

جواب : سودی معاملات میں مذکورہ کمپنی سے تعاون جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے، اس کی تحریر لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا کہ ”یہ سب لوگ گناہ میں ایک جیسے ہیں“۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔ نیز اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں عموم ہے :

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(مائدہ-۲)

گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔

## سودی بینکوں کی معرفت نقدی بھیجنے کا حکم

سوال : ہم ترکی مزدور ہیں جو سعودی عرب میں کام کرتے ہیں۔ ہمارا ملک ترکی ہے۔ آپ سے مخفی نہیں کہ ترکی حکومت نظام کے لحاظ سے جرمنی کا نظام اختیار کیے ہوئے ہے۔ ان ملکوں میں سود عام اور انتہائی حیران کن شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ حتیٰ کہ ایک سال میں ۵۰ فیصد تک جا پہنچتا ہے اور ہم یہاں اس بات پر مجبور ہیں کہ ترکی میں اپنے گھر والوں کو بینکوں کی وساطت سے رقوم ارسال کریں۔ جو کہ سود کے اڑے ہیں۔

اسی طرح ہم چوری، ضائع ہو جانے اور بعض دوسرے خطرات کی وجہ سے اپنی رقوم انہی بینکوں میں رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہم آپ کی خدمت میں دو اہم سوال پیش کرتے ہیں جن کا تعلق ہم سے ہے۔ آپ ہمارے اس معاملہ کے متعلق فتویٰ مرحمت فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے بہتر جزا دے۔

پہلا سوال : کیا ہم ان بینکوں سے سود لے سکتے ہیں جسے ہم فقراء پر صدقہ کریں اور اس سے عام بھلائی کی عمارات تعمیر کریں . . . بجائے اس کے کہ ہم یہ رقم بینک والوں کے لیے چھوڑ دیں؟

دوسرا سوال : جب یہ چیز ناجائز ہو تو کیا ہم اپنی رقم کی چوری اور ضائع ہونے سے حفاظت کی مجبوری کی خاطر ان بینکوں میں رکھ سکتے ہیں جبکہ ہم سود نہ لیں؟ اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ بینک ان رقوم کو سودی مصرف میں لگائے رکھتے ہیں۔

عبداللہ۔ م۔ الترقی

جواب : جب سودی بنکوں ہی کی وساطت سے رقوم بھیجنے کی مجبوری ہو تو اس میں انشاء اللہ کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ﴾

بے شک اللہ نے جو چیزیں تم پر حرام کی ہیں انہیں کھول کر بیان کر دیا ہے۔ الا یہ کہ تم کسی بات کے لیے مجبور ہو جاؤ۔ (الانعام : ۱۱۹)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور میں بنکوں کے ذریعہ رقوم بھیجنا عوام کی مجبوری ہے۔ اسی طرح حفاظت کی خاطر بھی رقم تک میں جمع کرانا ایک مجبوری ہے جبکہ اس میں فائدہ (سود) کی شرط نہ رکھی جائے۔ اور اگر تک والے بغیر شرط یا معاہدہ کے صاحب مال کو سود ادا کریں تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں تا کہ وہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کیا جاسکے۔ جیسے فقراء اور قرض میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی امداد وغیرہ وغیرہ۔ صاحب مال ایسی رقم کو نہ اپنی ملکیت بنائے اور نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھائے۔ بلکہ وہ ایسے مال کے حکم میں ہے جس کے چھوڑنے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہے باوجودیکہ یہ ناجائز ذریعہ آمدنی ہے۔ لہذا اسے ایسے کاموں میں خرچ کرنا جن سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، کافروں کے ہاں چھوڑنے سے بہتر ہے، جو اس رقم سے ایسے کاموں پر اعانت کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ہاں اگر اسلامی بنکوں یا کسی مباح ذریعہ سے رقم ارسال کرنا ممکن ہو تو پھر سودی بنکوں کے ذریعہ رقوم بھیجنا جائز نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر اسلامی بنک یا اسلامی منڈی میسر آجائے تو مجبوری زائل ہونے کی بنا پر سودی بنکوں میں رقوم جمع کرنا جائز نہ رہے گا۔ . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایسے ادارے میں رقم جمع کرانے کا حکم جو سودی لین دین نہیں کرتے

سوال : آج کل حوادث بکثرت ہونے لگے ہیں اور دیت کی ادائیگی بہت مشکل امر ہے۔ ہم کچھ ساتھیوں نے اتفاق کیا اور نقد رقم اکٹھی کی جسے ہم نے راجی بنک میں امانت کے طور پر رکھ دیا اور اس رقم پر ایک مدت گزر گئی۔ کیا ہم پر اس کا کچھ گناہ ہے؟ . . . یہ خیال رہے کہ جب اس رقم پر سال گزر گیا تو ہم نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی تھی۔ کیا ہم اسے اسی بنک میں رہنے دیں۔ ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر جزا عطا فرمائے۔

عمری - ع - ا - جدہ

جواب : مصرف راجی کے ہاں رقم پڑی رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جہاں تک ہم جانتے ہیں وہاں سود پر اعانت نہیں کی جاتی۔

کسی بنک نے مجھ پر طلبہ کا صندوق پیش کیا کہ ان کے اموال محفوظ رہیں۔ اس کے عوض بنک معوثہ (امداد) کرتا ہے۔ تو کیا یہ جائز ہے؟

سوال : کسی بنک نے طلبہ کے فنڈ کے اموال کی حفاظت کے عوض مسئولین (یعنی طلبہ) کو کچھ رقم پیش کی جسے بنک والے معوثہ (امداد) کہتے ہیں اور یہ رقم دراصل وہ زائد رقم ہے جو بنک اموال کی حفاظت کے علاوہ پیش کرتا ہے۔ بنک اس فنڈ کی رقم کو اپنے استعمال میں لاتا اور اس سے سرمایہ کاری کرتا ہے . . . کیا اس قسم کے بنک میں رقم جمع کرانا جائز ہے؟

سائل

جواب : یہ کام جائز نہیں۔ کیونکہ یہ خالص سود ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ بنک کے فائدہ کے عوض صندوق کے اموال میں تصرف کرتا ہے اور وہ فائدہ صندوق (رکھنے والے) کو دے دیتا ہے اور بنک نے اس معلوم فائدہ کا نام معوثہ (امداد) صرف فریب کاری، دھوکہ بازی اور سود کو چھپانے کے لیے رکھ لیا ہے۔ اور سود، سود ہی ہے خواہ لوگ اس کا کوئی بھی نام رکھ لیں . . . اور مدد تو اللہ تعالیٰ ہی سے درکار ہے۔

### متفرق معاملات

کیا دکان یا مکان وغیرہ کسی حرام چیز کی بیع یا حرام کام کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہے؟

سوال : میرے پاس شارع عام پر کچھ دکانیں ہیں۔ ان میں سے کچھ تو میں نے کرایہ پر دے دی ہیں اور کچھ ابھی باقی ہیں۔ چند دن ہوئے میرا ایک ہم وطن آیا جو مجھ سے ایک دکان کرایہ پر لینا چاہتا تھا تاکہ وہاں ویڈیو کی بیع کی دکان کھولے لیکن اس کو دکان کرایہ پر دینے میں مجھے کچھ تردد ہوا۔ کیا میرے لیے اپنی دکانوں کو کسی حرام چیز کی بیع کے لیے دینا جائز ہے اور کیا اس سے مجھ پر گناہ ہوگا؟

صلح۔ م۔ الریاض

جواب : اس شخص کو دکان وغیرہ کرایہ پر دینا جائز نہیں، جو حرام چیزوں کی بیع یا کسی حرام کام کے لیے کرایہ پر لینا چاہتا ہو۔ جیسے تمباکو اور حرام قسم کی فلمیں بیچنے، ڈاڑھی مونڈنے اور ایسی ہی دوسری غرض کے لیے لے رہا ہو۔ کیونکہ یہ گناہ اور سرکشی پر اعانت ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَتَمَّاءُ عَلَى الْبِرِّ وَالْقَوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۗ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کرو۔ (المائدہ : ۲)

## قرض کی ادائیگی کا حکم جبکہ کرنسی کی قیمت میں اختلاف ہو

سوال : مجھے مستفید فرمائیے۔ میں نے اپنے حالات سے مجبور ہو کر ایک غیر مسلم سے کچھ رقم قرض لی کہ میں اس کے عوض اسے اتنی مالیت کی آزاد یعنی غیر ملکی کرنسی ادا کروں گا۔ جب میں سعودیہ میں اپنے کام پر واپس آؤں گا۔ جب میں کچھ عرصہ بعد واپس آیا تو آزاد کرنسی کی قیمت چڑھ چکی تھی۔ اب وہ اس رقم سے دگنی بنتی ہے جو میں نے اس سے قرض لی تھی۔ اب کیا میں اسے کرنسی کے اس فرق کے باوجود آزاد کرنسی میں رقم بھیجوں؟ یا صرف اتنی ہی بھیجوں جو میں نے اس سے قرض لی تھی؟

ح-ع-م-الریاض

جواب : یہ قرض درست نہیں۔ کیونکہ درحقیقت یہ موجودہ کرنسی کی دوسری کرنسی سے ادھار بیع ہے اور یہ معاملہ سودی ہے۔ کیونکہ ایک کرنسی کی دوسری کرنسی سے دست بدست بیع ہی جائز ہو سکتی ہے۔ آپ کے لیے ضروری یہی ہے کہ آپ صرف وہی رقم واپس کریں جو اس سے قرض لی تھی اور اس بات پر سچی توبہ بھی کر لیں جو یہ سودی معاملہ چل نکلتا تھا۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کسی کو اس شرط پر قرض دینے کا کیا حکم ہے کہ وہ مستقبل میں اتنا ہی قرض مجھے بھی دے گا؟

سوال : کسی شخص کو اس شرط پر قرض دینے کا کیا حکم ہے کہ وہ ایک معین مدت کے بعد رقم واپس کرے پھر وہ آپ کو اتنی ہی رقم اتنی مدت کے لیے قرض دے۔ کیا یہ معاملہ اس حدیث کے تحت آتا ہے :  
(ہر وہ قرض جو نفع کھینچ لائے، وہ سود ہے) . . . . یہ خیال رہے کہ میں نے اس سے کسی زیادتی کا مطالبہ نہیں کیا؟

عبدالرحمن-ن-الریاض

جواب : یہ قرض اس لیے جائز نہیں کہ اس میں نفع کی شرط ہے اور وہ نفع بعد والا قرض ہے اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ قرض جس میں کسی منفعت کی شرط ہو، وہ سود ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک جماعت نے جو فتویٰ دیا وہ اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ رہی وہ حدیث جس کا ذکر کیا گیا ہے کہ ”ہر وہ قرض جو نفع کھینچ لائے وہ سود ہے“ تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ ایسے قرض کے ممنوع ہونے کا انحصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتویٰ اور اہل علم کے اجماع پر ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔



ایک شخص نے میرے پاس بطور امانت کچھ مال رکھا۔ اسے بتلائے بغیر میں نے اس مال سے سرمایہ کاری کی اور جب وہ آیا تو میں نے صرف اس کا مال اسے واپس کر دیا۔ تو کیا یہ نفع میرے لیے حلال ہے؟

سوال : کسی شخص نے میرے پاس نقد رقم بطور امانت رکھی۔ میں نے اس رقم سے فائدہ حاصل کرنا چاہا اور اس سے سرمایہ کاری کی اور جب صاحب مال آیا تو اسے اس کا پورے کا پورا مال واپس دے دیا اور میں نے اس مال سے جو فائدہ اٹھایا تھا، وہ اسے نہیں بتلایا۔ کیا میرا یہ تصرف جائز تھا یا نہیں؟

ق۔م۔س۔الریاض

جواب : جب کوئی شخص آپ کے پاس امانت رکھے تو آپ اس کی اجازت کے بغیر اس رقم میں تصرف نہیں کر سکتے . . .

پھر جب آپ نے اس کی اجازت کے بغیر تصرف کر لیا تو آپ پر لازم ہے کہ آپ اس سے معذرت کر لیں۔ اگر وہ معذرت قبول کر لے یا معافی دے دے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کے مال کا نفع اسے دیں یا اس کے نصف یا کم و بیش پر سمجھوتہ کر لیں اور مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے۔ مگر ایسی نہ ہو جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال بنا دے۔

بہبود فنڈ کے لیے مجھے امین بنایا گیا۔ میں نے اس رقم سے ادھار لیا۔

پھر یہ ادھار واپس کر دیا۔ کیا اس میں مجھ پر کچھ گناہ ہے؟

سوال : اہل خیر نے مجھ پر اعتماد کیا اور مدرسہ ثانویہ کی تعمیر کے لیے چندہ کے صندوق کے لیے مجھے امین بنایا۔ دریں اثنا مجھے اپنے ذاتی مکان کی تعمیر کے لیے رقم کی ضرورت پڑ گئی تو میں نے اس صندوق سے لے لی۔ پھر مدرسہ کی تعمیر کے اختتام سے پیشتر ہی میں نے وہ رقم جو میرے ذمہ تھی مدرسہ کی خاص کمیٹی کے حوالہ کر دی اور یہ کہہ دیا کہ رقم ایک محسنہ عورت نے دی ہے جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ رقم میرے ذمہ تھی لیکن میں شرم کے مارے حقیقت کا اظہار نہ کر سکا۔ کیا یہ رقم لینے میں مجھ پر کچھ گناہ ہے۔ یہ خیال رہے کہ میں وہ رقم بے باق کر چکا ہوں؟ اور اب توبہ کا کیا طریقہ ہے۔ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔

جواب : جو شخص کسی بھی طرح کے مال یا کسی مشروع کا امین بنایا جائے اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی ذات کے لیے اس مال میں تصرف کرے۔ اس پر اس مال کی اس وقت تک حفاظت واجب ہے جب تک

کہ وہ اپنے مصرف میں صرف نہ ہو جائے۔ آپ نے جو یہ کام کیا، پھر امانت میں خیانت کی وجہ سے ان کے سامنے جھوٹ بولا، آپ پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ لازم ہے۔ اور جو شخص سچی توبہ کرے، اللہ اسے معاف فرمادیتا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾

اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچے دل سے توبہ کرو۔ (التحریم : ۸)

نیز فرمایا :

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

اور اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

اور سچی توبہ ان باتوں پر مشتمل ہے۔ وہ اپنے سابقہ گناہوں پر نادم ہو۔ اللہ سبحانہ سے ڈرتے ہوئے اور اس کی عظمت کی خاطر اسے یکسر چھوڑ دے اور آئندہ ایسا کام نہ کرنے کا پختہ عہد کرے اور اگر توبہ کرنے والے نے ان لوگوں سے ناانصافیاں کی ہیں تو ان کا مداوا کرے خواہ یہ ناانصافیاں خون میں ہوں یا مال میں یا عزت میں ہوں۔ یا ان لوگوں سے معاف کرائے اور اگر اس نے لوگوں پر غیبت کی قسم سے زیادتی کی ہو اور ڈرتا ہو کہ اور زیادہ نقصان ہوگا تو پھر انہیں نہ بتلائے اور ان کے لیے دعا و استغفار کرے اور غیبت کر کے لوگوں سے اس کی جو برائیاں بیان کر چکا، اس کے عوض اب لوگوں سے اس کی خوبیاں ظاہر کرے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## یتیم کے مال کے احکام

سوال : ایک یتیم کے گھر والے فوت ہو گئے تو ہم نے اس کی حفاظت و پرورش کا ذمہ لیا۔ اس کے دو چچا تھے اور جو شخص ان سے بھلائی کرنا چاہتا، اسے کچھ پیسے دے دیتے اور وہ ہماری آمدنی ہوتی تھی۔ یہ خیال رہے کہ جو کچھ ہمیں آمدنی ہوتی وہ اس (پر خرچ) سے زیادہ ہوتی تھی اور ہم اسے اپنے گھر کا ایک فرد شمار کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

محمدی - ع - ع - جدہ

جواب : اس یتیم کو جو صدقات دیئے جاتے ہیں، آپ وہ لے لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ یہ صدقات اس خرچ کے برابر یا کم ہوں جو آپ نے اس یتیم پر کیا ہو اور اگر وہ صدقات اس کے خرچ سے زیادہ ہوں تو آپ پر لازم ہے کہ وہ زائد رقم اس یتیم کے لیے محفوظ رکھیں۔ آپ کو اس کی پرورش اور اس پر احسان کی بنا پر بہت بڑے اجر کی خوشخبری ہو۔

## سوسائٹی میں رشوت کا اثر

سوال : اس سوسائٹی کا حال کیسا ہے جس میں رشوت عام ہو؟

جواب : اس میں کوئی شک نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ظہور پذیر ہوں تو سوسائٹی میں افتراق کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس سوسائٹی کے افراد کے درمیان محبت کے رشتے منقطع ہو جاتے ہیں جو بغض و عداوت اور بھلائی کے کاموں پر عدم تعاون کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جب کسی معاشرہ میں رشوت اور دوسرے گناہ پیدا ہو جائیں تو ان کے برے اثرات یہ ہوتے ہیں کہ اخلاق رزلبہ پیدا ہوتے اور فروغ پاتے ہیں۔ اچھے اخلاق ختم ہو جاتے ہیں۔ سوسائٹی کے کچھ لوگ دوسروں سے باہمی دشمنی کی بنا پر ظلم کرتے ہیں۔ وہ رشوت، چوری، خیانت، معاملات میں دھوکہ دہی، جھوٹی شہادت اور اسی طرح کے دوسرے ظلم کے کاموں اور سرکشی سے دوسروں کے حقوق دبانے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان کاموں میں سے ہر نوع بدترین جرم ہے۔

اور یہی باتیں پروردگار کے غضب اور مسلمانوں میں بغض و عداوت کے اسباب ہیں اور انہی باتوں سے اللہ کا عذاب عام ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ ؛ أَوْشَكَ أَنْ يَعْمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابِهِ »

لوگ جب کوئی بری بات دیکھیں پھر اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب پر عذاب نازل کرے۔

اس حدیث کو امام احمد نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

## رشوت کا برا اثر

سوال : مسلمانوں کے مصالح، باہمی سلوک اور معاملات کے بگاڑ میں رشوت کیونکر اثر انداز ہوتی ہے؟

جواب : اس سوال کے جواب کی وضاحت سابقہ سوال کے جواب میں ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے مصالح پر رشوت کے یہ آثار بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ کمزوروں پر ظلم ہوتا ہے اور رشوت کی بنا پر بلاوجہ ان کے حقوق کو ہضم کیا جاتا، پامال کیا جاتا یا اس کے حصول میں تاخیر کی جاتی ہے۔ رشوت کا ایک اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ جو قاضی یا ملازم وغیرہ رشوت لیتا ہے اس کا اخلاق تباہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی خواہش کے لیے رشوت دینے والے کو غالب کرتا ہے اور جو رشوت نہ دے اس کا حق یا تو دبایا جاتا ہے یا کلیتہً ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اسی لیے رشوت لینے والے کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخت عذاب سے سابقہ پڑتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دیر تو کرتا ہے، غفلت نہیں کرتا اور کبھی فوراً آخرت سے پہلے دنیا میں ہی

ظالم کو سزا دے دیتا ہے . . . جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :  
 « مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ أَنْ يُعَجَّلَ لَصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُهُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ ، وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ »

اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام گناہوں میں سے دو گناہ ایسے ہیں جو اس لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا ارتکاب کرنے والوں کو دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے۔ پھر آخرت میں بھی اسے ان کی سزا دے گا اور وہ ہیں، زیادتی کرنا اور قطع رحمی کرنا۔

اور بلاشبہ رشوت اور ظلم کی تمام قسمیں زیادتی میں شامل ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا : «اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے پھر جب اسے پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں»۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی :

﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾

اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور سخت ہے۔ (ہود : ۱۰۲)

## رشوت کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

سوال : رشوت کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

جواب : رشوت نص اور اجماع کی رو سے حرام ہے اور رشوت وہ مال ہے جو حاکم وغیرہ کو اس غرض سے دیا جائے کہ وہ حق سے رخ موڑ کر رشوت دینے والے کی خواہش کے مطابق فیصلہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے والے اور دینے والے پر لعنت فرمائی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت کی سودا بازی کرنے والے یعنی دلال پر بھی لعنت فرمائی جو ان دونوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور بلاشک وہ گنہگار ہے اور مذمت، عیب اور سزا کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ گناہ اور سرکشی کے کاموں پر معاون ہے جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدٌ

الْعِقَابِ﴾

اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (المائدہ : ۲)

مسلم کے عقیدہ پر رشوت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

سوال : مسلم کے عقیدہ پر رشوت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب : رشوت اور اللہ کی نافرمانی کے دوسرے کام ایمان کمزور کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل کو غصہ دلاتے ہیں۔ نیز بندے پر شیطان کو مسلط کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ دوسرے گناہوں میں جا پڑتا ہے۔ لہذا ہر مسلم مرد اور عورت پر واجب ہے کہ رشوت اور دوسرے گناہوں سے بچے۔ ساتھ ہی جن سے رشوت لی ہے اگر ممکن ہو تو انہیں واپس کر دے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اتنی رقم فقراء وغیرہ میں صدقہ کرے اور ساتھ ہی سچی توبہ بھی کرے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے گا۔

امتحانات میں بددیانتی کا کیا حکم ہے؟

سوال : امتحان کے دوران بددیانتی سے کام لینے کا کیا حکم ہے؟ یہ خیال رہے کہ میں نے بہت سے طلبہ کو دیکھا کہ وہ بددیانتی کرتے ہیں۔ میں انہیں سمجھاتا ہوں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

خالد۔ی۔ مکہ المکرمہ

جواب : بددیانتی امتحانات میں ہو یا عبادات اور معاملات میں حرام ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے :

« مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا »

جس نے ہم سے بددیانتی کی وہ ہم سے نہیں۔

اس لیے کہ بددیانتی سے دنیا اور آخرت میں بہت سے نقصانات مرتب ہوتے ہیں۔ لہذا اس سے بچنا اور دوسروں کو اسے چھوڑنے کی وصیت کرتے رہنا واجب ہے۔

کیا یہ حدیث «مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا» (جس نے ہم سے بددیانتی کی وہ ہم سے نہیں)

امتحانات کو بھی شامل ہے

سوال : میں ریاض شہر کے ایک کالج کا طالب علم ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ بعض طلبہ امتحانات میں بددیانتی کرتے ہیں۔ ”بالخصوص بعض مضمونوں میں۔ جن میں سے ایک انگریزی زبان کا مضمون ہے اور جب میں ان سے سختی سے کہتا ہوں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ انگریزی زبان کے پرچے میں بددیانتی کر لینا حرام نہیں اور بعض بزرگوں نے ایسا فتویٰ بھی دیا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اس کام اور اس فتویٰ کے بارے میں مجھے مستفید

فرمائیں گے۔

محمد - ع - ب - ا - ریاض

جواب : یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :  
« مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا »

جس نے ہم سے بددیانتی (دھوکہ) کی، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

اور یہ بددیانتی کا حکم جیسے معاملات کے بارے میں عام ہے، اسی طرح امتحان میں بددیانتی اور انگریزی زبان کے پرچے وغیرہ سب کو عام ہے۔ لہذا اس حدیث کے عموم اور اس معنی میں جو دوسری احادیث آئی ہیں ان کی بنا پر کسی طالب علم لڑکے یا لڑکی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بھی مضمون میں بددیانتی سے کام لے . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔



## وقف اور وصایا

میری والدہ کا وقف کردہ مکان گر چکا ہے۔ کیا میرے لیے جائز ہے کہ اسے بیچ کر نیکی کے کاموں میں لگا دوں؟

سوال : میری والدہ نے ایک مکان وقف کیا تھا۔ اس مکان پر ایک طویل مدت گزر چکی ہے۔ حتیٰ کہ وہ سکونت کے قابل نہیں رہا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس وقف کو منتقل کر دوں۔ اس مکان کو بیچ دوں اور اس کی قیمت مسجد میں لگا دوں یا نیکی کی جمعیت کو دے دوں یا دوسرے بھلائی کے کاموں میں صرف کر دوں۔ کیا میرے لیے یہ جائز ہوگا؟

زید۔ م۔ الرياض

جواب : آپ کو وقف میں نہ تصرف کرنے کا حق ہے اور نہ اس معین مقصد میں تبدیلی کا حق ہے، جو وقف کرنے والے نے معین کیا ہو۔ لیکن جب اس وقف کے مصالح ختم ہو جائیں تو اس جیسی چیز میں تبدیل کرنا جائز ہے یا جو اس چیز کے قائم مقام ہو۔ خواہ زمین ہو یا دکان یا کھجور کا باغ۔ اور اس کی آمدنی اسی مد میں خرچ کی جائے جس مد میں مذکورہ مکان کی آمدنی خرچ ہوتی تھی اور یہ کام شہر میں موجود وقف کے محکمہ کی وساطت سے ہونا چاہیے۔

کیا ایسی عمارت کا وقف جائز ہے جو بنک سے قرض لے کر بنائی گئی ہو؟

سوال : کیا ترقیاتی بنک سے قرض لے کر بنائی ہوئی عمارت کو وقف کرنا جائز ہے۔ جو ہمیشہ کے لیے بنک کے آگے گروی رہتی ہے؟

علی۔ ع۔ الرياض

جواب : اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ جو ایک دوسرے مسئلہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا قبضہ کے بغیر رہن ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ قبضہ کے بغیر رہن ہوتا ہی نہیں، وہ یہ کہتا ہے کہ ان تصرفات سے وقف وغیرہ صحیح ہوتا ہے جو ملکیت کو بدل سکیں۔ کیونکہ رہن با قبضہ نہیں اور جو اس بات کا قائل ہے کہ رہن لازم ہو جاتا ہے اگرچہ مرہونہ چیز قبضہ میں نہ ہو۔ وہ ایسے وقف کو نیز

دوسری ملکیت کو بدل سکنے والے تصرفات کو درست نہیں قرار دیتے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ محتاط روش یہی ہے کہ جب تک بنک کا حساب بے باک نہ کیا جائے اسے وقف نہ کیا جائے۔ تاکہ اس میں علماء کے اختلاف کی بات ہی نہ رہے اور اس حدیث شریف پر عمل ہو سکے الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ۔ (یعنی مسلمانوں کو اپنی شرطیں پوری کرنا لازم ہے)۔

ایک شخص نے وصیت کی کہ اس کے گھر کی آمدنی سے ہر سال حج اور قربانی کی جائے۔  
تو کیا وصیت کردہ حج واجب العمل ہوگا؟

سوال : ایک شخص نے فوت ہوتے وقت وصیت کی کہ اس کے ایک مکان کی آمدنی سے ہر سال حج کیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو ایک سال چھوڑ کر کیا جائے اور اگر آمدنی اس سے بڑھ جائے تو وہ نیکی کے کاموں میں خرچ کی جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس حج کی وصیت کی گئی ہے کیا وہ لازماً واجب العمل ہے۔ جبکہ اس کام میں حج کے لیے نائب بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ لیکن اس پر دل مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو صرف مادی عوض (پیسے) کے لیے حج کر رہا ہے۔ . . . تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس کے عوض اتنا ہی مال بھلائی کے کاموں میں خرچ کر دیا جائے۔ جیسے مسجد کی تعمیر یا ایسے ہی دوسرے کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

ابواحمد

جواب : وصیت کرنے والے نے جس کام کی وصیت کی ہو، اسی کام کو عمل میں لانا واجب ہے۔ کیونکہ حج اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور وکیل پر لازم ہے کہ اس کام میں پوری کوشش کرے اور حج کے لیے نائب ایسے آدمی کو بنائے جو بظاہر نیک بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کی وجہ سے حج میں رغبت بھی رکھتا ہو، نہ کہ مال کی وجہ سے۔ اور دل کے رازوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی اس کا بدلہ دیتا ہے۔

کیا جائداد کے لیے بنک کے قرضہ کو ایسا ہی قرضہ سمجھا جائے گا

جس کی بے باقی متونی پر لازم ہوتی ہے؟

سوال : میرے فوت شدہ والد کے ذمہ جائداد کے لیے بنک کا قرضہ تھا۔ کیا اسے ایسا قرضہ ہی سمجھا جائے جس کی بے باقی لازم ہوتی ہے؟

جواب : ہاں وہ ایسا ہی قرضہ ہے اور آپ پر واجب ہے کہ اس کے ترکہ سے بنک کے قرضہ کی ادائیگی کریں۔ جیسا کہ اس بارے میں قابل اتباع تعلیمات ہیں۔



## میراث

### ایک فرضی مسئلہ کی تقسیم

سوال : ایک شخص مر گیا اور باپ، ایک بیٹی، ایک حقیقی بھائی، ایک حقیقی بہن اور چند پوری بھائی چھوڑ گیا۔ اس کی میراث کیسے تقسیم ہوگی؟

عبداللہ - ۱ - حائل

جواب : ترکہ دو حصوں میں تقسیم ہوگا۔ آدھا بیٹی کے لیے فرضی حصہ اور آدھا باپ کے لیے فرضی اور محصی (حصہ فرضی اور باقی بطور عصبہ) اور بہن بھائیوں کے لیے کچھ نہیں۔ کیونکہ وہ اہل علم کے اجماع کی رو سے باپ کی موجودگی میں محروم ہیں۔ لیکن اگر متوفی کے ذمہ قرضہ ثابت ہو تو ورثہ کی تقسیم سے پیشتر اس کی ادائیگی کی جائے گی۔ پھر جو کچھ بچ رہے، وہ مذکورہ وارثوں میں تقسیم ہوگا۔

اسی طرح اگر میت نے کوئی شرعی وصیت کی ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی یا اس سے کم ہو تو ورثہ میں ورثہ کی تقسیم سے پیشتر ترکہ سے اس کا نکالنا بھی واجب ہے۔ میت کو یہ حق نہیں کہ وہ ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے اور اس نے زیادہ کی وصیت کی ہو تو وہ صرف مکلف اور نیک ورثاء کی رضامندی سے ہی نافذ ہو سکتی ہے۔ ورنہ زائد حصہ نافذ نہ ہوگا اور وارثوں میں تقسیم سے قبل قرضہ اور وصیت کی ادائیگی پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے :

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ إِلَىٰ أَنْ قَالَ سُبْحَانَہٗ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يٰوَصِيٰ بِهَآ أَوْ دِيْنِ﴾

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ تاکہ آنکھ فرمایا۔ یہ تقسیم وصیت کے بعد ہوگی جو میت نے کی ہو۔ یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔ (النساء : ۱۱)

### فرضی مسئلہ جس میں اہل علم کا اختلاف ہے

سوال : ایک میت نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں اور ان کے لیے زرعی زمین وقف کی۔ جس کی خرید و فروخت نہ ہو سکے اور کہا یہ زمین اس کی اولاد، اولاد کی اولاد اور جو ان سے پیدا ہوں سب کے لیے ہے۔

اب کیا وقف والے کی اولاد کی بیٹیوں (یعنی پوتیوں، پڑپوتیوں) کے لیے بھی اس وقف شدہ زمین میں ورثہ

ہو گا یا نہیں؟ اسی طرح اس کی بیٹیوں کی اولاد (یعنی نواسے، نواسیاں) بھی اس میں وارث ہوں گے یا نہیں؟ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

ع-ع-ز-التشفہ

جواب : اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا بیٹیوں کی اولاد بھی اولاد در اولاد میں شامل ہے یا نہیں اور اس میں دو اقوال ہیں۔ اس مسئلہ میں عدالت شریعہ کا فیصلہ انشاء اللہ درست رہے گا۔ کیونکہ یہ مسئلہ ان متنازعہ فیہ مسائل سے ہے جن میں اختلاف زیادہ ہے اور اس کا حل عدالت کا فیصلہ ہی ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔

ایک عورت نے اپنے چچا زاد بھائی سے نکاح کیا لیکن دخول سے پہلے ہی وہ فوت ہو گیا۔ کیا اس عورت پر عدت ہے؟ اور کیا وہ ورثہ پائے گی؟

سوال : میری ایک بہن ہے جب وہ ۱۳ سال کی ہو گئی تو اس کا اپنے چچا زاد بھائی سے نکاح ہوا لیکن رخصتی نہ ہوئی اور شوہر رضائے الہی سے فوت ہو گیا۔ مجھے مطلع فرمائیے کہ آیا میری بہن پر پوری عدت ہے یا نصف ہے یا کچھ بھی نہیں؟ نیز کیا وہ اس کے ترکہ سے ورثہ پائے گی۔ یہ خیال رہے کہ نہ وہ اسے شادی کے طور پر لینے آیا اور نہ ہی اسے زیور یا کوئی اور چیز دی . . . ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

منصور-ع-الریاض

جواب : اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر داخل ہونے سے پیشتر فوت ہو جائے تو بیوی پر عدت بھی ہے اور وہ خاوند کے ترکہ میں وارث بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبِّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو بیویاں چار ماہ دس دن تک انتظار کریں۔ (البقرہ : ۲۳۴)

اللہ تعالیٰ نے اس بات میں کوئی فرق نہیں کیا کہ آیا اس عورت پر خاوند داخل ہوا تھا یا نہ ہوا تھا۔ بلکہ اس آیت میں حکم علی الاطلاق ہے، جو سب عورتوں کے لیے عام ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«لَا تُحَدُّ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، إِلَّا عَلَى زَوْجٍ، فَإِنَّهَا تُحَدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا»

کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے۔ مگر اپنے خاوند پر وہ چار ماہ اور دس دن سوگ منائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات میں فرق نہیں کیا کہ وہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔  
ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِهِنَّ وَكِيلٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوَصِّينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾

اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑیں۔ اگر ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں نصف حصہ تمہارا اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمہارا حصہ چوتھائی (لیکن یہ تقسیم) وصیت کے بعد ہوگی جو انہوں نے کی ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔ اور جو مال تم چھوڑ مرو اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ اور اگر اولاد ہو تو اس کا آٹھواں حصہ۔ وصیت کی تعمیل کے بعد جو تم نے کی ہو یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد۔ (النساء : ۱۲)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی مدخولہ اور غیر مدخولہ کے درمیان فرق نہیں کیا۔ جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام بیویاں اپنے خاوندوں کی وارث ہوں گی خواہ وہ مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ۔ جب تک کہ اس میں کوئی دوسرا شرعی عذر مانع نہ ہو۔ جیسے غلامی یا قتل اور دین کا اختلاف۔

## نکاح

اگر کسی لڑکی کا ولی اسے شادی سے محروم رکھنے کی غرض سے شادی سے انکار کر دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : جب کوئی شخص کسی لڑکی سے منگنی کے لیے پیش رفت کرے لیکن اس لڑکی کا ولی اس لڑکی کو شادی سے محروم رکھنے کی غرض سے شادی میں دینے سے انکار کر دے تو اس بارے میں اسلام کا حکم کیا ہے؟  
خ۔ ل۔ مبیہا

جواب : اولیاء پر واجب ہے کہ وہ اپنے زیر ولایت عورتوں کی شادی میں جلدی کریں۔ اگر کفو میں ان کی منگنی ہو جائے اور وہ اس رشتہ پر راضی ہوں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إِذَا حَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرَضَّوْنَ دِينَهُ وَخُلِقَهُ فَرَوْجُوهَ، إِلَّا تَفَعَّلُوا؛ تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادًا كَبِيرًا »

جب کوئی شخص تمہیں منگنی کے لیے کہے جس کے دین اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو اس سے شادی

کردو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پھا ہو جائے گا۔

اور اگر لڑکیاں اپنے چچیرے بھائیوں یا کسی دوسرے سے نکاح پر راضی ہوں تو ان کو ان کے نکاح سے روکنا جائز نہیں۔ نہ ہی زیادہ مال کے مطالبہ یا کسی دوسری ایسی غرض سے نکاح روکنا جائز ہے جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع نہیں کیا۔ اور حکام اور قاضیوں پر واجب ہے کہ وہ ایسے شخص کا ہاتھ پکڑیں جو اپنے ماتحت لڑکیوں کے نکاح میں روک بنا ہوا ہو اور دوسرے رشتہ داروں کو الا قرب فالاقرب کی بنیاد پر نکاح کرنے کی اجازت دیں تا کہ ظلم کو بھی روکا جاسکے اور عدل و انصاف کا نفاذ ہو اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اس کام میں جا پڑنے سے بچایا جاسکے۔ جسے اللہ نے ان پر حرام کیا ہے۔ جس کے اسباب ان کے اولیاء کا روک بنا اور ظلم ہے۔ ہم اللہ سے سب لوگوں کے لیے ہدایت اور نفسانی خواہشات کو حق کی خاطر قربان کرنے کی دعا مانگتے ہیں۔

متنگنی چاہنے والا اگر کفو ہے تو اسے روکنا معروف کام نہیں

سوال : میں اپنی مشکل کا حل چاہتی ہوں کہ میں ۲۳ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہوں۔ ایک نوجوان نے میرے رشتہ کے لیے پیش رفت کی۔ وہ جامعہ کی تعلیم مکمل کر چکا ہے اور دیندار خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ میرے باپ نے اس بات پر موافقت کی۔ میرے باپ نے ایک مجلس میں مجھے حاضر ہونے کو کہا تاکہ میں اس نوجوان کو دیکھ لوں اور وہ مجھے دیکھ لے۔ میں نے اسے پسند کر لیا اور اس نے مجھے پسند کر لیا۔ میں جانتی تھی کہ ہمارے دین حنیف میں اس بات پر نص موجود ہے کہ میں اسے دیکھ لوں اور وہ مجھے دیکھ لے۔ جب میری والدہ کو معلوم ہوا کہ وہ نوجوان دیندار خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو اس نے اس نوجوان پر اور میرے والد پر دنیا کھڑی کر دی اور قسم کھالی کہ جو بھی صورت ہو میں اس کام کو نہ ہونے دوں گی۔ میرے والد نے اس کے ساتھ بہترے جتن کیے لیکن سب بے سود . . . کیا میرے لیے یہ حق ہے کہ میں شرع سے مطالبہ کروں کہ وہ میرے معاملہ میں دخل اندازی کرے؟

مولوۃ - ح - ع

جواب : اگر فی الواقع وہی بات ہے جس کا سائلہ نے ذکر کیا ہے تو اس کی ماں کو اس معاملہ میں اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ یہ بات اس پر حرام ہے اور اے سائلہ! اس معاملہ میں تم پر اپنی ماں کی اطاعت لازم نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

«إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

اطاعت صرف معروف کاموں میں ہے۔

اور ایسے متنگنی والے کو جو کفو ہو، رد کرنا معروف کام نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فزَوْجُوهُ، إِلَّا تَفَعَّلُوا؛ تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ »

جب تم سے کوئی ایسا رشتہ طلب کرے جس کا دین اور خلق تمہیں پسند ہو تو اس سے شادی کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اور بہت بڑا فساد رونما ہو جائے گا۔

اور اگر آپ کو یہ معاملہ شرعی عدالت میں لے جانا پڑے تو اس میں بھی آپ پر کوئی تنگی نہیں۔

لوگ حق مہر میں غلو کرتے اور بڑی بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں

کیا ایسے اموال حلال ہیں یا حرام؟

سوال : میں بھی اور تمام لوگ دیکھ رہے ہیں کہ اکثر لوگ حق مہر کے معاملہ میں غلو کرتے اور اپنی بیٹیوں کی شادی کے نزدیک بڑی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ نیز بعض دوسری اشیاء دینے کی شرط لگاتے ہیں . . . کیا ایسے اموال جو لیے جاتے ہیں وہ حلال ہیں یا حرام؟

بشیر۔ ع۔ الخرج

جواب : مشروع بات یہ ہے کہ مہر میں تخفیف اور اس کی رقم تھوڑی ہو اور اس بارے میں بہت سی وارد احادیث پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیے اور شادی کو آسان بنانا اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی عفت پر حریص ہونا چاہیے۔ اور لڑکیوں کے اولیاء کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے لیے اموال کی شرط لگائیں۔ کیونکہ اس معاملہ میں ان کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ حق اگر ہے تو وہ صرف عورت کا ہے۔ یا پھر خاص کر اس کے باپ کا۔ وہ ایسی شرط لگا سکتا ہے جس سے اس کی بیٹی کو تکلیف نہ ہو تاہم وہ اس شادی میں تاخیر نہ کرے اور اگر وہ اس شرط کو بھی چھوڑ دے تو یہ اس کے لیے بہتر اور افضل ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ وَأَنْكِحُوا الْأَيْمَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ ﴾

اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کرایا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا۔ (النور : ۳۲)

اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ »

بہتر حق مہرہ ہے جو زیادہ آسان ہو۔

اس حدیث کو ابوداؤد نے نکالا اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔

ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مہر کر دیا اور آپ کے کسی صحابی نے اس سے شادی کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کو فرمایا :

« التَّمَسُّنُ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ »

حق مہر کے لیے کچھ لاؤ۔ خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔

پھر جب اس صحابی کو یہ بھی نہ ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز پر اس کا نکاح کر دیا کہ قرآن کی جو سورتیں اسے یاد ہیں، وہ اس عورت کو سکھلا دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے حق مہر بچا سو درہم تھے۔ جو آج کل کے حساب سے تقریباً ایک سو تیس ریال بنتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے چار سو درہم تھے تو تقریباً سو ریال بنتے ہیں۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾

تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہترین روش ہے۔ (الاحزاب : ۲۱)

اور جب بھی ایسی تکالیف کم اور آسان ہوں گی، مردوں اور عورتوں کی پاک دامنی سہل ہوگی۔ فواحش اور منکرات کم ہوں گے اور امت زیادہ ہوگی۔

اور جب یہ تکالیف بڑی ہوں گی اور لوگ حق مہر کے معاملہ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی رغبت کریں گے۔ شادیاں کم ہوں گی، زنا عام ہوگا، نوجوان مرد اور عورتیں مجبور رہیں گے۔ الا یہ کہ جسے اللہ بچانا چاہے۔

لہذا ہر جگہ کے تمام مسلمانوں کو میری یہ نصیحت ہے کہ نکاح میں آسانی اور سہولت پیدا کریں اور اس معاملہ میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ لمبے چوڑے حق مہر کے مطالبہ سے پوری پوزی پرہیز کریں۔ نیز ولیوں کے تکلفات سے بچتے ہوئے صرف شرعی ولیمہ پر اکتفا کریں جس میں زوجین زیادہ تکلف نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کے حال کو درست فرمائے اور انہیں ہر بات میں سنت سے تمسک کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک شخص نے اپنی بیٹی دوسرے کو بیاہ دی اور اس کے عوض اس کی بہن یا بیٹی سے شادی کر لی اور حق مہر کسی کو بھی نہ دیا گیا۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : ایک شخص نے اپنی بیٹی دوسرے شخص کو بیاہ دی کہ اس کے عوض دوسرا شخص اپنی بیٹی یا بہن پہلے سے بیاہ دے گا اور ان لڑکیوں میں سے کسی کو بھی علامتی مہر نہ دیا گیا۔ کیا اس طرح ایک لڑکی کی دوسری لڑکی کے مقابل شادی جائز ہے۔ یا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں کے درمیان علامتی حق مہر مقرر ہو؟

س۔ ع۔ الما لکی

جواب : کسی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیٹی یا اپنی بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کے زیر ولایت ہو اس شرط پر بیاہ دے کہ دوسرا شخص یا اس کا بیٹا اپنی بیٹی یا اپنی بہن یا کسی بھی عورت کو جو اس کے زیر ولایت ہو بیاہ دے گا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور اس کا نام شغار رکھا ہے اور بعض لوگوں نے اس کا نام نکاح بدل رکھا ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس میں مہر کا نام لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نکاح سے منع کیا اور اسے شغار کا نام دیا اور اپنے الفاظ میں اس کی تفسیر یوں کی کہ : ”کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن دوسرے کو اس شرط پر بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کو اس سے بیاہ دے گا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کا ذکر نہیں کیا جو اس بات پر دلیل ہے کہ یہ نبی دونوں صورتوں میں ایسے سب نکاحوں کو عام ہے۔ اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہی ہے اور مسند اور سنن ابوداؤد میں سند جید کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امیر مدینہ نے آپ کو دو آدمیوں کے بارے میں لکھا کہ انہوں نے نکاح شغار کیا ہے اور دونوں نکاحوں میں مہر کا نام بھی لیا ہے۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ کو جواب لکھا اور اسے حکم دیا کہ ان دونوں نکاحوں میں جدائی کر دی جائے اور کہا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا اور اس لیے بھی کہ یہ شرط ان کے ولیوں کی طرف سے عورتوں پر ظلم کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ انہیں ایسی بات پر مجبور کرتے ہیں جو عورتوں کو ناپسند ہوتی ہے۔ انہوں نے ان عورتوں کو فروختنی مال بنا رکھا ہے۔ اپنی رغبت اور اپنی مصلحتوں کے مطابق جیسے چاہتے ہیں ان میں تصرف کرتے ہیں اور لوگ فی الواقع ایسا کچھ ہی کرتے ہیں مگر جسے اللہ چاہے (تو بچالے)۔

البتہ جو شغار کی تفسیر کے بارے میں ابن عمر کی حدیث میں آیا ہے کہ نکاح شغار یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی اس شرط پر دوسرے کو بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اسے بیاہ دے گا اور ان دونوں کا مہر نہ ہو تو یہ نافع کا کلام ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شغار سے متعلق تفسیر بہر حال نافع کی تفسیر پر مقدم ہے۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## کیا متعدد بیویوں میں عدل شرط ہے؟

سوال : متعدد بیویوں کا کیا حکم ہے؟ کیا بیاہ میں عدل شرط ہے اگر یہ جائز ہے تو کیا شب ببری اور جماع میں مساوات کا عدل بھی اس میں شامل ہے؟  
 نیز اس شخص کا کیا حکم ہے جو متعدد بیویوں سے صرف تقاخر اور خوشحالی کا ارادہ رکھتا ہے۔ باوجودیکہ وہ عدل پر قدرت رکھتا ہے؟

حمدان - ع - ۱

جواب : تعدد ازواج سنت ہے جو شخص اس کی قوت رکھتا ہو اور اس سے اس کا ارادہ اپنی شرمگاہ کی عفت، نظربینچے رکھنا، اولاد کی کثرت یا اس بنا پر امت کو جرأت دلانا ہو۔ تاکہ لوگ ان چیزوں کو اختیار کر کے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان چیزوں سے بے نیاز ہو جائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اور تاکہ لوگ امت اسلامیہ کی کثرت کے اسباب اپنائیں اور زمین میں اللہ کی عبادت کرنے والوں کی کثرت ہو یا ایسے ہی دوسرے پاکیزہ مقاصد ہیں۔

اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول حجت ہے :

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْبَيْنَةِ فَاذْكُرُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعًا فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُعَدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ آذَانٌ أَلَّا تَعُولُوا﴾

اور اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو، تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو اور اگر اس بات کا ڈر ہو کہ تم ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس طرح تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔ (النساء : ۳)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

تمہارے لیے اللہ کے رسول کی پیروی ہی بہترین روش ہے۔ (الاحزاب : ۲۱)  
 اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد بیویاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان عدل کرتے اور فرماتے :

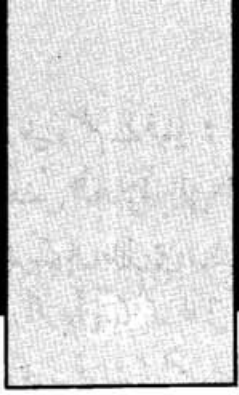
«اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلْمَنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ»

اے اللہ! یہ میری ان باتوں میں تقسیم ہے جن کی میں قدرت رکھتا ہوں اور جن باتوں کی قدرت تو رکھتا ہے، میں نہیں رکھتا ان میں قصور وار نہ ٹھہرانا۔



اس حدیث کو اہل السنن نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے مراد یہ ہے کہ عدل ان باتوں میں واجب ہے جو انسان کے اپنے بس میں ہیں۔ جیسے خرچہ دینا اور شب ب سری وغیرہ۔ رہی محبت اور جماع، تو یہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر کے طور پر جو سنت صحیحہ وارد ہیں ان پر عمل کرتے ہوئے کسی مسلم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ چار سے زیادہ بیویوں کو جمع کرے۔



## حرام قرار دینے کی قسم اور طلاق کا حکم

سوال : حرام قرار دینے کی قسم اور طلاق کا کیا حکم ہے۔ حتیٰ کہ ایسی قسم، حلف اٹھانے والے کی عادت بن جائے؟

ن۔ر۔ن۔الریاض

جواب : کسی چیز کو حرام کرنے کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ خواہ کسی حرام کام کے متعلق کہے کہ میں یہ ضرور کروں گا۔ یا یوں کہے : مجھ پر حرام ہے اگر میں ایسا کروں، یا یوں کہے۔ میں ایسا نہ کروں گا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿يَتَأْتِيهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ﴾

اے نبی! تم وہ چیز کیوں حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے؟ (التحریم : ۱)

نیز اپنی بیویوں سے ظہار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا :

﴿وَأَن تَقُولُوا لِنُفُسِنَا كَرَاهًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا﴾

اور یہ لوگ سخت ناپسندیدہ بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ (الجمادہ : ۲)

اور اس لیے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے بغیر کسی کی قسم اٹھانے سے منع کیا اور فرمایا :

« مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ »

جس نے اللہ کے بغیر کسی کی قسم اٹھائی۔ اس نے شرک کیا۔

اور بلاشبہ کسی حرام چیز کے متعلق انسان کا یہ کہنا کہ میں ایسا ضرور کروں گا، اللہ کے بغیر قسم اٹھانے کی ہی ایک قسم ہے۔

رہا طلاق کا معاملہ، تو اس کے متعلق قسم اٹھانا مکروہ ہے۔ جیسے یوں کہے۔ ”مجھ پر طلاق“ میں ایسا ضرور کروں گا، یا اگر میں ایسا کروں تو تجھ پر طلاق ہے۔ کیونکہ ایسا کہنے سے کبھی طلاق واقع ہو بھی جاتی ہے، جو شرعی سبب کے بغیر ہو تو اللہ کے ہاں حلال چیزوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت چیز ہے۔ اور یہ بات صرف غصہ یا کسی معاملہ میں تیزی دکھلانے کی وجہ سے ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللَّهِ : الطَّلَاقُ .

اللہ کے ہاں حلال چیزوں میں سے سب سے قابل نفرت چیز طلاق ہے۔

اور اگر یوں کہے کہ طلاق ہے میں ایسا ضرور کروں گا یا ایسا نہیں کروں گا تو یہ ناپسندیدہ بات ہے جو جائز

نہیں کیونکہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایک شخص نے یہ کہتے ہوئے قسم اٹھائی ”آئندہ سال اس پر طلاق“۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : ایک شخص جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی بھول کر یہ کہتے ہوئے قسم اٹھائی کہ ”آئندہ سال

اس پر طلاق میں یہ کچھ خریدوں گا“۔ اور جب وہ نہ خریدے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی . . . اور

اگر وہ نہیں خریدتا تو اس پر کیا تاوان ہے؟ یہ خیال رہے کہ اس کو کبھی طلاق کی قسم اٹھانے کی عادت نہ تھی۔ وہ

اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے۔

ن۔ ر۔ ن۔ الریاض

جواب : اس طرح کے کلام میں خاوند کی نیت کے حساب سے اس کے حکم میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

اگر خاوند کا مقصد اس چیز کے خریدنے پر اپنے نفس کو ابھارنا اور ترغیب دلانا تھا اور اپنی بیوی سے جدائی کا قصد

نہ تھا۔ اگرچہ اس نے ضرورت کی وہ چیز نہ خریدی ہو جس کا اس نے طلاق میں ذکر کیا ہے۔ تو یہ طلاق اہل علم

کے اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق قسم کے حکم میں ہوگی اور اس پر کفارہ لازم ہے۔ جو کہ دس مسکینوں کا

کھانا ہے۔ ہر مسکین کے لیے اس علاقہ کی خوراک سے نصف صاع ہے۔ خواہ یہ کھجور ہو یا کوئی اور چیز ہو اور

اس کی مقدار تقریباً کیلو ہے اور اگر وہ دس مسکینوں کو رات کو کھانا کھلائے یا صبح کا کھانا کھلا دے یا انہیں اتنی

پوشاک دے دے جس میں نماز ادا ہو سکتی ہو تو یہ کافی ہے۔

البتہ اگر اس کا ارادہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ہی تھا جبکہ اس نے وہ ضرورت کی چیز نہیں خریدی تو اس پر

طلاق واقع ہو جائے گی اور اسے ایک طلاق سمجھا جائے گا جبکہ اس نے فی الواقع وہی الفاظ کہے ہوں جو سوال

میں مذکور ہیں۔

مومن کو چاہیے کہ وہ ایسی مشتبہ باتوں میں طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اکثر اہل علم

صرف اتنی بات پر ہی طلاق واقع کر دیتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ »

جو شخص شبہات سے بچا رہا، اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

اگر شادی شدہ آدمی زنا کرے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے؟

سوال : جب ایک شخص زنا کرے اور وہ شادی شدہ ہو تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے . . . ؟

ساری۔ غ۔ اقصیم

جواب : ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر حرام نہیں ہوتا اور ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ لازمی ہے اور توبہ سچی ہو پھر اس کے بعد ایمان صادق اور نیک اعمال کیے جائیں۔ سچی توبہ صرف اس صورت میں ہوگی کہ توبہ کرنے والا وہ گناہ مطلقاً چھوڑ دے۔ گزشتہ فعل پر نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے، اسے بزرگ سمجھتے ہوئے، اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے آئندہ وہ کام کبھی نہ کرنے کا پختہ عزم کرے . . . ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾

جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر ہدایت پر قائم رہے تو میں اسے بخشنے والا ہوں۔

(طہ : ۸۲)

نیز فرمایا :

﴿يَتَابَتِهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو۔ (التحریم : ۸)

نیز فرمایا :

﴿وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهُ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

اور زنا بہت بڑی حرام چیز اور بڑے بڑے گناہوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو، ناحق قتل کرنے والوں کو اور زانیوں کو ان کے ان بڑے بڑے جرائم اور قبیح افعال کی وجہ سے قیامت کے دن دگنے عذاب اور جہنم میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر رہنے کی وعید سنائی ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا ءَاخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا

يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَسْاْمًا ﴿٦٨﴾ يُضْعَفُ لَهٗ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ

مُهَكَمًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو اللہ نے مار ڈالنا حرام کیا

ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق سے۔ نہ ہی بدکاری کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔ قیامت کے دن عذاب اس کے لیے دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے۔ (الفرقان - ۶۸-۶۹-۷۰)

لہذا ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ وہ اس عظیم بے حیائی اور اس کے وسائل سے ممکنہ حد تک بچے اور گزشتہ افعال پر سچی توبہ کرنے میں جلدی کرے۔ اور اللہ تعالیٰ سچی توبہ کرنے والوں کو معاف فرماتے اور انہیں بخش دیتے ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اگر عورت اپنے خاوند کو حرام کرے یا اپنے کسی محرم سے تشبیہ دے تو اس کا حکم

سوال : جب عورت اپنے خاوند سے یوں کہے کہ اگر تو نے یہ کام کیا تو مجھ پر ایسے ہی حرام ہے جیسے میرا باپ یا اس پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ چاہے . . . یا اس کے بالکس صورت ہو۔ تو اس کا کیا حکم ہے؟

جاری - ع - سبت العلایا

جواب : اگر عورت اپنے خاوند کو حرام قرار دے یا اسے اپنے کسی محرم سے تشبیہ دے تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے، ظہار کا نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی نص کی رو سے ظہار صرف مرد ہی اپنی عورتوں سے کر سکتے ہیں۔ اور عورت پر قسم کا کفارہ لازم ہے جو دس مسکینوں کا کھانا ہے۔ ہر مسکین کو اس شرکی غذا سے نصف صاع دینا ہوگا جس کی مقدار ڈیڑھ کیلو ہے یا وہ عورت دس مسکینوں کو صبح کا یا شام کا کھانا کھلا دے یا انہیں ایسی پوشاک دے جو کم از کم نماز ادا کرنے کو کافی ہو تو کفارہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّرتَهُهُوَ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفْرَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَأَحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ ﴾

اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر مواخذہ نہیں کرے گا۔ لیکن جو قسمیں تم پختہ کرلو (پھر پورا نہ کرو) ان پر مواخذہ کرے گا۔ تو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو۔ یا ان کو کپڑے دینا، یا ایک غلام آزاد کرنا اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسمیں کھالو (اور اسے پورا نہ کرو) اور تمہیں چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ (المائدہ : ۸۹)

اور اگر عورت اس چیز کو حرام کرتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال کیا ہے تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر مرد اس چیز کو حرام کرتا ہے جو اللہ نے اس کی بیوی کے سوا اس کے لیے حلال کی ہے تو اس

کا حکم بھی قسم کا حکم ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿يَأْتِيهَا النَّبِيُّ لِمَ تَحْرِمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْلَغِي مَرْضَاتِ أَرْوَاحِكَ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٢﴾﴾

اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہے اسے حرام کیوں کرتے ہو؟ کیا (اس سے) اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (التحریم : ۱-۲)

مگر جب مرد اپنی بیوی کو حرام کرے گا تو اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق اس کا حکم ظہار کا حکم ہوگا۔ جبکہ یہ تحریم ایضاً وعدہ کی صورت میں ہو یا کسی شرط سے مشروط ہو۔ جس سے مقصود اہمیت، ممانعت، تصدیق یا تکذیب نہ ہو۔ جیسے وہ یوں کہے : تو مجھ پر حرام ہے یا میری بیوی مجھ پر حرام ہے یا محرم ہے جبکہ رمضان آجائے یا ایسی ہی کوئی بات کہے تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ”تو مجھ پر ایسے ہے جیسے میری ماں کی پشت“ کا حکم ہوگا اور یہ حکم علماء کے صحیح تر قول کے مطابق ہے جیسا کہ پہلے مزرچکا اور یہ کہنا حرام، مکروہ بات اور جھوٹ ہے اور ایسا کہنے والے پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ لازم ہے اور ظہار کا کفارہ رجوع کرنے سے پیشتر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ مجادلہ میں فرماتے ہیں :

﴿الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِمَّن نَسَأَ بِهِمْ مَا تُهِنُّ أَمْهَنَّهُمْ إِنْ أَمْهَنَّهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُورٌ غَفُورٌ ﴿٢﴾﴾

تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی ماںیں نہیں (بن جاتیں) ان کی ماںیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ (المجادلہ : ۲)

پھر فرمایا :

﴿وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نَسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ ذَلِكُمْ تَوْعُظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣﴾ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَّ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ﴿٤﴾﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں۔ پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (انہیں) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس حکم سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے اور جس شخص کو غلام میسر نہ آئے تو وہ ہم بستر ہونے سے پہلے متواتر دو ماہ کے روزے رکھے اور جو یہ بھی نہ کر سکے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (المجادلہ : ۳-۴)

اور جب کوئی شخص غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے سے عاجز ہو تو اس پر ہر مسکین کے لئے شہری

خوراک سے نصف صاع طعام دینا واجب ہے۔

اور اگر عورت اپنے خاوند پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ مانگے تو یہ بات اس عورت پر حرام ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اللہ کے حضور توبہ کرے اور اپنے خاوند سے معافی مانگے اور اس بات سے اس کا خاوند اس پر حرام نہیں ہو جاتا اور اس کلام کا اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

اسی طرح اگر مرد عورت پر لعنت کرے یا اس سے اللہ کی پناہ مانگے تو وہ اس پر حرام نہیں ہو جاتی البتہ اس کلام کی وجہ سے اس پر توبہ لازم ہے اور اس بیوی سے معافی بھی مانگے جس پر اس نے لعنت کی تھی۔ کیونکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان مرد یا عورت پر خواہ اس کی بیوی ہو یا کوئی اور ہو، لعنت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ بڑے گناہوں سے ہے۔ اسی طرح عورت کا اپنے خاوند یا کسی دوسرے مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ »

مومن پر لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ بن سکیں گے اور نہ سفارشی۔

نیز فرمایا :

« سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ »

مسلم کو گالی دینا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

## ایک کلمہ سے تین طلاقوں کا حکم

سوال : ایک ہی مجلس میں ایک کلمہ سے تین طلاق کو یا متفرق تین بار تین طلاق کہنے کو حرام اور ایسا کرنے والے کے گنہگار ہونے کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اکثر علماء نے اس میں بہت اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، دوسرے کہتے ہیں کہ ایک ہی واقع ہوگی اور ایک دوسرا فریق کہتا ہے کہ ایک بھی واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہ طلاق بدعی ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مشروع کی تھی، اس کے مخالف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ حکم صحیح کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو؟ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے تین طلاقوں کو ایک بنا دیا تھا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :

رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ پھر انہیں اس بات پر سخت غم لگ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ ”تم نے طلاق کیسے دی تھی؟“ رکانہ کہنے لگے۔ تین طلاق۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : ”کیا ایک ہی مجلس میں؟“ رکانہ نے جواب دیا! ”ہاں۔“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”یہ ایک ہی طلاق ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو اس سے رجوع کر لے۔“ چنانچہ رکانہ نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔

سلیمان - م - میہ کالج ریاض

جواب : اس مسئلہ میں درست بات یہ ہے کہ اگر مرد ایک کلمہ سے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے تو وہ ایک ہی شمار ہوگی۔ جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں : ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ لوگ اس معاملہ میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کے لیے مہلت تھی۔ تو اب کیوں نہ ہم اسے تین طلاق ہی نافذ کریں۔ چنانچہ آپ نے لوگوں پر تین طلاقیں ہی نافذ کر دیں۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردوں میں سے اہل علم کی ایک جماعت اور کئی دوسروں نے بھی اس بات کو اختیار کیا ہے اور امام محمد بن اسحاق صاحب السیرۃ بھی اس بات کے قائل ہیں اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی یہی بات اختیار کی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ہی یہ بات بھی پسند کی ہے کہ دوسری اور تیسری طلاق صرف نکاح یا رجعت کے بعد ہی واقع ہوں گی اور اس کی کئی وجوہ بھی ذکر کی ہیں۔ لیکن میں دلائل شرعیہ سے ایسی کوئی چیز نہیں جانتا جو ان کے دوسرے قول کی تائید کرتی ہو۔ نہ ہی میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی ایسی چیز جانتا ہوں جو اس کی مؤید ہو اور درست بات یہی ہے کہ جب ایک ہی کلمہ سے تین طلاق کہا جائے تو اسے اسی حد تک محدود رکھا جائے (یعنی ایک ہی طلاق سمجھا جائے)۔

ربی ابو رکانہ والی حدیث تو وہ اس موضوع میں صریح نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی سند میں بھی کلام ہے جو معروف ہے کہ داؤد بن حصین عکرمہ سے روایت کرتے ہیں اور اس روایت کو ایک جماعت نے کزور قرار دیا ہے۔ جیسا کہ یہ بات تقریب اور تہذیب اور ان کے علاوہ دوسری کتابوں میں داؤد بن حصین کے بیان سے معلوم ہو سکتی ہے۔



میرے بھائی نے اپنی بیوی سے کہا ”اسے طلاق ہے“ پھر اس نے کسی قاضی سے پوچھا تو اس نے کہا تمہیں اس سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟

سوال : میرے حقیقی بھائی نے شادی کی۔ کچھ عرصہ بعد اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان ایک طویل مباحثہ ہوا جو اس بات پر منتج ہوا کہ میرے بھائی نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ ”تجھے طلاق ہے“۔ وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ ایک ہفتہ بعد میرا بھائی ایک قاضی کے ہاں گیا اور پورا قصہ بیان کرنے کے بعد اپنی بیوی سے رجوع کرنے کے بارے میں پوچھا۔ قاضی نے اسے جواب دیا کہ اس کے لیے رجوع کرنا جائز نہیں حالانکہ وہ جانتا تھا کہ یہ پہلی طلاق تھی جو میرے بھائی نے اپنی بیوی کو دی تھی۔ میں اس صورت حال میں فضیلت ماب سے شرعی حکم کی وضاحت کی توقع رکھتا ہوں۔

غرم-۱- دام

جواب : اگر واقعہ یہی ہے، جو مسائل نے بیان کیا ہے کہ اس کے بھائی نے اپنی بیوی کو صرف ایک ہی طلاق دی اور اس کے علاوہ کوئی طلاق نہیں دی۔ تو جب تک وہ عدت میں ہے اس وقت تک خاوند اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے جبکہ طلاق کسی عوض کے بغیر ہو اور اس کا خاوند اس سے پیشتر اس سے صحبت کر چکا ہو۔ البتہ اگر یہ طلاق عوض والی (خلع) ہو یا وہ عورت غیر مدخولہ ہو تو مراجعت صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ معتبر شرعی شرائط کے مطابق اس کا نئے سرے سے نکاح ہو۔

اسی طرح اگر مدخولہ عورت رجوع کرنے سے پیشتر عدت سے نکل جائے تو وہ بھی نئے نکاح کے بغیر حلال نہ ہوگی۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے ایک بار طلاق کی مطلقہ ہو یا جیسے عوض پر دو طلاقیں پا چکی ہو۔

اور جو دلائل ہم نے ذکر کیے ہیں وہ معلوم ہیں۔ اس میں ہم نے ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی جس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جب گزر بسر دشوار ہو جائے اور عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : اگر عورت طلاق کا مطالبہ کرے، تو شرع کا کیا حکم ہے جبکہ گزر بسر دشوار ہو جائے۔ جس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

اولا : میرا خاوند جاہل ہے اور میرا حق نہیں پہچانتا۔ مجھے اور میرے والدین پر لعنت کرتا رہتا ہے۔ اس نے میرا نام یہودیہ، نصرانیہ اور رافضیہ رکھا ہے لیکن میں اپنے بچوں کی وجہ سے اس کی بد اخلاقی پر صبر کرتی ہوں لیکن جب میں التهاب المفاصل (جوڑوں کے درد) کے مرض میں مبتلا ہو گئی تو ایسی باتوں پر صبر کرنا میرے بس

سے باہر ہو گیا اور مجھے اس کی باتوں سے سخت تکلیف ہونے لگی۔ حتیٰ کہ مجھے اس سے کلام کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ لہذا میں نے اس سے طلاق طلب کی تو اس نے انکار کر دیا۔ یہ خیال رہے کہ یہ تقریباً چھ سال کی بات ہے کہ میں اس کے گھر میں اپنے بچوں کے پاس رہ رہی ہوں۔ میں اس کے نزدیک ایسے ہی ہوں جیسے مطلقہ یا اجنبی۔ لیکن وہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہے۔ میں فضیلت مآب سے اپنے سوال کے جواب کی توقع رکھتی ہوں۔

ل-ع-م-الریاض

جواب : اگر خاوند کا یہ حال ہے جو آپ نے ذکر کیا ہے، تو طلاق کے مطالبہ میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کے برے رہن سن اور بد کلامی جیسی زیادتیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے کچھ مال دے دیں تاکہ وہ آپ کو طلاق دے دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان باتوں پر صبر کریں۔ ساتھ ہی اچھے انداز میں اسے نصیحت کرتی رہیں اور اپنے بچوں کی خاطر اور اس کے آپ پر اور آپ کے بال بچوں پر خرچ کرنے کی وجہ سے اس کے لیے ہدایت کی دعا کرتی رہیں۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ اس میں آپ کے لیے اجر اور انجام کی بہتری ہوگی اور ہم تمہارے خاوند کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور استقامت کی دعا کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ وہ نماز ادا کرتا ہو اور دین کو گالی نہ دیتا ہو۔

اور اگر وہ نماز ادا نہیں کرتا اور دین کو گالی دیتا ہے تو وہ کافر ہے اور آپ کے لیے اس کے ساتھ رہنا اور اپنے آپ کو اس کے قبضہ میں دینا جائز نہیں کیونکہ اسلام کو گالی دینا یا اس سے استہزاء کفر اور گمراہی ہے اور اہل علم کے اجماع کے مطابق دین سے ارتداد ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ يَا آللهِ وَيَا اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿١٥﴾ لَا تَعْتَدُوا فَاَنْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كُفْرًا ۚ تَعْتَدُوْنَ ۗ﴾  
 آپ کہہ دیجئے کیا تم اللہ، اس کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے ہنسی کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ۔ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔ (التوبہ : آیت ۶۵)

اور اس لیے بھی (آپ کو خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے) کہ علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق نماز چھوڑنا کفر اکبر ہے اگرچہ وہ اس کے وجوب کا منکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشَّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ»  
 آدمی اور کفر و شرک کے درمیان نماز کا ترک ہے۔

اور امام احمد اور اہل السنن نے بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے۔ لہذا جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا۔ اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے، کتاب و سنت میں اس پر دوسرے دلائل بھی موجود ہیں۔ واللہ المُنْتَعَانُ.

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرد کا اپنی بیوی کو یہ حق دینا ثابت ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے سکے؟

سوال : شریعت اسلامیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ طلاق مرد کے حقوق میں سے ایک حق ہے لیکن علماء کی اکثریت نے خاوند کے اپنے اس حق کو اپنی بیوی کو دے دینے میں یعنی اپنے آپ کو طلاق دینے میں اور وکیل بنانے کے مسئلہ میں کئی راہیں اختیار کیں ہیں۔ جیسا کہ خاوند کسی شخص کو یہ حق دے دے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے سکے۔

میرا سوال یہ ہے کہ آیا ایسا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

سلیمان - م - طیبہ کالج - الریاض  
جواب : طلاق کے لیے عورت کو یا کسی دوسرے کو وکیل بنانے کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں جانتا۔ لیکن علماء نے یہ مسئلہ کتاب و سنت کے ان دلائل سے اخذ کیا ہے جو مالی حقوق اور ان سے ملتے جلتے حقوق کے لیے کسی نیک چلن آدمی کو وکیل بنانے کے سلسلہ میں ملتے ہیں اور طلاق مرد کے حقوق میں سے ایک حق ہے تو اگر وہ اپنی بیوی کو خود طلاق دینے کے معاملہ میں وکیل بنائے یا کسی دوسرے شخص کو بیوی کی طلاق میں وکیل بنائے جس میں اسے وکیل بنانے کی اسناد درست ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس بارے میں شرعی قاعدہ کے مطابق عمل کیا جائے لیکن خاوند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو تین طلاق واقع کرنے کے لیے وکیل بنائے، کیونکہ یہ بات خاوند کے اپنے لیے بھی جائز نہیں۔ لہذا وکیل بنانے کے لئے یہ بات بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوئی۔ جیسا کہ نسائی نے اسناد جید کے ساتھ محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر غصہ آگیا اور فرمایا :

« أَيْلَعَبُ بَكْتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ » الحدیث

کتاب اللہ سے یوں کھیلا جا رہا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔

اور صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کسی نے ان سے طلاق سے متعلق پوچھا تو آپ نے اسے یہ جواب دیا کہ اگر تم نے تین طلاقیں دی ہیں تو تم نے اپنے پروردگار کے ایک ایسے حکم کی نافرمانی

کی جو اس نے تمہاری بیوی کو طلاق کے بارے میں تمہیں دیا تھا۔

جو شخص اپنی بیوی کی ڈبر میں وطی کرے اس کا حکم؟

سوال : ایک قاری عورت کی ڈبر میں وطی کے متعلق سوال کر رہا ہے اور جو شخص ایسا کرے، کیا اس پر کفارہ ہے؟

س-ع-س

جواب : عورت کی ڈبر میں وطی کرنا کبیرہ گناہوں اور بدترین نافرمانیوں میں سے ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي دُبْرِهَا »

جو شخص اپنی عورت کی ڈبر میں وطی کرے وہ ملعون ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَوْ امْرَأَةً فِي دُبْرِهَا »

جس شخص نے کسی مرد سے یا عورت کی ڈبر میں وطی کی، اللہ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

اور جو شخص ایسا کام کرے اس پر جلد از جلد توبہ کرنا واجب ہے۔ جو یہ ہے کہ وہ گناہ چھوڑ دے اور یہ ترک اللہ کی تعظیم اور اس کے عذاب سے بچنے کی وجہ سے ہو اور جو کچھ وہ کر چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ وہ کام دوبارہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ ساتھ ہی نیک اعمال کی کوشش بھی کرے اور جو شخص سچی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کرتا اور اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴾

اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے پھر سیدھے راستے پر چلے اس کو میں بخش

دینے والا ہوں۔ (طہ : آیت ۸۲)

اور سورہ فرقان میں فرمایا :

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿١٦﴾ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٨﴾

اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان (انسان) کو اللہ نے مارتا حرام کیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق سے۔ اور نہ وہ بدکاری کرتے ہیں اور جو شخص ایسے کام کرے سخت گناہ میں

بتلا ہوگا۔ قیامت کے دن اس کے لیے عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (الفرقان : ۶۸، ۶۹، ۷۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الإِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ ، وَالتَّوْبَةُ تُهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا »

اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور توبہ اپنے سے پہلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔

اور اس معنی میں آیات و احادیث بہت ہیں۔

اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق ایسے شخص پر کوئی کفارہ نہیں جو دبر میں وطی کرے،

نہ ہی اس کی بیوی اس پر حرام ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے نکاح میں بحال رہے گی۔

اور عورت پر لازم ہے کہ اس منکر عظیم میں اپنے خاوند کی اطاعت نہ کرے۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ

اسے اس کام سے روکے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے اپنا نکاح فسخ کرنے کا مطالبہ کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے

اس بات سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔



ایک عورت اپنی بیٹی کے خاوند (اپنے داماد) سے پردہ کرتی ہے، نہ اس کے ساتھ کھاتی ہے، نہ اسے سلام کہتی ہے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال : یہاں ایک عورت ہے۔ جس کے پاس اس کی شادی شدہ بیٹی ہے اور یہ عورت اپنے داماد سے پردہ کرتی ہے اور اس کے ساتھ کھانا نہیں کھاتی۔ حتیٰ کہ تقریبات میں بھی اسے سلام نہیں کہتی۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

سعید۔ ۱

جواب : بیٹی کا خاوند بیٹی کی ماں کے لیے محرم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ محرمات کے بیان میں فرماتے

ہیں :

﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾

اور تمہاری بیویوں کی مائیں (بھی تم پر حرام ہیں)۔ (النساء : ۲۳)

اور اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے۔ گویا بیوی کی ماں اور دادیاں خواہ وہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے، مذکورہ بالا آیت کی رو سے، سب کی سب عورت کے خاوند کے لیے حرام ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس سے پردہ نہ کریں یا اس کے ساتھ کھانا کھائیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو بہتر اور افضل ہے۔ مبادا ان دونوں میں الفت اور محبت زیادہ ہو اور اللہ کے اس حکم کی اطاعت ہو جائے جو اس عورت کے لیے مباح تھا۔

میری بیوی اپنے گھروالوں کی عادت کے طور پر برقع پہنتی ہے۔ کیا اس کے لئے یہ جائز ہے؟

سوال : میں نے اپنے گاؤں کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کی۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری بیوی کا کردار بلند ہے۔ میں نے اسے دینی امور سے متعلق تعلیم دی ہے اور ہمارے ہاں عورتیں برقع پہنتی ہیں۔ میں نے باتوں باتوں میں اپنی بیوی سے کہا کہ وہ چادر سے پردہ کرے اور برقع چھوڑ دے۔ اس نے چند دن کے لیے تو میری بات مان لی لیکن پھر وہی پہلا طریقہ شروع کر دیا۔ کیونکہ اس کے گھروالوں کے گھریلو نظام میں اسی پر عمل

ہوتا ہے اور میری بیوی ان کاموں میں انہی کی تائید کرتی ہے اور ہمارے ہاں بعض لوگوں کی یہی عادت ہے جبکہ میری بیوی اپنے میکے میں رہتی ہے اور ان کے ہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہوتا جو گھر کی دیکھ بھال کرنے والا ہو۔

میرا سوال یہ ہے کہ آیا میں اپنی بیوی کو برقع چھوڑنے اور چادر سے معروف طریقہ پر پردہ کرنے کا پابند کر سکتا ہوں، یہ خیال رہے کہ برقع سے اس کی آنکھوں کے سوا کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی؟ پھر کیا میں اپنی بیوی کے گھروالوں سے یہ مطالبہ کر سکتا ہوں کہ وہ اسے چھوڑ دیں تا کہ وہ میرے ساتھ چلے؟ میں آپ سے شافی جواب پانے کی توقع رکھتا ہوں۔

ناصر-۱- سراقہ-عبیدہ

جواب : اگر برقع دو آنکھوں یا ایک آنکھ کے سوا باقی چہرہ چھپا لیتا ہے تو اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ ایسے برقعہ سے اس عورت کو پردہ دار ہی سمجھا جائے گا جو زینت کو ظاہر کرنے والی نہیں اور اس معاملہ میں ہر قوم کی اپنی اپنی عادت ہوتی ہے۔

رہا آپ کا اس کے گھروالوں سے یہ مطالبہ کہ وہ اس کو آپ کے حوالہ کر دیں تو یہ بات آپ ہی کی طرف لوٹتی ہے . . . جب گھروالوں کو آپ کی بیوی سے کوئی حاجت ہو اور وہ ان کے ہاں رہے تو اس میں آپ کا کچھ نقصان نہیں۔ آپ کے لیے بہتر یہ ہے کہ آپ اس معاملہ میں فراخ دلی سے کام لیں۔ کیونکہ اس بات میں ان کی حاجت پوری ہونے میں تعاون اور ان کے لیے آسانی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« يَسِّرُوا وَلَا تَعَسِّرُوا »

لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرو، تنگی نہ پیدا کرو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ ؛ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ »

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے۔

اور اس باب میں بہت سی صحیح احادیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے جو اسے پسند

ہے۔

## اجنبی عورت سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟

سوال : اجنبی عورت سے مصافحہ کا کیا حکم ہے؟ اور جب عورت اپنے ہاتھ پر کپڑے وغیرہ کی آڑ کرے تو کیا حکم ہے؟ اور اگر مصافحہ کرنے والا جوان ہو یا بوڑھا ہو یا مصافحہ کرنے والی بڑھیا ہو تو کیا حکم مختلف ہو جائے گا؟

عبد اللطیف - م - ع - الرياض

جواب : غیر محرم مردوں سے عورتوں کو مصافحہ کرنا مطلقاً جائز نہیں۔ خواہ عورتیں جوان ہوں یا بوڑھی اور خواہ مصافحہ کرنے والا نوجوان ہو یا بہت بوڑھا، کیونکہ اس میں دونوں میں سے ہر ایک کے لیے فتنہ کا خطرہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :  
 « إِنِّي لَا أَصَافِحُ النِّسَاءَ »  
 میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

« مَا مَسَّتْ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ ؛ مَا كَانَ يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِالْكَلَامِ »

کسی عورت کے ہاتھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو کبھی نہیں چھوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صرف کلام سے بیعت فرماتے تھے۔

اور دلائل میں عموم کی وجہ سے اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مصافحہ کرتے وقت ہاتھ پر کپڑا وغیرہ رکھ لیا جائے اور اس لیے بھی یہ جائز نہیں کہ یہ فتنہ کی طرف لے جانے والے ذرائع کا سدباب ہے۔

خوشبو لگا کر عورت کے باہر نکلنے پر حکم

سوال : کیا عورت کے لئے جائز ہے کہ جب وہ مدرسہ یا ہسپتال یا رشتہ داروں یا ہمسایوں کو ملنے کے لئے جائے تو خوشبو لگا کر نکلے؟

قاریہ

جواب : اگر عورت کسی عورتوں کے اجتماع میں جائے اور راستہ میں مردوں کے قریب سے نہ گذرنا پڑے، تو اسے خوشبو لگانا جائز ہے۔ لیکن اگر وہ خوشبو لگا کر بازار جائے جہاں مرد ہوتے ہیں تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَصَابَتْ بَخُورًا ، فَلَاتَشْهَدَنَّ مَعَنَا الْعِشَاءَ »

جو عورت خوشبو لگائے، وہ ہمارے ساتھ عشاء میں شامل نہ ہو۔



اور اس بارے میں اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں۔ کیونکہ عورتوں کا خوشبو لگا کر ایسے راستے کی طرف نکلنا جہاں مرد ہوں یا وہ کہیں مل بیٹھتے ہوں، مساجد میں جانے کی طرح ہے اور یہ فتنہ کے اسباب سے ایک سبب ہے۔ لہذا عورت کا اپنے آپ کو پوری طرح ڈھانپنا اور زینت کی نمائش سے بچنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ﴾

عورتیں اپنے گھروں میں قرار پکڑے رہیں اور پہلی جاہلیت کی طرح زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں۔  
(الاحزاب : ۳۳)

اور حسن اور فتنہ والی جگہوں مثلاً چہرہ اور سر وغیرہ کا اظہار بھی نمائش میں شامل ہے۔

### عورتوں کا مردوں کو بوسہ دینے کا حکم

سوال : میں کبھی کبھی چھ ماہ یا سال بعد اپنے گھر اور قبیلہ والوں کے ہاں جایا کرتا ہوں اور جب گھر پہنچتا ہوں تو چھوٹی بڑی سب عورتیں میرا استقبال کرتی ہیں اور شرماتی، لجاتی ہوئی مجھے بوسہ دیتی ہیں . . . اور حق بات کہنا ہی چاہیے۔ یہ عادت ہمارے ہاں بہت عام ہے اور میرے خاندان والے اپنی رائے کے مطابق یہ ہرگز نہیں سمجھتے کہ وہ کسی حرام کام کا ارتکاب کر رہے ہیں . . . لیکن میں چونکہ اللہ کی مہربانی سے اسلامی ثقافت کو اپنا رہا ہوں، اس کام پر حیران و پریشان رہ جاتا ہوں۔

میرے لیے کیسے ممکن ہے کہ میں عورتوں کے بوسہ دینے کی تلافی کر سکوں۔ جبکہ میں یہ جانتا ہوں کہ اگر میں ان سے صرف مصافحہ کروں تو وہ مجھ پر غضبناک ہو جائیں گی اور کہیں گی کہ یہ ہمارا احترام نہیں کرتا اور ہم سے نفرت کرتا ہے، محبت نہیں کرتا۔ ”محبت تو وہ ہوتی ہے جو افراد کو باندھے رکھے، نہ وہ جو نوجوان مرد کو نوجوان عورت سے ملائے۔“

اور اگر میں انہیں بوسہ دوں تو کیا میں گناہ کا مرتکب ہوں گا؟ یہ خیال رہے کہ میں اس میں کوئی بری نیت نہیں رکھتا۔

محمد - ع - ۱ - تونس

جواب : مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور دوسری محرمات کے علاوہ کسی عورت سے ہاتھ ملائے یا انہیں بوسہ دے۔ بلکہ یہ بات حرام، فتنہ اور فواحش کے ظہور کا سبب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِنِّي لَا أَصَافِحُ النِّسَاءَ »

اور میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیعت کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہ چھوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی بیعت گفتگو سے کیا کرتے تھے۔ اور غیر محرم عورتوں کو بوسہ دینا تو مصافحہ سے بھی بری چیز ہے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ چچا کی بیٹیاں ہیں یا ماموں کی بیٹیاں ہیں یا ہسائیاں ہیں یا قبیلہ کی عورتیں ہیں۔ مسلمانوں کے اجماع کے مطابق یہ کام حرام ہے اور حرام بے حیائیوں کے واقع ہونے کے وسائل میں سے ایک بہت بڑا وسیلہ ہے۔ لہذا ہر مسلمان کے لیے اس سے بچنا لازم ہے اور ان کاموں کی عادی تمام عورتوں کو اقارب سے اور دوسروں سے پردہ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں حرام ہیں۔ اگرچہ لوگ ان کے عادی ہوں اور کسی مسلمان مرد یا عورت کو ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگرچہ ان کے رشتہ دار یا اہل وطن ایسا کرنے کے عادی ہوں۔ بلکہ اس کا انکار اور پورے معاشرہ کو اس سے ڈرانا واجب ہے اور مصافحہ یا بوسہ کے بغیر صرف سلام کے ساتھ کلام پر اکتفا کرنا چاہیے۔

ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ جب کوئی سفر سے واپس آئے تو عورتیں رشتہ داروں کو بوسہ لیتی ہیں۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سوال : میں آج کل ریاض شہر میں رہتا ہوں اور یہاں میرے رشتہ دار بھی رہتے ہیں، جو انتہائی قریبی ہیں۔ مثلاً میری خالہ کی بیٹیاں، میرے چچاؤں کی بیویاں اور ان کی بیٹیاں۔ میں جب کبھی انہیں ملنے جاتا ہوں تو انہیں سلام کہتا ہوں۔ وہ مجھے بوسہ دیتی اور میرے ساتھ بیٹھ جاتی ہیں اور پردہ نہیں کرتیں اور میں اس طور طریقہ سے تنگی محسوس کرتا ہوں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ جنوبی ممالک میں یہ عادت اکثر اور عام ہے۔ اس عادت کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں اور میں اس بارے میں کیا کروں؟ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

عائض۔ ۱

جواب : یہ عادت بری، منکر اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہے۔ آپ کے لیے یہ جائز نہیں کہ آپ انہیں بوسہ دیں یا ان سے مصافحہ کریں۔ کیونکہ چچاؤں کی بیویاں، چچا کی اور ماموں کی بیٹیاں آپ کے لیے محرم نہیں ہیں۔ ان پر واجب ہے کہ وہ آپ سے پردہ کریں اور اپنی زینت کو آپ پر ظاہر نہ کریں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾

اور جب تمہیں ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردہ کے پیچھے رہ کر مانگو۔ یہی بات تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزہ ہے۔ (الاحزاب : ۵۳)

اور علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق یہ آیت نبی کی بیویوں اور دوسری سب عورتوں کو عام ہے اور جو شخص یہ کہے کہ یہ آیت صرف نبی کی بیویوں سے مختص ہے تو اس کا قول باطل ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور اللہ سبحانہ تعالیٰ سورہ نور میں عورتوں کے بارے میں فرماتا ہے :

﴿ وَلَا يُدْرِيكَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءَ بُعُولَتِهِنَّ ﴾

اور وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں، اپنے باپوں اور خاوندوں کے باپوں کے لیے . . .

(النور : ۳۱)

اور آپ ان متشکی کردہ لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ آپ اپنے چچا اور ماموں کی بیٹیوں اور چچاؤں کی بیویوں کے لیے اجنبی ہیں۔ یعنی ان کے محرموں سے نہیں ہیں۔ لہذا آپ پر واجب ہے کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے انہیں باخبر کریں اور یہ فتویٰ انہیں پڑھ کر سنائیں تا آنکہ وہ آپ سے معذرت کریں اور اس معاملہ میں شرع کا حکم جان لیں اور آپ انہیں بس سلام کہہ دیا کریں۔ بوسہ دینا، لینا یا مصافحہ ہرگز نہ کریں۔ جیسا کہ ہم نے آیات کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے بھی کہ جب ایک عورت نے آپ سے مصافحہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا: ﴿إِنِّي لَا أَصَافِحُ النِّسَاءَ﴾ (میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا)۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی وجہ سے بھی ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ صرف کلام سے ہی عورتوں کی بیعت کیا کرتے تھے“۔

نیز صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق واقعہ اٹک مذکور ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ ”جب میں نے صفوان بن معطل کی آواز سنی تو میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور حجاب کا حکم نازل ہونے سے پیشتر اس نے مجھے دیکھا تھا“۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آیت حجاب نازل ہونے کے بعد عورتیں اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حالات کو درست فرمائے اور دین میں سمجھ عطا فرمائے . . . اور توفیق دینے

والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بالغ بیٹی کو بوسہ دے؟

سوال : کیا کسی شخص کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو بوسہ دے۔ جب وہ بڑی ہو جائے اور سن بلوغ سے آگے نکل جائے۔ خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اور خواہ اس کے رخسار کا بوسہ لیا جائے یا منہ وغیرہ کا، اور جب وہ انہی مقامات کا بوسہ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

عبدالرحمن - ع - ۱

جواب : اگر کوئی شخص بلا شہوت اپنی بیٹی کا، خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی ہو، بوسہ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جب وہ بڑی ہو تو بوسہ اس کے رخسار پر ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رخسار کا بوسہ لیا تھا۔ چونکہ منہ کا بوسہ لینا کبھی جنسی شہوت کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ لہذا اسے ترک کرنا ہی بہتر اور محتاط روش ہے۔ اسی طرح اگر بیٹی اپنے باپ کا بوسہ لے تو بلا شہوت اس کے ناک یا سر کا بوسہ لے اور اگر شہوت کے ساتھ ہو تو سب کے لیے حرام ہو گا تا کہ فتنہ کا قلع قمع اور بے حیائی کا سد باب ہو۔ . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

عورت کے لیے مسلم اور غیر مسلم سب ملکوں میں پردہ واجب ہے

سوال : بیرون ملک سفر کرتے ہوئے کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اپنا چہرہ کھول لوں اور پردہ اٹھا دوں۔ کیونکہ ہم لوگ اپنے وطن سے دور ہوتے ہیں اور ہمیں کوئی نہیں پہچانتا۔ یہ اس لیے کہ میری والدہ اسے بیہودہ خیال کرتی ہے اور میرے والد کو ابھارتی ہے کہ وہ مجھے چہرہ کھولنے پر مجبور کرے۔ کیونکہ جب میں چہرہ ڈھانپتی ہوں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان کی طرف سے نظر پھیر لی ہے۔

مولوہ - ح - ع

جواب : آپ کے لیے اور نہ ہی کسی دوسری عورت کے لیے، کفار کے ملک میں سفر کے دوران پردہ اٹھانا جائز نہیں، جیسا کہ مسلمان ممالک میں بھی جائز نہیں۔ بلکہ اجنبی مردوں سے پردہ واجب ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر۔ بلکہ کافروں سے تو پردہ کا وجوب اشد تر ہے کیونکہ ان کا ایمان ہی نہیں، جو انہیں ان باتوں سے روکے، جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔

اور آپ کے لیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے والدین کی اور نہ ہی کسی دوسرے کی ایسے فعل میں اطاعت جائز ہے۔ جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہو اور اللہ سبحانہ اپنی کتاب میں سورہ احزاب میں فرماتے ہیں :-

﴿وَاذْأَسْأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾

اور جب ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا ہو تو حجاب کے پیچھے سے مانگو۔ یہی بات تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے پاکیزہ ہے۔ (الاحزاب : ۵۳)

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمادی کہ عورتوں کا غیر محرم مردوں سے پردہ کرنا سب کے دلوں کے لیے پاکیزہ تر بات ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں فرمایا :

﴿وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ... إِلَى أَنْ قَالَ سُبْحَانَ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ﴾

اور اے پیغمبر! آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں... تا آنکہ فرمایا... اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں سے یا اپنے باپوں سے یا اپنے خاوندوں کے باپوں سے۔ (النور : ۳۱)

کیا سفر میں ایک عورت کے لیے دوسری کو محرم سمجھا جائے؟

سوال : کیا سفر میں یا حضور وغیرہ میں ایک عورت کو دوسری اجنبی عورت کے لیے محرم سمجھا جائے یا نہیں؟

علی - ع - ۱ - ۱ - القسم

جواب : کوئی عورت دوسری کے لیے محرم نہیں۔ محرم تو صرف وہ شخص ہے جو عورت کے نسب کے لحاظ سے اس پر حرام ہو۔ جیسے اس کا باپ اور اس کا بھائی یا مباح کا سبب ہو۔ جیسے خاوند اور خاوند کا باپ اور خاوند کا بیٹا اور جیسے رضاعی باپ یا رضاعی بھائی اور دوسرے محرم رضاعی رشتے۔

کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی اجنبی عورت سے خلوت کرے اور نہ ہی اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ »

کوئی عورت اپنے محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔

اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

اور اس لیے بھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَا يَخْلُونَ رَجُلًا بِامْرَأَةٍ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ نَالِيَهُمَا »

جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ علیحدہ ہوتا ہے تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔  
اس حدیث کو امام احمد وغیرہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اسناد صحیح کے ساتھ روایت  
کیا . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

میری بیوی واجبات پورے کرتی ہے مگر چچا زاد بھائیوں سے پردہ نہیں کرتی  
میں نے اسے سمجھایا مگر وہ باز نہیں آتی۔ مجھے کیا کرنا چاہئے؟

سوال : میں شادی شدہ ہوں اور میری بیوی سے میرے چار بچے ہیں اور میری بیوی اپنے چچا زاد  
بھائیوں سے پردہ نہیں کرتی۔ میں نے اسے ان سے پردہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے اس بات کو تسلیم نہ کیا۔ پھر  
میں نے اس کے گھر والوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی بیٹی کو پردہ کرنے کا حکم دیں . . . مگر انہوں نے انکار  
کر دیا . . . اور مجھے معلوم ہوا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی بیٹی کو اس کے چچا زاد بھائیوں سے پردہ  
کرنے سے منع کر رکھا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ مختلف طریقوں سے کوشش کی لیکن سب بے  
سود . . . آخر میں انہوں نے مجھ سے یہ مطالبہ کر دیا کہ میں اس بات پر راضی ہو جاؤں یا پھر اسے طلاق  
دے دوں۔

بات یہی ہے۔ علاوہ ازیں میری بیوی گھر کے واجبات پوری کرتی ہے اور نماز ادا کرتی ہے۔ صرف یہ بات  
ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے احکام کا انکار نہیں کر سکتی۔

میری رہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ . . . اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح کی بھلائی سے جزا دے۔

قاری

جواب : آپ کی بیوی پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے چچا زاد بھائیوں اور تمام اجنبی مردوں سے  
پردہ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿إِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ﴾

اور جب تم کو ان (نبی کی بیویوں) سے کوئی چیز مانگنا ہو تو حجاب کے پیچھے سے مانگو۔ یہی بات تمہارے اور  
ان کے دلوں کے لیے پاکیزہ ہے۔ (الاحزاب : ۵۳)

اگر وہ پردہ کرے گی تو وہ خود بھی فتنہ کے اسباب سے محفوظ رہے گی اور دوسرے بھی محفوظ رہیں گے اور  
آپ پر اور اس کے گھر والوں پر واجب ہے کہ اسے سمجھائیں اور ڈرائیں اور جب وہ اس خصلت کے سوا  
پسندیدہ سیرت ہے تو آپ اس کی طلاق میں جلدی نہ کریں۔

انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کا ایمان اسے اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے

خاوند کی اطاعت پر آمادہ کر دے گا۔ اللہ اس کے دل میں ہدایت ڈال دے اور اسے اپنے نفس کے شر اور لوگوں کے شر سے بچائے۔

کیا کسی شخص کے لئے ٹیلی ویژن اور سینما کی تصویروں کی طرف دیکھنا جائز ہے؟

سوال : مرد اگر ان عورتوں کے چہروں اور اجسام کو دیکھیں جو ٹیلی ویژن یا سینما یا ویڈیو کے پردوں پر دکھائی جاتی ہیں یا گانے والی عورتیں پیش کی جاتی ہیں یا اوراق پر عورتوں کی تصاویر کو دیکھیں تو کیا یہ ان کے لیے جائز ہے؟

جواب : ایسی تصویروں کی طرف دیکھنا حرام ہے کیونکہ اس بات پر فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ سورہ نور کی آیت کریمہ اس طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُونَ فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴾

اے پیغمبر! مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ بات ان کے لیے پاکیزہ تر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کاموں سے خبردار ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (النور : ۳۰)

یہ آیت زندہ عورتوں اور تصویری عورتوں سب کو عام ہے۔ خواہ اوراق میں ہوں یا ٹیلی ویژن کے پردہ پر ہوں یا کسی اور چیز میں ہو۔

بری معاشرت

میں نے پردہ کیا تو میرے گھر والے میرا اور میرے خاوند کا مذاق اڑانے لگے۔ میں کیا کروں؟

سوال : میں ایک دور کے ملک میں شادی شدہ عورت ہوں۔ میرے خاندان والے دیندار نہیں۔ صرف روزے رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی نماز ادا نہیں کرتا . . . اپنی شادی سے پہلے مجھے چند نوجوان لڑکیوں کے متعلق معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی ہے . . . انہوں نے پردہ کرنا شروع کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے میں نے بھی پردہ شروع کر دیا۔ میں نماز ادا کرنے لگی اور قرآن پڑھنا، اسے حفظ کرنا، فقہ کے اکثر مسائل اور دین اسلام کے احکام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ میرے گھر والے میرا مذاق اڑاتے رہے اور جب بھی میں انہیں کچھ نصیحت کرتی تو مجھ سے لڑنا شروع کر دیتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک دیندار نوجوان عطا کیا اور میں نے اپنے گھر والوں کی مرضی سے اس سے شادی کی۔ اس کے باوجود وہ ہماری ہر بات اور ہر طور طریقے پر ہنستے اور ہمارا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کا مجھ سے سب سے زیادہ مطالبہ پردہ ترک کرنے کا ہوتا۔ وہ میرے خاوند کا بھی مذاق اڑاتے کیونکہ وہ غریب تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا اور میں اور میرا خاوند کام کرنے کی غرض سے سعودی عرب چلے آئے۔ میرے گھر والے آج تک مجھے ہتھیوں اور دوسرے طریقوں سے ٹھٹھا اور مذاق کی باتیں لکھ کر بھیجتے رہتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرو اور ہمیشہ اس پر ترغیب دیتے ہیں اور میری اس صورت حال پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے اور مجھے پس ماندگی کا طعنہ دیتے ہیں۔

یہ ہے میری مشکل۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں گے کہ میں کیا کروں؟

عائشہ - عزیزہ

جواب : اگر بات ایسی ہی ہے جو آپ نے کہی ہے تو آپ اللہ تعالیٰ کی شاکریں اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کریں کہ اس نے آپ کو علمی اور عملی دونوں طرح اسلام کی راہ دکھائی اور تمہیں نیک خاوند عطا فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آپ کی مدد کرتا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو اس نے تم دونوں پر انعام کیا ہے۔ لہذا تم دونوں پر لازم ہے کہ اس کا شکر اور ذکر کرتے رہا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل اور زیادہ کرے گا اور تمہیں حق پر ثابت قدم رکھے گا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۝﴾

اور جب تمہارے پروردگار نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

(ابراہیم : ۷)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝﴾

مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ میرا شکر ادا کرتے رہو، نا شکری نہ کرو۔ (البقرہ : ۱۵۲)

اور جس بات کی میں آپ کو وصیت کرنا چاہتا ہوں وہ ہے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، اس کے دین میں سمجھ پیدا کرنا، اپنے خاوند کا پوری طرح ساتھ دینا، معروف کاموں میں اس کی بات سنا اور اطاعت کرنا، اس سے جدا ہونے کے سلسلہ میں یا دوسرے گناہ کے کام میں اپنے گھر والوں کی اطاعت نہ کرنا۔

اور میں تم دونوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ اپنے گھر والوں سے نیکی، تقویٰ اور احسان پر تعاون کرنا، ان کے لیے ہدایت اور درستی کی دعا کرتے رہنا اور ان کی بری باتوں کا احسان اور صدقہ سے جواب دینا۔ مگر انہیں زکوٰۃ نہ دینا کیونکہ جو فقیر نماز نہ پڑھتا ہو اسے زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے کہ نماز چھوڑنا کفر اکبر ہے۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے، وہ نماز کا ہے، جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔



اس حدیث کو امام احمد اور اہل السنن نے صحیح اسناد کے ساتھ نکالا ہے۔

بات یہی ہے اور میں آپ کے لیے اور آپ کے خاوند کے لیے حق پر ثابت قدم رہنے اور دین میں متفقہ اور گمراہ کن فتنوں سے عافیت کی دعا کرتا ہوں . . . بے شک وہ سننے والا بھی ہے اور قریب بھی۔

میرا خاوند گھر میں میرے ساتھ خندہ پیشانی سے نہیں رہتا۔ ہمیشہ تیوری چڑھائے اور دل تنگ رہتا ہے۔ کیا میں گھر کو چھوڑ دوں؟ یا کیا کروں؟

سوال : میرا خاوند، اللہ سے معاف فرمائے، اس بات کے باوجود کہ وہ اخلاق فائدہ کا مالک اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے مگر میرے ساتھ گھر میں خندہ پیشانی سے رہنے کا اہتمام نہیں کرتا۔ ہمیشہ چہرہ پر شکن اور دل سے تنگ رہتا ہے۔ کبھی وہ یوں کہہ دیتا ہے کہ اس کا سبب میں ہی ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ مجھ اللہ میں اس کا حق پورا کرتی ہوں اور کوشش کرتی ہوں کہ اسے راحت اور اطمینان پہنچاؤں اور ہر اس چیز سے دور رہوں جو اسے بری لگتی ہے اور اس کے تصرفات پر صبر کرتی رہوں۔

اور جب بھی میں اس سے کچھ مانگتی ہوں یا کسی معاملہ میں اس سے کلام کرتی ہوں تو وہ غصہ اور جوش میں آکر کہتا ہے کہ یہ کیسی بیہودہ اور کم عقلی کی بات ہے۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ وہ اپنے ساتھیوں اور دوستوں سے خوش بخوش رہتا ہے . . . رہی میری بات تو میں نے اس سے سرزنش اور بد معاملگی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ مجھے اس بات سے دکھ پہنچتا ہے اور بہت تکلیف ہوتی ہے اور کئی بار میں نے ارادہ کیا کہ گھر کو چھوڑ دوں۔

اور الحمد للہ کہ میری تعلیم متوسط درجہ کی ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر واجب کیا ہے، میں اسے ادا کر رہی ہوں۔

فضیلت مآب! اگر میں اپنے گھر کو چھوڑ دوں اور اپنی اولاد کی تربیت کروں اور خود اکیلی زندگی کے لیے مشقت کروں تو کیا میں گنہگار ہوں گی؟ . . . یا میں اسی حال میں اس کے ساتھ رہوں اور اس کے کلام، مشارکت اور ایسے احساسات پر صبر کئے جاؤں؟ مجھے مستفید فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

ام عبداللہ۔ الریاض

جواب : اس میں کوئی شک نہیں کہ حسن معاشرت زوجین پر واجب ہے۔ انہیں محبت بھرے چہرے، اخلاق فائدہ، حسن خلق اور خندہ پیشانی سے ایک دوسرے سے پیش آنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

اور اپنی بیویوں سے اچھا رہن سہن رکھو۔ (النساء : ۱۹)

نیز فرمایا :

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ ﴾

اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا (عورتوں پر) ہے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے۔ (البقرہ : ۲۲۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ »

اچھا اخلاق ہی اصل نیکی ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا : وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهِ طَلْقٍ »

کسی اچھی بات کو حقیر نہ سمجھو۔ اگرچہ وہ اتنی ہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا : أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ، وَخَيْرُهُمْ لِنِسَائِهِمْ ؛ وَأَنَا خَيْرُهُمْ لِأَهْلِي »

ایمان کے لحاظ سے مومنوں میں سے زیادہ کامل وہ ہے جس کا خلق اچھا ہو اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے حق میں بہتر ہو اور میں اپنے گھروالوں کے لیے تم سے بہتر ہوں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو عمومی حسن خلق، خوش ہو کر ملنے اور مسلمانوں میں باہمی حسن معاشرت پر دلالت کرتی ہیں اور جب یہ معاملات زوجین اور اقارب میں ہوں تو ان کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

آپ کو اپنے خاوند سے جو زیادتی اور بد خلقی کی تکلیف پہنچی، اس پر آپ نے صبر و تحمل سے کام لیا تو بہت اچھا کیا . . . اور میں آپ کو مزید صبر اور اس کا گھرنہ چھوڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس میں خیر کثیر اور قابل تعریف انجام ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿ وَأَصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴾

صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال : ۴۶)

نیز فرمایا :

﴿ إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴾

بے شک جو شخص اللہ سے ڈرے اور صبر کرے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

(یوسف : ۹۰)

نیز فرمایا :

﴿إِنَّمَا بَوِّقُوا الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

جو صبر کرنے والے ہیں انہیں بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔ (یوسف : ۹۰)

نیز فرمایا

﴿فَأَصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾

آپ صبر کیجئے۔ بے شک انجام پر ہمیزگاروں ہی کے لیے ہے۔ (ہود : ۴۹)

اور اس بات میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ آپ اپنے خاوند سے ایسے الفاظ میں مخاطب ہوں یا اس سے خوش طبعی اور نہی مذاق کریں جو اس کے دل کو نرم کرے اور تم پر خوش ہو جائے اور تمہارا حق پہچاننے کا سبب بنیں اور جب تک وہ اہم امور پورے کر رہا ہے اس سے دنیوی حاجات کا مطالبہ چھوڑ دیں۔ تا آنکہ اس کا دل کھل جائے اور آپ کے جائز اور معقول مطالبہ کے لیے اس کا سینہ فراخ ہو جائے۔ اس طرح انشاء اللہ جلد ہی آپ انجام کی تعریف کرنے لگیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بھلائی کی مزید توفیق عطا فرمائے اور آپ کے خاوند کی حالت بہتر کرے اور اس کے دل میں ہدایت پیدا کرے اور اسے حسن خلق، خندہ پیشانی اور حقوق کی نگہداشت رکھنے سے نوازے۔ وہی بہتر ہے جس سے سوال کیا جاتا ہے اور وہی سیدھی راہ پر چلانے والا ہے۔

### لعنت کرنے کا حکم

سوال : ایک عورت کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں پر لعنت کرتی اور انہیں گالیاں دیتی ہے۔ کبھی انہیں زبان سے دکھ پہنچاتی ہے اور کبھی مار پیٹ کر، خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے۔ میں نے اسے کئی بار سمجھایا ہے کہ وہ اس عادت کو چھوڑ دے مگر اس کا جواب ہوتا ہے : ”تو نے انہیں زبان دراز بنایا ہے اور یہ بد بخت ہیں۔“ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اولاد اس سے نفرت کرنے لگی ہے اور انہوں نے اس کی بات کو اہمیت دینا ہی چھوڑ دیا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اس کا انجام گالی اور مار پیٹ ہی ہوگا۔

اس بیوی سے متعلق شرعی نقطہ نظر سے میرا موقف تفصیلاً کیا ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ وہ عبرت پکڑے۔ کیا میں اسے ابھی طلاق نہ دوں اور اولاد اس کے ساتھ رہے۔ یا میں کیا کروں؟ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

جواب : اولاد کو لعنت کرنا کبیرہ گناہ ہے اور اسی طرح ان لوگوں کو بھی لعنت کرنا جو اس کے مستحق نہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ »

مومن کو لعنت کرنا اسے قتل کرنے کی مانند ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ »

مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ بن سکیں گے اور نہ سفارشی۔

لہذا آپ کی بیوی پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور میں توبہ اور اپنی اولاد کو گالی دینے سے اپنی زبان کی حفاظت واجب ہے۔ اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ہدایت اور صلاح کے لیے بکثرت دعا کیا کرے اور اے خاوند! آپ کے لیے مشروع یہ ہے کہ اسے ہمیشہ نصیحت کرتے رہیں اور اولاد کو گالی دینے سے ڈرائیں اور اگر نصیحت کارگرم نہ ہو تو اس سے الگ رہیں اور یہ الگ رہنا ایسا ہو جس کے متعلق آپ کو یقین ہو کہ وہ مفید رہے گا اور صبر کریں اور نغمداشت رکھیں اور طلاق میں جلد بازی نہ کریں۔ ہم اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمہاری بیوی کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اولاد کو ادب سکھانے اور انہیں نیکی کی طرف متوجہ کرنے کی بھی دعا کرتے ہیں تاکہ ان کے اخلاق ٹھیک ہو جائیں۔

ایک عورت اپنے خاوند کے برے برتاؤ کی شکایت کرتی ہے

سوال : ایک عورت اپنے خاوند کے برے برتاؤ کی شکایت کرتی ہے۔

فاطمہ - م

جواب : اگر تمہارے خاوند کی صورت حال واقعی وہی ہے جو آپ نے سوال میں ذکر کی ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھتا اور دین کو گالی دیتا ہے۔ تو وہ کافر ہے۔ آپ کو اس کے ہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے اور گھر میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ آپ پر واجب ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے ہاں یا کسی اور جگہ جہاں آپ امن و حفاظت سے رہ سکتی ہوں، چلی جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان مومن عورتوں کے متعلق جو کفار کے پاس ہوں، فرماتے ہیں :

﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ﴾

وہ کافروں کے لیے حلال نہیں اور نہ کافران کے لیے حلال ہیں (الممتحنہ : ۱۰)۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، مَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ »

ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز کا ہے۔ جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

اور اس لیے بھی کہ مسلمانوں کے اجماع کے مطابق دین کو گالی دینا کفر اکبر ہے۔ لہذا آپ پر واجب ہے

کہ اللہ کی خاطر اس سے نفرت کریں، اس سے جدا ہو جائیں اور اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کریں۔ اور اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۗ ﴾

اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ (الطلاق- ۳۰۲)

اللہ تعالیٰ آپ کا معاملہ آسان کرے اور اگر آپ سچی ہیں تو آپ کو ایسے خاوند کے شر سے نجات دے اور اللہ اسے ہدایت دے اور توبہ سے احسان فرمائے۔ وہی پاک، فیاض اور کریم ہے۔

کیا ایسی بیوی سے رہن سہن جائز ہے جو سگریٹ پیتی ہو؟

سوال : میری بیوی اللہ کے واجبات پوری کرتی ہے۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ اور خاوند کے حقوق کی اطاعت گزار ہے۔ مگر وہ چوری چھپے سگریٹ پیتی ہے۔ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی تو میں نے اسے اس عادت کو ترک کرنے کی نصیحت کی مگر اس نے نصیحت قبول نہیں کی اور سگریٹ پینا ترک نہیں کرتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ کون سا وسیلہ ہے جس پر میں اپنی بیوی کو چلاؤں؟

(۱) اگر میں اس کے اس فعل پر صبر کروں، تو کیا یہ میرے لیے جائز ہے۔ جبکہ راضی بھی فاعل ہی کی طرح ہوتا ہے۔

(ب) جب تک وہ میرے گھر میں ہے اور یہ فعل نہیں چھوڑتی۔ کیا مجھے بھی گناہ ہوتا رہے گا۔

(ج) کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ اسے طلاق دے دوں تا کہ میں گناہ سے بچ سکوں؟

میں فضیلت مآب سے اپنی مشکل کے مفصل حل کی توقع رکھتا ہوں۔

م-ع-ہ-حائل

جواب : آپ پر واجب یہ ہے کہ اسے نصیحت کرتے رہیں اور اسے سگریٹ پینے کے نقصان بتلاتے رہیں اور ایسی چیز تلاش کریں جو اس کے اور سگریٹ کے درمیان حائل ہو سکے۔ ان باتوں پر آپ کو اجر ملے گا اور اگر آپ اس کے فعل پر راضی نہیں تو آپ پر کچھ گناہ نہیں۔ بلکہ آپ نے تو بیوی پر گرفت کی اور اسے نصیحت کی ہے۔ آپ پر واجب ہے کہ نصیحت کرتے جائیں اور جب یہ سمجھیں کہ وہ اس سے باز نہیں آتی تو اگر اس بات پر اسے سرزنش کرنی پڑے تو وہ بھی کریں اور ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔

## کیا بیوی کی طرف سے بھی سرکشی واقع ہو سکتی ہے؟

سوال : اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں :

﴿وَإِنْ أَمْرًا خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾

اگر عورت اپنے خاوند سے سرکشی یا بے رغبتی سے ڈرتی ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح ہی بہتر ہے۔ (النساء : ۱۲۸)

سوال یہ ہے کہ آیا سرکشی بیوی کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے اور جو اسباب مرد کو اپنی بیوی سے سرکشی پر ابھارتے ہیں اگر انہی وجوہ کی بنا پر بیوی کو اپنے خاوند سے سرکشی پیش آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟

سلیمان - م - طیبہ کالج - الرياض

جواب : ہاں! عورت سے بھی انہی اسباب کی بنا پر سرکشی واقع ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عظیم میں اس کا بھی حکم واضح فرمایا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں فرمایا :

﴿وَاللَّيْنِ تَخَافُونَ نُشُوزَهُمْ فَعِظُوهُمْ وَاهْجُرُوهُمْ فِي الْمَصَاجِعِ وَاصْرَبُوهُمْ فَإِنَّ أَطَعْنَاكُمْ فَلَا نَبْعُوهَا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا﴾

اور جن عورتوں کے متعلق تمہیں ڈر ہو کہ سرکشی کرنے لگی ہیں تو انہیں سمجھاؤ۔ (اگر باز نہ آئیں) تو ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔ (اگر پھر بھی باز نہ آئیں) تو انہیں مارو اور اگر فرمان بردار ہو جائیں تو انہیں ایذا دینے کا بہانہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ بلند اور بزرگ ہے۔ (النساء : ۳۴)

خادموں سے برتاؤ

## عورت کا ڈرائیور اور خادم کے سامنے آنے کا حکم

سوال : اگر خادم اور ڈرائیور سامنے آئیں تو ان کا کیا حکم ہے۔ وہ اجنبی مردوں کے حکم میں ہی سمجھے جائیں گے۔ اطلاعا عرض ہے کہ میری والدہ مجھے خادموں کے سامنے آنے کو کہتی ہے کہ میں اپنے سر پر "ایشارب" رکھ کر آجاؤں۔ تو کیا یہ ہمارے دین حنیف میں جائز ہے جس میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ عزوجل کے احکام کی نافرمانی نہ کریں؟

مولود - ح - ع

جواب : ڈرائیور اور خادم کا حکم بھی بقیہ مردوں کی طرح ہی ہے۔ ان سے بھی پردہ کرنا لازم ہے کیونکہ وہ محرم نہیں ہیں۔ نہ ان کے ساتھ سفر جائز ہے اور نہ ہی ان میں سے کسی کے ساتھ خلوت جائز ہے۔ کیونکہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَا يَخْلُونَ رَجُلًا بِامْرَأَةٍ؛ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا »

کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت اختیار نہ کرے، کیونکہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ حجاب کے وجوب، نمائش زینت کی تحریم اور بغیر محرم کے سفر کرنے کے دلائل میں عموم ہے۔ لہذا آپ کو ایسے کام میں والدہ یا کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کرنا چاہیے۔ جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

ہمارے گھر میں غیر مسلم خادمہ ہے۔ کیا میرے گھر والوں کے لئے جائز ہے کہ وہ اس سے گھل مل کر رہیں؟

سوال : ہمارے گھر میں غیر مسلم خادمہ ہے۔ کیا میرے گھر کی عورتوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی مجلس، سونے اور کھانے میں اس سے گھلی ملی رہیں؟

عبدالرحمن - ن - الریاض

جواب : اس میں کوئی حرج نہیں اور ہمارے علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق گھر کی مسلم عورتوں پر یہ واجب نہیں کہ وہ اس سے پردہ کریں۔ لیکن یہ واجب ہے کہ اس سے مسلمان عورت کا سا سلوک نہ کیا جائے بلکہ ان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق اس سے نفرت رکھیں :

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ ۗ﴾

تمہیں ابراہیم علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنا (ضروری) ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے بیزار ہیں جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو۔ ہم اس معاملہ میں تمہارا انکار کرتے ہیں اور جب تک اللہ اکیلے پر ایمان نہ لاؤ گے، ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔ (الممتحنہ : ۴)

اور اگر وہ اسلام نہیں لاتی تو آپ کے گھر والوں پر لازم ہے کہ وہ اسے اس کے وطن واپس بھیج دیں۔ کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اس جزیرہ عرب میں یہودی، عیسائی اور دوسرے مشرکین باقی رہیں۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دینے کی وصیت فرمائی تھی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو کہا تھا کہ ان سے بے نیاز ہو جائیں۔ والحمد للہ۔

اور اس لیے بھی انہیں نکالنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کے درمیان ان کی موجودگی سے مسلمانوں کے

عقیدہ اور اخلاق میں بگاڑ کا سخت خطرہ ہے۔ لہذا اس جزیرہ کے سب مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کسی غیر مسلم کو خدمت یا کام کے لیے نہ بلائیں اور ان کے اختلاط سے مسلمان مردوں اور عورتوں کے عقیدہ و اخلاق کو جو عظیم نقصان ہوگا، انہیں اپنے ہاں بلا کر اس مرتب ہونے والے نتیجہ سے بچیں۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو ان سے بے نیاز رہنے اور ان کے شر سے عافیت میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ وہی فیاض اور کریم ہے۔

میرے پاس غیر مسلم خدامائیں ہیں۔ کیا میں ان سے پردہ کروں اور کیا میرے لئے جائز ہے کہ میں انہیں ان کے دین کے نقائص سے آگاہ کروں؟

سوال : ہمارے گھر میں غیر مسلم نوکرانیاں ہیں۔ کیا مجھ پر واجب ہے کہ میں ان سے پردہ کروں؟ اور کیا میرے لیے یہ جائز ہے کہ وہ میرے کپڑے دھوئیں اور میں ان سے نماز ادا کروں؟ اور کیا میرے لیے جائز ہوگا کہ میں ان پر ان کے دین کے عیوب و نقائص بیان کروں اور انہیں کھول کر وہ باتیں بتاؤں جو دین حنیف کو ممتاز کرتی ہیں۔

ام سلمہ

جواب : علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق آپ پر ان سے پردہ کرنا واجب نہیں۔ جیسا کہ باقی عورتوں سے واجب نہیں۔

اور ان کے کپڑے یا برتن دھونے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان کے عقد ختم کر دینا واجب ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں اس جزیرۃ العرب میں اسلام کے علاوہ کوئی اور دین باقی رہے اور یہ بھی جائز نہیں کہ خدمت کے لیے یا کام کے لیے مسلمانوں کے علاوہ دوسرے لوگ یہاں لائے جائیں۔ خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جزیرہ سے مشرکوں کو نکال دینے کی وصیت فرمائی تھی تا کہ یہاں دو دین نہ رہیں۔ کیونکہ یہ اسلام کا گوارہ اور شمس رسالت کے طلوع ہونے کا مقام ہے۔ لہذا یہ جائز نہیں کہ یہاں دین حق یعنی اسلام کے سوا کوئی اور دین باقی رہے۔ . . . اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق کے اتباع اور اس پر ثبات کی، غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے کی اور جو اس کی مخالفت کریں، انہیں چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کے لیے انہیں اسلام کی دعوت دینا اور اس کے محاسن بیان کرنا مشروع ہے اور یہ وضاحت بھی کہ ان کے دین میں کیا کچھ نقائص اور حق کی مخالفت ہے۔ نیز یہ کہ شریعت اسلامیہ تمام شریعتوں کی ناخ ہے اور یہ کہ اسلام ہی وہ دین حق ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو مبعوث فرمایا اور ان کے ساتھ کتاب نازل کی



جیسا کہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ﴾

دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔ (آل عمران : ۱۹)

نیز فرمایا :

﴿ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴾

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران : ۸۵)

لیکن اس بارے میں آپ کو علم اور بصیرت سے کلام کرنا ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر یا اس کے دین پر علم کے بغیر کچھ کہنا بہت بری بات ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا نَعْلَمُونَ ﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے باتوں کو، ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔ (الاعراف : ۳۳)

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بغیر علم، بات کرنے کو ان تمام مذکورہ مراتب کے اوپر قرار دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی سخت حرمت ہے اور اس پر بہت بڑا خطرہ مترتب ہوتا ہے۔

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میری راہ یہ ہے کہ میں خود بھی (لوگوں کو) علی وجہ البصیرت اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیروکار بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (یوسف : ۱۰۸)

اور سورہ بقرہ میں یہ بتلایا کہ جو بات بغیر علم کے اللہ کے ذمہ لگادی جائے وہ ایسے امور سے ہے جن کا حکم شیطان کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ نے فرمایا :

﴿ يَتَأْتِيهَا النَّاسُ كُلُّوا مِنَّا فِي الْأَرْضِ حَلَاكًا طَيْبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۱۶۶﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا نَعْلَمُونَ ﴾

اے لوگو! زمین میں جو بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، کھاؤ اور شیطان کی قدموں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں۔ (البقرہ : ۱۶۸-۱۶۹)

میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور آپ کے لیے توفیق ہدایت اور نیت و عمل کی درستی کی دعا کرتا ہوں۔

### کیا میں غیر مسلم خادمہ رکھ سکتا ہوں؟

سوال : میں گھر میں اپنی بیوی کی اعانت کے لیے خادمہ کی تلاش میں نکلا۔ مجھے لوگوں نے بتلایا کہ اس شہر میں مسلم خادمہ نہیں مل سکتی۔ کیا میں غیر مسلم خادمہ رکھ سکتا ہوں؟

محمد - ۱ - شہداء

جواب : جزیرۃ العرب میں غیر مسلم نہ خادمہ رکھنا جائز ہے اور نہ خادمہ نہ ڈرائیور اور نہ کوئی دوسرا کام کرنے والا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جزیرہ سے یہود و نصاریٰ کو نکال دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہاں صرف مسلم ہی رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت تمام مشرکوں کو اس جزیرہ سے نکال دینے کی وصیت فرمائی تھی۔

اور کافر مردوں اور عورتوں کو یہاں لانا اس لیے بھی جائز نہیں کہ اس طرح مسلمانوں کے عقائد و اخلاق اور ان کی اولاد کی تربیت کے لیے خطرہ ہے۔ لہذا اللہ سبحانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے اور شرک و فساد کے قلع قمع کے لیے اس سے رک جانا واجب ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔



میں نے قسم کھائی کہ فلاں کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی نہ کروں گا اور اللہ نے مقدر کیا کہ مجھے انہی میں سے ایک سے شادی کرنا پڑی۔ اب مجھ پر کیا لازم ہے؟

سوال : ایک دن ایسا ہوا کہ میرا ایک قریبی رشتہ دار گھبرایا ہوا میرے پاس آکر کہنے لگا۔ ”عزیز تم فلاں شخص کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی سے شادی کرو گے۔“ تو میں نے کہا : ”اللہ کی قسم! جب تک دنیا قائم ہے میں اس شخص کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی نہ کروں گا۔“ اس بات کو کئی سال گزر گئے اور پھر میں نے انہی لڑکیوں میں سے ایک سے شادی کر لی اور اب اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نیک بختی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ میں آپ سے اپنی رہنمائی کی توقع رکھتا ہوں کہ اس سابقہ قسم کے عوض اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

ع۔ ص۔ السبئی۔ المدینہ المنورہ

جواب : جو کچھ آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے اگر وہ درست ہے تو آپ پر قسم کا کفارہ لازم ہے اور وہ دس مسکینوں کا کھانا یا ان کی پوشاک یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ کھانا کھلانے کے بارے میں شہر کی خوراک سے نصف صاع واجب ہے خواہ وہ خوراک کھجور ہو یا گندم ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ اس کی مقدار ڈیڑھ کیلو ہے۔ اور پوشاک ایسی ہونا واجب ہے جس میں نماز ادا کی جاسکے۔ جیسے قمیص اور تہ بندیا چادر۔ اور جو شخص کھانا کھلانے یا غلہ دینے اور پوشاک دینے اور غلام آزاد کرنے سے عاجز ہو، وہ تین روزے رکھے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَوْ هَلِيكُمُ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفْرَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں تم نے پختہ کیں (پھر ان کے خلاف کیا) تو ان کا مواخذہ وہ ضرور کرے گا۔ اس کا کفارہ دس محتاجوں کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے، جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے

رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (مگر پوری نہ کرو) اور تمہیں چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔ (المائدہ : ۸۹)

## نذر کے احکام

سوال : میں نے امتحان سے پہلے کسی دن یہ نذر مانی تھی کہ اگر میں چھٹی جماعت سے پاس ہو کر پہلی متوسط کلاس میں چلا گیا تو قربانی کروں گا اور میں دوسری کوشش میں کامیاب ہوا، پہلی دفعہ نہ ہوا۔ کیا اب میں قربانی دوں گا یا نہیں؟ بات یہی تھی۔ اس پر چار سال گزر گئے اور میں نے اس نذر کو پورا نہ کیا یہ سمجھتے ہوئے کہ میں نے تو ایسی نذر مانی تھی کہ جب میں تیسری متوسط کلاس سے کامیاب ہو کر پہلی ثانوی میں چلا گیا . . . اب جب میں کامیاب ہو کر اول ثانوی میں چلا گیا ہوں تو کیا اب میں ایک قربانی دوں یا دو ؟

عبدالرحمن - س - ع

جواب : جب آپ نے نذر کو غیر مشروط رکھا اور پہلے دور میں کامیاب ہو کر جانے کی نیت نہیں تھی تو آپ کو اپنی نذر پوری کرنا لازم ہے کہ آپ اللہ کی رضا کے لیے قربانی کر کے اسے فقراء میں تقسیم کر دیں اور اس میں سے آپ خود یا آپ کے گھروالے کچھ نہ کھائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ؛ فَلْيُطِعه . وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ؛ فَلَا يَعْصِه »

جس نے اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری کرنے والی نذر مانی اسے چاہیے کہ وہ اسے پورا کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی والی بات کی نذر مانی، اسے چاہیے کہ وہ اسے پورا نہ کرے۔

اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکالا۔

اور اگر آپ نے پہلی کوشش میں کامیابی کی نذر مانی لیکن کامیاب دوسری کوشش میں ہوئے تو آپ پر کچھ نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى »

اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی ہو۔

اس حدیث پر شیخین کا اتفاق ہے اور یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

اسی طرح آپ کی وہ نذر ہے کہ جب آپ متوسط ثانوی میں کامیاب ہو گئے تو اسے پورا کرنا آپ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کے مطابق لازم ہے۔

اور اگر آپ نے پہلی یا دوسری نذریوں مانی تھی کہ اپنے گھروالوں، اقرباء اور ہمسایوں کے لیے قربانی کریں گے تو اپنی نیت پر عمل کریں۔ جیسا کہ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث کا ذکر ہوا ہے۔

اے بھائی! آپ کو چاہیے کہ آئندہ کبھی نذر نہ مانا کریں کیونکہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی لوٹا نہیں

سکتی۔ نہ ہی یہ کامیابی کے اسباب میں سے کوئی سبب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا : ”نذر کوئی بھلائی نہیں لاتی۔ البتہ اس طرح بخیل سے کچھ مال نکل جاتا ہے۔“ جیسے کہ یہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث سے ثابت ہے۔  
ہم اپنے لیے اور آپ کے لیے ہدایت اور توفیق کی دعا کرتے ہیں۔



میں نے اپنے ماموں کی بڑی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ کیا میرے لیے یا میرے کسی بھائی کے لیے ان بہنوں میں سے کسی کے ساتھ شادی جائز ہے؟

سوال : میں نوجوان ہوں اور میں نے اپنے ماموں کی بڑی لڑکی کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ پھر اس کے بعد اس کی دوسری بہنیں پیدا ہوئیں اور اب اس بڑی لڑکی کی شادی ہو چکی ہے۔ کیا میرے لیے یا میرے کسی بھائی کے لیے یہ جائز ہے کہ ان بہنوں میں سے کسی کا رشتہ لینے کے لیے پیش قدمی کریں؟

س۔ع۔الما لکی

جواب : اے سائل! جب تم نے ابتدائی دو سالوں کے دوران اپنے ماموں کی بیوی کا پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ دودھ پیا تھا تو تمہارے ماموں کی سب بیٹیاں تمہاری بہنیں بن گئیں۔ آپ ان میں سے کسی سے شادی نہیں کر سکتے۔ رہے آپ کے بھائی تو انہیں ماموں کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ تمہارے ماموں کی بیٹیوں نے تمہاری بہنوں کی ماں کا اور تمہارے باپ کی بیوی کا اور تمہاری بہنوں کا دودھ نہ پیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے بھائیوں کو تمہارے ماموں کی بیٹیوں سے شادی کر لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کے درمیان ایسی رضاعت نہ ہو جو رکاوٹ بن جائے۔ رہا تمہارا اپنے ماموں کی بیوی کا دودھ پینا تو یہ آپ ہی سے مخصوص ہے۔ یہ تمہارے ماموں کی بیٹیوں کے لیے تمہارے بھائیوں پر حرام ہونے کا سبب نہیں بن سکتا . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایک عورت کی بیٹی تھی اور دو سری کا بیٹا، دونوں نے ایک دوسری کے بچے کو دودھ پلایا

ان دودھ پینے والے بچوں کے بہن بھائیوں میں سے کون دوسرے کے لیے حلال ہوں گے؟

سوال : یہاں دو عورتیں ہیں۔ پہلی کے پاس بیٹا ہے اور دوسری کے پاس بیٹی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کے بچے کو دودھ پلایا۔ ان دودھ پینے والے بچوں کے بہن بھائیوں میں کون دوسرے کے لیے حلال ہوں گے؟

سعید۔۱

جواب : کوئی عورت کسی لڑکے کو ابتدائی دو سالوں کے دوران پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ اپنا دودھ

پلائے تو وہ اس عورت کی اولاد کا اور اس کے خاوند کی اولاد کا وضح (دودھ شریک بھائی) بن جاتا ہے۔ اب جو اولاد اس دودھ پلانے والی عورت کی ہوگی خواہ وہ اس خاوند سے ہو، جو صاحب بہن ہے یا کسی دوسرے خاوند سے ہو۔ سب اس رضیع بچہ کے رضاعی بہن بھائی بن جائیں گے۔ اور خاوند صاحب بہن کی اولاد خواہ وہ اس دودھ پلانے والی بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے ہو، اس رضیع بچہ کے بہن بھائی بن جائیں گے اور اس دودھ پلانے والی (مرضعہ) کے بھائی رضیع کے ماموں اور رضاعی باپ کے بھائی رضیع کے چچے اور مرضعہ کا باپ رضیع کا نانا اور مرضعہ کی ماں رضیع کی نانی اور رضاعی باپ کا باپ رضیع کا دادا اور اس کی ماں رضیع کی دادی بن جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ محرمات کے بارے میں سورہ نساء میں فرماتے ہیں :

﴿ وَأُمَّهَاتُكُمْ أَلَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخْوَاتُكُمْ مِمَّنْ أَرْضَعْتُمْ ﴾

اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی۔ (النساء : ۲۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ »

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : «لَا رِضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ»

رضاعت وہی معتبر ہے جو بچپن کے ابتدائی دو سالوں میں ہو۔

اور جیسے صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ”جو کچھ قرآن میں اترا وہ دس گھونٹ تھے، جن سے حرمت ہوتی تھی۔ پھر وہ حکم پانچ گھونٹ کے حکم سے منسوخ ہو گیا اور جب نبی صلی اللہ نے وفات پائی تو اسی پر عمل تھا“۔ یہ الفاظ ترمذی کے ہیں اور اس کی اصل صحیح مسلم میں موجود ہے۔

میرے بھائی نے چچا کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو چچی نے دعویٰ کیا کہ اس نے میرے بھائی کو دودھ پلایا ہے۔ پھر وہی چچی خود آئی جو اپنے بیٹے کے لیے میری بہن کا رشتہ مانگتی تھی۔ ہم کیا کریں؟

سوال : میرا بڑا بھائی چچا کی بیٹی کا رشتہ مانگنے گیا تو چچی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اپنی اولاد کے ساتھ میرے اس بھائی کو دودھ پلایا ہے۔ کچھ مدت بعد وہی چچی ہمارے ہاں آئی کہ اپنے بیٹے کے لیے میری بہن کا رشتہ طلب کرے۔ . . . ہم سوچ میں پڑ گئے اور اسے وہ بات یاد دلائی جو اس نے کسی تھی۔ یعنی اس نے اپنی اولاد کے ساتھ میرے بھائی کو دودھ پلایا ہے۔ اس نے اس کا اقرار کیا لیکن بعد میں مکر گئی اور کہنے لگی کہ اس نے کبھی میرے بھائی کو دودھ نہ پلایا تھا۔

کیا ہم اس کی پہلی والی بات پر اعتماد کریں یا دوسری پر؟ اور اس بارے میں شرع کی رائے کیا ہے؟

جاری۔ ع۔ سبت العیالیا

جواب : عورت کا پہلا مذکورہ دعویٰ کہ اس نے آپ کے بھائی کو دودھ پلایا ہے، اس عورت کے بیٹوں کی تیری بہنوں سے شادی میں مانع نہیں۔ بشرطیکہ آپ کی بہنوں نے اس کا دودھ نہ پیا ہو اور نہ ہی اس کے بیٹوں نے آپ کی ماں کا دودھ پیا ہو۔ اور یہاں دوسری رضاعت تو ہے ہی نہیں، جو آپ کی بہنوں کے اس کے بیٹوں کے ساتھ شادی میں مانع بن سکے۔

اور جب وہ عورت اپنے پہلے دعویٰ میں اپنے آپ کو خود جھٹلا رہی ہے تو آپ کے بھائی اس کی بیٹی کے ساتھ شادی میں بھی کوئی بات مانع نہیں۔

اور اگر آپ احتیاطاً اس کی بیٹیوں سے شادی نہ کریں تو یہ بہتر ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« دَغَّ مَا يُرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيْبُكَ »

جس بات میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور وہ اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ ؛ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ »

جو شخص شبہات سے بچ گیا، اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا۔

## احکام رضاعت

سوال : ایک لڑکے نے اپنے چچا کے ہاں تربیت پائی اور چچا کی پہلی بیوی کا دودھ پیا۔ کچھ مدت بعد چچا نے دوسری شادی کی جس سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ تو کیا اس لڑکے کو جو اب بڑا ہو چکا ہے، یہ جائز ہے کہ اس چچی کی بیٹی سے شادی کرے، جس سے اس نے دودھ نہیں پیا۔؟

علی۔ م۔ ا۔

جواب : جب مذکورہ لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ حولین (مدت رضاعت) کے اندر پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ پی لیا تو اب وہ اپنے چچا کا رضاعی بیٹا ہے اور اس کے چچا کی تمام بیویوں کی اولاد اس کے رضاعی بھائی نہیں ہیں۔

اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مذکورہ لڑکے کا نکاح چچا کی مذکورہ بیٹی سے حرام ہے۔ کیونکہ وہ چچا اب اس مذکورہ لڑکے کا رضاعی باپ اور اس کی بیٹیاں اس کی رضاعی بہنیں ہیں۔ بشرطیکہ بات وہی ہو جو سوال میں ذکر کی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مبین میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

﴿ وَأُمَّهَاتُكُمْ أَلْسِنِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ ﴾

اور تمہاری وہ مائیں بھی جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی (تم پر حرام کی گئیں



(ہیں)۔ (النساء : ۲۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ »

رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔  
اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے۔

سوال : دو بہنیں ہیں، ایک کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور دوسری کے ہاں چار بچے پیدا ہوئے، جن میں سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ پہلی بہن کے بیٹے نے دوسری بہن کے تینوں بیٹوں کے ساتھ اس کا دودھ پیا ہے۔ البتہ چوتھے بچے یعنی بیٹی کے ساتھ نہیں پیا۔

پہلی بہن کے بیٹے کی دوسری بہن کی اس بیٹی سے، جس نے اس کے ساتھ دودھ نہیں پیا، شادی کا کیا حکم ہے؟  
ایک سائل

جواب : جب پہلی بہن کے بیٹے نے دوسری بہن کا دودھ پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ پی لیا خواہ یہ ایک مجلس میں ہو یا کئی مجلسوں میں، اور خواہ دوسری بہن کے پہلے بیٹے کے ساتھ، یا دوسرے کے ساتھ یا تیسرے کے ساتھ یا سب کے ساتھ، تو وہ دوسری بہن کا رضاعی بیٹا ہے اور اس کی ساری اولاد کا بھائی ہے۔ خواہ وہ اولاد اس سے پہلے کی ہو یا بعد کی ہو اور مذکورہ بیٹی کا نکاح پہلی بہن کے بیٹے سے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا رضاعی بھائی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ محرمات کی وضاحت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

﴿ وَأُمَّهَاتُكُمْ أَلْحِقَ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ ﴾

اور تمہاری وہ مائیں بھی جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں بھی (تم پر حرام کی گئی

(ہیں)۔ (النساء : ۲۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ »

رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

اور اگر رضاعت پانچ گھونٹ سے کم ہو تو اس سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر دودھ پینے والا دو

سال سے بڑا ہو تو بھی اس کی رضاعت سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنَمِّ الرِّضَاعَةَ ﴾

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت دودھ

پلوانا چاہے۔ (البقرہ : ۲۳۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

« لا رضاع إلا ما فتق الأمعاء وكان قبل الفطام »

رضاعت وہی معتبر ہے جس سے آنتیں ترہوں اور یہ دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« كَانَ فِيمَا أَنْزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتَوَفَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ »

جو کچھ قرآن میں نازل ہوا وہ معلومہ دس گھونٹ تھے جو حرمت کا سبب بنتے تھے۔ پھر یہ حکم پانچ معلوم گھونٹوں کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو عمل اسی بات پر تھا۔ اسے مسلم نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں . . . اور توفیق عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

سوال : میری پھوپھی کا ایک بیٹا ہے اور اس کے ساتھ اس کی بیٹی ہے۔ میری پھوپھی کے بیٹے نے میری بڑی بہن کے ساتھ دودھ پیا تھا۔ کیا میری شادی اس کی بیٹی سے ہو سکتی ہے یا وہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ اس کے باپ نے میری بڑی بہن کے ساتھ دودھ پیا تھا اور اس کا باپ میرا (رضاعی) بھائی ہوا۔

مطاعن - غ - الریاض

جواب : اگر واقع وہی کچھ ہے، جو سائل نے ذکر کیا ہے اور رضیع مذکور (پھوپھی کے بیٹے) نے سائل کی ماں کا دودھ پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ حولین کی مدت کے اندر اندر پیا ہے تو سائل کا اس رضیع کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں۔ کیونکہ اب وہ اس لڑکی کا رضاعی چچا بن گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ »

رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَا رِضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ »

رضاعت وہی معتبر ہے جو ابتدائی دو سالوں کے اندر اندر ہو۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”جو کچھ قرآن میں اترا وہ دس معلومہ گھونٹ تھے جن سے حرمت واقع ہوتی تھی۔ پھر یہ حکم پانچ معلومہ گھونٹوں کے حکم سے منسوخ ہو گیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو عمل اسی پر تھا۔“

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ ہی ہے۔

سوال : میں ایک نوجوان ہوں اور ایک آدمی کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ میں نے اس آدمی کی بیوی کا اس کی بیٹی کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ وہ بیٹی جس کے ساتھ میں نے دودھ پیا تھا فوت ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اس کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ کیا میرے لیے اس کی بیٹی سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فتویٰ دیجئے اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

صالح - م - ب

جواب : اس شخص کی بیوی نے جس کی بیٹی سے آپ شادی میں رغبت رکھتے ہیں، اگر آپ کو حولین کے اندر اندر پانچ یا اس سے زیادہ گھونٹ پلائے ہیں تو اب وہ تمہاری رضاعی ماں ہو گئی اور اس کا خاوند تمہارا رضاعی باپ ہے اور اس کی بیٹیاں تمہاری رضاعی بہنیں ہیں۔ لہذا کسی سے بھی تمہاری شادی جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں محرمات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے :

﴿وَأُمَّهَاتُكُمْ أَلْفِيَّ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرِّضَاعَةِ﴾

اور تمہاری وہ مائیں بھی جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور رضاعی بہنیں بھی (تم پر حرام کی گئی ہیں)۔

(النساء : ۲۳)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»

رضاعت سے وہ سب رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا :

«كَانَ فِيْمَا أُنزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ يُحَرِّمَنَّ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسِ مَعْلُومَاتٍ، فَتَوَفَّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ»

جو کچھ قرآن میں نازل ہوا وہ دس معلومہ گھونٹ تھے جن سے حرمت واقع ہو جاتی تھی۔ پھر پانچ معلومہ گھونٹوں کے حکم نے اسے منسوخ کر دیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عمل اسی کے مطابق تھا۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں۔

اور اس مسئلہ میں اور بھی احادیث ہیں۔

البتہ گھونٹ اگر پانچ سے کم ہوں یا دودھ پینے کا وقت دو سال کے بعد کا ہو تو ایسی رضاعت سے حرمت

واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی دودھ پلانے والی آپ کی ماں اور اس کا خاوند آپ کا باپ ہوگا۔ نہ ہی ایسی رضاعت سے ان کی بیٹیاں آپ پر حرام ہوں گی۔ مذکورہ حدیث سے متعلق اہل علم کے اقوال میں سے یہی بات زیادہ صریح ہے۔ اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں جن میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے :

« لَا رِضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ »

رضاعت وہی معتبر ہے جو ابتدائی دو سال کے اندر اندر ہو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَا تَحْرُمُ الرِّضْعَةُ وَلَا الرِّضْعَتَانِ »

ایک گھونٹ یا دو گھونٹ دودھ پی لینے سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دوسری احادیث میں ہے۔ جسے اہل علم نے ذکر کیا ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

سوال : (ا) میری ماں کی دادی کے بیٹے میرے بھائیوں کے ہم عصر تھے تو میری ماں نے فقط ان کے چھوٹے بیٹے محمد کو میری بہن سعاد کے ساتھ دودھ پلایا۔

(ب) جیسا کہ میری ماں نے میری بڑی بہن کے بیٹے سمیر کو میری بہن سحر کے ساتھ دودھ پلایا۔ وجہ یہ تھی کہ میری بڑی بہن بیمار تھی۔ اور یہ رضاعت بھی فقط میری والدہ کی طرف سے تھی۔

(ج) میری ماں نے میرے بھائی کی چھوٹی بیٹی کو بھی میری چھوٹی بہن کے ساتھ دودھ پلایا۔ کیونکہ وہ دونوں ہم عمر تھیں۔ میری بہن صرف ایک مہینہ اس سے بڑی تھی۔ اور یہ ایسے ہوا کہ ایک رات جب اس نے نیند کی حالت میں چیخ ماری اور جب بیدار ہوئی تو اس کی گود میں ایک بچی تھی جو اس کی بیٹی تھی۔ اس نے ایک بزرگ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ تو اسے دودھ پلا، تا کہ تو شک سے بچ سکے۔ چنانچہ اس نے دوسری بار اسے دودھ پلایا اور میری بہن کو بھی اس نے دودھ پلایا۔ اس کے تبادلہ میں اس کی چھوٹی بہن کو۔

سوال یہ ہے کہ اب میرے سارے ماموں میرے بھائی ہو جائیں گے یا صرف میرا چھوٹا ماموں ہی بھائی ہوگا۔ اور کیا وہ میرے ماموں کے بیٹوں کی پھوپھی بن جائے گی یا نہیں؟

خدیجہ - ع

جواب : جب تمہاری ماں نے تمہارے کسی ماموں یا کسی خالہ کو پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ دودھ پلایا ہو اور یہ رضاعت حولین کے اندر اندر ہوئی ہو تو تمہاری ماں، تمہارے ماموں یا خالوں میں سے رضیع یا رضیعہ کی ماں بن جائے گی اور تم دونوں بہنیں مذکورہ وجہ سے اس کی ماں بن جاؤ گی، جسے اس نے دودھ

پلایا ہے۔ اسی طرح اگر تمہاری ماں نے تمہاری بھانجی کو اگر پانچ گھونٹ یا اس سے زیادہ گھونٹ حولین کے اندر اندر دودھ پلایا ہے تو وہ بھانجی کی ماں بن جائے گی۔ کیونکہ تمہاری ماں رضاعت کے لحاظ سے ماں اور نسب کے لحاظ سے اس کی دادی ہے اور تم دونوں، یعنی تم رضاعت کے لحاظ سے اور اس کی خالہ نسب کے لحاظ سے بہنیں بن جاؤ گی۔ رضاعت کے تمام مسائل میں ایسے ہی کہا جائے گا۔

اور اگر گھونٹ پانچ سے کم ہوں تو اس سے تحریم حاصل نہیں ہوتی اور اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق نہ ہی اس سے رضاعت کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر دودھ پینے والا دو سال سے زیادہ عمر کا تھا تو بھی رضاعت کا حکم ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« لَا رِضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ »

رضاعت وہی معتبر ہے جو دو سال کے اندر اندر ہو۔

اور جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا :

« كَانَ فِيهَا أَنْزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسِ مَعْلُومَاتٍ، فَتَوَقَّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ »

جو کچھ قرآن میں اترا وہ دس معلومہ گھونٹ تھے جن سے حرمت واقع ہو جاتی تھی۔ پھر یہ حکم پانچ معلومہ

گھونٹ کے حکم سے منسوخ ہو گیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو عمل اسی پر تھا۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی

ہے۔



## قرآن کی قراءت

لوگوں کے لیے اجرت پر قراءت کا حکم

سوال : لوگوں کے لیے اجرت پر قراءت کا کیا حکم ہے؟ ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

جواب : اگر اس سے مقصود لوگوں کو قرآن سکھانا اور انہیں یاد کرانا ہو تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک ڈس سے ہوئے آدمی کے لیے صحابہ نے طے شدہ اجرت کی شرط پر قرآن پڑھا۔ اسی حدیث کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا :

« إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا: كِتَابُ اللَّهِ »

تم جس چیز پر اجرت لینے کے سب سے زیادہ حقدار ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نکالا۔

اور اگر اس قراءت سے مقصود محض تلاوت ہو، خواہ کسی مناسبت سے ہو تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ قراءت قرآن پر اجرت لینے کی تحریم میں کوئی نزاع نہیں جانتے۔

سورہ تبت کی قراءت بھی اسی طرح مشروع ہے جیسے قرآن کی باقی سورتوں کی مشروع ہے

سوال : میں ایک دفعہ اپنی نماز میں سورہ تبت پڑھ رہی تھی۔ میری بہن نے مجھے پڑھتے ہوئے سن لیا تو مجھے کہنے لگی : نماز میں اس سورت کو پڑھنا اور اس کا تکرار درست نہیں۔ کیونکہ اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا پر لعنت ہے۔ میں نے اس سے ذکر کیا کہ وہ تو کافر مشرک تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا۔ لیکن وہ اپنی بات پر اڑ گئی۔ میں آپ سے افادہ کی توقع رکھتی ہوں کہ آیا میں غلطی پر ہوں یا صواب پر؟

خدیجہ - ع

جواب : سورہ تبت بھی قرآن کریم کی سورتوں میں سے ایک سورت اور باقی سورتوں کی طرح ہے۔ لہذا اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں ابولہب کا حال بیان ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اور اس کی بیوی پر خسارہ اور جہنم میں داخل ہونے کا حکم لگایا ہے کیونکہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچاتے تھے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں فرمایا ہے :

﴿ فَأَقْرَهُمَا مَّا يَنْتَرِمْنَهُ ﴾

قرآن سے جو کچھ میسر آئے، پڑھو۔ (الزلزلہ : ۲۰)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے نماز بگاڑ کر ادا کی تھی، کہا : ”پھر قرآن جو تجھے یاد ہو اس سے جتنا آسانی سے پڑھ سکو، پڑھو۔“ یہ قرآنی نص اور نبوی نص سورت تبت کو اسی طرح عام ہیں جیسے باقی سورتوں کو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے سالک! آپ ہی راہ صواب پر ہیں۔ رہا تمہاری بہن کا معاملہ تو وہ غلطی پر ہے تو اسے اپنی بات پر اور اس سورت کو نماز میں پڑھنے کو اچھانہ سمجھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس نے قول باطل اور اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے بات کسی . . . ہم اپنے لیے، آپ کے لیے اور آپ کی بہن کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

### مسجد میں تلاوت کے وقت آواز بلند کرنے کا حکم

سوال : کیا مسجد میں بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرنا جائز ہے۔ جبکہ اس وقت مسجد میں بعض نمازی نفل ادا کر رہے ہوں؟

ابراہیم۔ م۔ ضراء

جواب : مسجد میں اس وقت بلند آواز سے قراءت نہیں کرنا چاہیے، جب کہ اردگرد کے نمازی یا قرآن پڑھنے والے تشویش میں پڑ جائیں۔ اسی طرح اگر قاری مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ ہو اور اس کے اردگرد نمازی یا قاری ہوں تو بھی آواز بلند نہیں کرنا چاہیے۔ لہذا سنت یہ ہے کہ ان پر آواز بلند نہ کی جائے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لائے تو کچھ لوگ نماز ادا کر رہے تھے اور کچھ بلند آواز سے قراءت کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« كَلِّكُمْ يُنَاجِي اللَّهَ؛ فَلَا يُؤْذِ بَعْضُكُمْ بَعْضًا »

تم میں ہر کوئی اللہ سے سرگوشی کر رہا ہے۔ لہذا کوئی شخص دوسرے کو ایذا نہ دے۔

## میت کے گھر میں قرآن پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : میت کے لیے اس طرح قرآن کی قراءت کہ ہم میت کے مقام یا اس کے گھر میں قرآن کے کچھ نغے رکھ دیتے ہیں۔ بعض ہمسائے اور جان پہچان والے مسلمان آتے ہیں۔ وہ مثال کے طور پر قرآن کا ایک پارہ پڑھتے ہیں۔ پھر وہ اپنے اپنے کام پر چلے جاتے ہیں اور اس پر کچھ اجرت نہیں لیتے . . . تو اس طرح کی قراءت اور دعائیت کو پہنچ جاتی ہے اور کیا اسے اس کا ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟

میں آپ سے افادہ کی توقع رکھتا ہوں۔ آپ کا شکریہ . . . یہ خیال رہے کہ میں نے سنا ہے کہ بعض علماء اسے مطلق حرام سمجھتے ہیں۔ بعض مکروہ سمجھتے ہیں اور بعض اس کے جواز کے قائل ہیں۔

عبدالرحیم۔ ج۔ ریاض

جواب : ایسے اور اس سے ملتے جلتے کام کی کوئی اصل نہیں۔ اور یہ کام نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے منقول ہے کہ وہ مردوں کے لئے قرآن پڑھتے ہوں۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہ ہو، وہ مردود ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں نکالا اور بخاری نے اپنی صحیح میں تعلقاً بیان کیا اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہ تھی۔ وہ مردود ہے۔

اور صحیح مسلم میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں یوں فرمایا کرتے تھے :

« أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيِي مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا، وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ »

اما بعد! بے شک بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے اور سب سے برے کام دین میں نئی ایجادات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور نسائی نے صحیح اسناد کے ساتھ یہ الفاظ زیادہ لکھے ہیں: «وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ» (اور ہر گمراہی کی سزا جہنم ہے)۔

البتہ فوت شدہ لوگوں کے لیے صدقہ کرنے اور ان کے حق میں دعا کرنے سے انہیں فائدہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کے اجماع کے مطابق اس کا ثواب انہیں پہنچتا ہے . . . اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی سے ہے اور اسی



سے مدد درکار ہے۔

## اطاعت والدین

والدین سے نیک سلوک اور معروف کاموں میں ان کی اطاعت اہم واجبات سے ہے

سوال : جب میں بعض اہم کاموں میں مصروف ہوتا ہوں اور میری والدہ مجھے بلائے، تو میں اس کی بات نہیں سنتا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب : والدین سے نیک سلوک اور معروف کاموں میں ان کی بات سننا اور ماننا اہم واجبات سے ہے۔ آپ پر واجب ہے کہ اپنی والدہ کے حق کا خیال رکھیں۔ اس کو خوش رکھنے کی پوری کوشش کریں اور بھلے کاموں میں نافرمانی نہ کریں اور جب آپ کے پاس کچھ ضروری کام ہوں جو والدہ کی طلب سے معارض ہوں (یعنی دونوں میں سے ایک کام کیا جاسکتا ہو) تو اپنی والدہ کو بتادیں اور اس سے معذرت کر کے اپنے ضروری کام کر لیں۔

لیکن جب آپ کے کام میں تاخیر ہونے سے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچتا ہو اور والدہ کی حاجت کو پہلے پورا کر لیتا ممکن ہو تو والدہ کی حاجت پوری کرنے کو مقدم رکھیں کیونکہ اس سے نیک سلوک کرنا نہایت ضروری ہے۔

اور اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو جو ان دونوں میں سے اہم ہو، اسے پہلے کر لیں جس کے نہ کرنے سے دوسرے کو تکلیف ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ فَأَتَقُوا اللَّهَ مَا أَسْتَطَعْتُمْ ﴾

اللہ سے ڈرو جہاں تک تم سے ہو سکے۔ (التغابن : ۱۶)

میں شوہر دیدہ عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میری

ماں اس کی مخالفت کرتی ہے۔ اب میں کیا کروں؟

سوال : میں ثیب (شوہر دیدہ عورت) سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میرا والد مذکورہ عورت اور اس کے گھر والے بھی، سب اس شادی کے موافق ہیں لیکن میری والدہ اس کے موافق نہیں اور نہ ہی اس بات پر راضی ہے۔ . . . کیا میں والدہ کی رضا کی پرواہ کیے بغیر اس عورت سے شادی کر لوں یا نہ کروں؟ اور اگر میں اس سے شادی کر لوں تو کیا میں اپنی والدہ کا نافرمان ہوں گا؟ مجھے مستفید فرمائیے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ ابو بکر۔ م۔ سوڈانی حال مقیم ریاض

جواب : والدہ کا حق بہت بڑا ہے اور اس سے نیک سلوک اہم واجبات سے ہے اور جس بات کی میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اس عورت سے شادی نہ کریں۔ جس سے تمہاری ماں خوش نہیں . . . کیونکہ تمہارے لیے تمام لوگوں سے زیادہ خیر خواہ تمہاری والدہ ہے۔ شاید وہ اس عورت کے اخلاق سے کوئی ایسی بات جانتی ہو جس سے آپ کو تکلیف پہنچے۔ عورتیں اس کے علاوہ بھی بہت ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۗ ﴾

اور جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے کوئی راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ (الطلاق : ۲)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ والدہ سے نیک سلوک تقویٰ کی بات ہے۔ الایہ کہ تمہاری والدہ دیندار نہ ہو اور وہ عورت جس سے منگنی مطلوب ہے، دیندار اور متقی ہو اور اگر ایسی بات ہے جو ہم نے ذکر کی ہے تو پھر اس معاملہ میں تمہارے لیے اپنی والدہ کی اطاعت ضروری نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ »

اطاعت صرف بھلے کاموں میں کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بات کی توفیق دے جس میں اس کی رضا ہو اور آپ کے لیے ایسی بات آسان بنائے جس میں آپ کے دین اور دنیا کی صلاح و سلامتی ہو۔

### اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت نہیں

سوال : اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی وجہ سے اگر ماں کسی کی مخالفت کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔ جب صورت حال یہ ہو کہ ماں ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہے جس میں اللہ عزوجل کی نافرمانی ہوتی ہو۔ جیسے وہ زینت کی نمائش اور اکثر سفر کا مطالبہ کرے اور یہ دعویٰ کرتی ہو کہ پردہ محض خرافات ہے اور دین میں اس کی کچھ حیثیت نہیں۔ وہ مجھ سے محفلوں میں جانے اور ایسا لباس پہننے کا مطالبہ کرتی ہے جس میں ہر وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جس کے ظاہر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے حرام کیا ہے اور جب مجھے پردہ کیے ہوئے دیکھتی ہے تو غصہ میں آجاتی ہے؟

مولودہ - ح - ع

جواب : اس سوال کا جواب پہلے سوال کے جواب سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو، اس میں مخلوق کی اطاعت نہیں کرنا چاہئے۔ خواہ باپ ہو یا ماں ہو یا کوئی اور ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ »

اطاعت صرف معروف کاموں میں ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَطَاعَةُ لِلْمَخْلُوقِ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ » ☆

خالق کی نافرمانی کے کام میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

اور یہ امور جن کی طرف سالک کی ماں دعوت دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام ہیں۔ لہذا ان میں اطاعت جائز نہیں۔ ہم تمہاری ماں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور شیطان کی اطاعت سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

**لباس کپڑا دراز رکھنے کا حکم، خواہ یہ ازراہ تکبر ہو یا عادت کے طور پر ہو؟**

**سوال :** کپڑا دراز رکھنے کا کیا حکم ہے۔ خواہ یہ تکبر کے طور پر یا بغیر تکبر ہو اور جب انسان اس کام پر مجبور ہو تو پھر کیا حکم ہے۔ خواہ اس کے گھر والے اسے مجبور کرتے ہوں۔ اگر وہ چھوٹا ہو یا عادت ہی ایسی رائج ہو گئی ہو؟

**جواب :** مردوں کے لیے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ »

تہ بند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہوگا۔

اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور مسلم نے اپنی صحیح میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« ثَلَاثَةٌ لَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ : الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَنَّانُ مَا أُعْطِيَ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ »

قیامت کے دن تین شخصوں سے نہ اللہ کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔ ایک اپنی تہ بند لٹکانے والا، دوسرا دے کر احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔

یہ دونوں حدیثیں اور دوسری حدیثیں جو ان معنوں میں آئی ہیں، ہر طرح کے کپڑے لٹکانے والے کو عام ہیں۔ خواہ وہ تکبر سے لٹکائے یا کسی اور وجہ سے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاطلاق فرمایا ہے اسے

☆ فتاویٰ شیخ ابن باز میں ”للخلق“ اسی طرح مذکور ہے لیکن اصل میں ”لمخلوق“ ہے۔ دیکھئے شرح السنہ حدیث نمبر ۳۵۵

۲۱۰ ج ۵ ص ۶۶۔ (الناشر)

مقید نہیں کیا اور جب کپڑا لٹکانا ازراہ تکبر ہو تو یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے جس کی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُبْلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

جس نے تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

اور یہ خیال کرنا کہ کپڑا لٹکانا صرف اس صورت میں منع ہے کہ ازراہ تکبر ہو، درست نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیثوں میں اس چیز کی کوئی قید نہیں لگائی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں بھی قید نہیں لگائی اور وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی سے فرمایا :

« إِيَّاكَ وَالْإِسْبَالَ فَإِنَّهُ مِنَ الْمَخِيئَةِ »

لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

گویا آپ نے کسی طرح بھی، لٹکانے کی وجہ تکبر ہی قرار دی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات معاملہ ایسا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کی وجہ سے نہ لٹکائے تو بھی یہ تکبر کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کا حکم غایت کا حکم ہوتا ہے۔ یہ کام اس لیے بھی حرام ہے کہ اس میں اسراف ہے اور اپنے لباس کی نجاست اور میل کچیل پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے کہ اس کا کپڑا زمین کو چھو رہا ہے تو اسے فرماتے : ”اپنا کپڑا اونچا کر لے۔ یہ تیرے پروردگار کے لیے تقویٰ اور تیرے کپڑے کے لیے صفائی والا کام ہے۔“

رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے ارشاد۔ جب انہوں نے کہا : ”اے اللہ کے رسول! میرا تہبند ڈھلک جاتا ہے الا یہ کہ میں اسے باندھتا رہوں۔“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا : ”آپ ان سے نہیں جو تکبر سے ایسا کرتے ہیں۔“ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جب تہبند ڈھیلا ہو جائے تو وہ شخص باندھ لے حتیٰ کہ وہ اونچا ہو جائے، وہ ان میں شمار نہ ہو گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہیں۔ کیونکہ اس نے اسے لٹکایا نہیں اور جس شخص کا کپڑا ڈھیلا ہو جاتا ہو پھر وہ اسے اونچا کرتا اور باندھتا رہے، بلاشبہ وہ معذور ہے۔ مگر جو شخص دانستہ اسے لٹکائے خواہ یہ چغہ (عبایا) ہو یا پاجامہ یا تہبند یا قمیص ہو، وہ اس وعید میں داخل ہے اور وہ اپنا لباس لٹکانے میں معذور نہیں ہے۔ کیونکہ جو احادیث صحیحہ کپڑا لٹکانے کی ممانعت میں آئی ہیں، اپنے مفہوم، معنی اور مقاصد کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہذا ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ کپڑا لٹکانے سے بچے اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرے اور ان صحیح احادیث پر عمل کرتے ہوئے اپنا لباس مٹھنے سے بچے نہ لٹکائے اور اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے ڈرے۔ . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## لباس لٹکانا مطلقاً جائز نہیں

سوال : اگر انسان تکبر و نخوت کے ارادہ کے بغیر اپنا کپڑا لٹکائے تو کیا پھر بھی اس پر حرام ہے اور کیا آستین میں بھی اسبال (کا حکم) ہے؟

عبد اللطیف - م - ع - ریاض

جواب : لباس کو لٹکانا مطلقاً جائز نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ »

تہ بند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہوگا۔

اسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر بن سلیم والی حدیث میں

فرمایا :

« إِيَّاكَ وَالْإِسْبَالَ فَإِنَّهُ مِنَ الْمَخِيلَةِ »

کپڑا نیچے لٹکانے سے بچو۔ کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« ثَلَاثَةٌ لَا يَكْتُمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ :

الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَتَّانُ مَا أُعْطِيَ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ »

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ ایک اپنے تہ بند کو لٹکانے والا، دوسرا کسی کو کچھ دے کر جتانے والا اور تیسرا وہ شخص جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرے۔

اس حدیث کی مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ تکبر کا ارادہ رکھتا تھا یا نہ رکھتا تھا کیونکہ ان احادیث میں عموم ہے اور اس لیے بھی کہ بسا اوقات یہ کام کبر و نخوت کی وجہ ہی سے ہوتا ہے اور اگر اس نے ازراہ تکبر نہ بھی کیا ہو تو بھی یہ تکبر و نخوت کا وسیلہ ہے۔ نیز اس میں عورتوں سے مشابہت اپنے کپڑوں کو میل کچیل اور گندگی پر رگڑنے کے علاوہ اسراف بھی ہے۔

اور اگر یہ تکبر کے قصد سے ہو تو اس کا گناہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خَيْلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

جس نے تکبر کی وجہ سے اپنے کپڑے کو گھسیٹا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا کہ : ”تم ان سے نہیں“

جو یہ کام ازراہ تکبر کرتے ہیں۔“ جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ”میرا تہ بند ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ الایہ کہ

میں اسے باندھتا رہوں“ . . . تو یہ اس بات پر دلیل ہے کہ جسے ایسی بات پیش آئے جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو درپیش تھی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ وہ تہمند کو باندھتا رہے اور اسے اسی لنگی ہوئی حالت میں چھوڑ رکھنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

رہی کفوں کی بات، تو سنت یہ ہے کہ وہ پنچے سے آگے نہ ہوں اور یہ وہ مقام ہے جو بازو اور ہتھیلی کو الگ کرنے والا ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

بعض لوگ اپنے کپڑے چھوٹے لیکن پاجامہ لمبا رکھتے ہیں۔ اس میں راہ صواب کیا ہے؟

سوال : بعض لوگ کپڑے (قمیص وغیرہ) چھوٹے رکھتے ہیں کہ وہ ٹخنے کے اوپر تک رہیں لیکن پاجامہ لمبا رہنے دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

بشیر۔ ع۔ الخرج  
جواب : کپڑا لٹکانا حرام اور ناپسندیدہ ہے خواہ یہ قمیص ہو یا تہمند ہو۔ پاجامہ ہو یا بشرٹ۔ یعنی جو ٹخنوں سے نیچے تک چلا جائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبِيِّنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ »

تہمند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا۔ وہ آگ میں ہو گا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« ثَلَاثَةٌ لَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ : الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَتَّانُ مَا أُعْطِيَ، وَالْمُنْفِقُ سَلَعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ »

تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہ کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کو دردناک عذاب ہو گا۔ ایک اپنا تہمند لٹکانے والا، دوسرا کسی کو کچھ دے کر احسان جتانے والا اور تیسرا وہ جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان فروخت کرے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کی۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی سے فرمایا :

« إِيَّاكَ وَالْإِسْبَالَ فَإِنَّهُ مِنَ الْمَخْبِلَةِ »

کپڑا لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ ازراہ تکبر ہوتا ہے۔

یہ احادیث اپنے عموم اور اطلاق کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کپڑا لٹکانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اگرچہ اس کا کرنے والا یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ ازراہ تکبر ایسا نہیں کر رہا۔

اور اگر کوئی تکبر سے ایسا کرے، تو اس کا گناہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے :

« مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خَيْلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ »

جس نے ازراہ تکبر اپنا کپڑا گھسیٹا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔

کیونکہ اس نے کپڑا لٹکانے اور تکبر کے گناہ کو اکٹھا کر لیا۔ ہم اس سے اللہ کی عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو بکر رضی اللہ کو یہ کہنا، جب انہوں نے کہا ”اے اللہ کے رسول! میرا تمہند ڈھلک جاتا ہے۔ الایہ کہ میں اسے باندھتا رہوں۔“ فرمایا! ”تم ان لوگوں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔“ تو یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ جو تکبر کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کے لیے کپڑا لٹکانا جائز ہے۔ بلکہ یہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس شخص کا تمہند یا جامہ ڈھلک جائے اور اس کا تکبر کا قصد نہ ہو اور اسے باندھ کر درست کر لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

مگر یہ جو بعض لوگ پاجاموں کو ٹخنوں کے نیچے تک لٹکائے رکھتے ہیں۔ یہ جائز نہیں اور سنت یہ ہے کہ اپنی قمیص یا دوسرے کپڑوں کو نصف پنڈلی سے لے کر ٹخنوں تک رکھے تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔ . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## چڑے کے کوٹ پہننے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے

سوال : چڑے کے اور کوٹ پہننے کے معاملہ میں ایک بحث کے دوران آخری اوقات میں ہمیں تیز کلامی سے سابقہ پڑ گیا۔ بعض بھائیوں کا یہ خیال تھا کہ کوٹ خنزیر کے چڑے سے بنائے جاتے ہیں . . . اور جب یہ صورت ہو تو ان کے پہننے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا یہ دینی نقطہ نظر سے جائز ہے۔ یہ خیال رہے کہ بعض دینی کتابوں مثلاً قرضاوی کی کتاب حلال و حرام اور دین علی مذاہب اربعہ میں اس مسئلہ پر کئی اقوال بتلائے گئے ہیں۔ جن سے اس مشکل کی طرف اشارہ ہی ملتا ہے۔ کوئی بات انہوں نے وضاحت سے پیش نہیں کی۔

المرکز الشافعی الاسلامی - ارہوس

جواب : نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”جب کھال کو رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔“ نیز فرمایا : ”مردار کی کھال رنگ دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔“

اور علماء کا اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا یہ حدیث تمام جانداروں کی کھالوں کو عام ہے یا صرف ذبیحہ مردار کی کھالوں سے مختص ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ ذبیحہ مردار کی کھال رنگنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ جیسے اونٹ، گائے اور بکری کی کھال پاک ہو جاتی ہے اور اہل علم کے صحیح تر قول کے مطابق ہر چیز میں استعمال ہو سکتی ہے . . . مگر خنزیر، کتے اور اس جیسے دوسرے جانور جنہیں ذبح کرنا حلال نہیں، ان کی کھال دباغت سے پاک ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اور محتاط روش یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے انہیں استعمال نہ کیا جائے۔

« مَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ ؛ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ »  
جو شخص شُبہات سے بچا رہا، اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« دَخَّ مَا يُرِيئُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيئُكَ »

اس چیز کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور وہ اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔

## گانا اور ساز و مضراب

### موسیقی کا حکم

سوال : میں نے صحیفہ عکاظ عدد ۶۱۰۶ مورخہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ میں ایک خبر پڑھی جس کا ماہی یہ ہے کہ ایک سعودی گویا تھا۔ جس نے گانا چھوڑ دیا تھا۔ ایک فضائی سفر میں جو قاہرہ اور باریس کے درمیان تھا۔ اس گویے کی ایک دیندار آدمی سے ملاقات ہوئی اور گانے اور اس کی مشروعیت سے متعلق باتیں ہونے لگیں اور جب وہ گویا طیارہ سے اترتا تو اس دیندار آدمی نے اسے دلائل و براہین سے گانے کی مشروعیت پر مطمئن کر دیا۔ وہ لوٹا اور چند گانے سنانے کھڑا ہو گیا۔ جنہیں بحث کا پہلا پھل قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیا اسلام میں گانا مشروع ہے اور وہ بھی دلائل و براہین کے ساتھ۔ خصوصاً موجودہ دور کے عیش و عشرت کے اوقات میں جبکہ موسیقی بھی ساتھ ہوتی ہے؟

قاسم۔ م۔ جامعہ ملک سعود

جواب : گانا جمہور اہل علم کے نزدیک حرام ہے اور گانے کے ساتھ کوئی کھیل کا آلہ جیسے موسیقی، عود، رباب یا کوئی اور چیز ہو تو اس کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس کے دلائل یہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بیہودہ باتیں خریدتا ہے تاکہ ان سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہرکادے۔

(لقمان : ۶)

اس آیت کی تفسیر مفسرین کی اکثریت نے غنا سے کی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود اس بات پر قسم اٹھاتے ہوئے کہتے تھے کہ :

« إِنَّ الْغِنَا يُنْبِتُ النَّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ »

گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی سبزہ اگاتا ہے۔

اور صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :



میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور آلات موسیقی کو حلال بنا لیں گے۔ اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقا اور دوسرے محدثین نے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے اور معارف کے معنی گانا اور آلات موسیقی ہیں۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس شخص نے غنا کی مشروعیت کا فتویٰ دیا ہے (اگر یہ نقل صحیح ہے تو) اس نے بغیر علم کے اللہ تعالیٰ پر بات کہی اور باطل فتویٰ دیا۔ جس کے متعلق جلد ہی قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی اور مدد تو اللہ تعالیٰ ہی سے درکار ہے۔

گانے کا کیا حکم ہے۔ کیا وہ حرام ہے یا نہیں؟

سوال : گانے کا کیا حکم ہے، کیا وہ حرام ہے یا نہیں۔ جبکہ میں اسے صرف تسلی کے ارادہ سے سنوں۔ نیز سارنگی پر گانے اور پرانے گیت گانے کا کیا حکم ہے؟ کیا شادی کے موقع پر طبلہ پر تھاپ حرام ہے۔ جبکہ میں نے سنا ہے کہ وہ جائز ہے لیکن حقیقت میں نہیں جانتی؟

ایک مسلمان عورت

جواب : گانے کو دھیان سے سننا حرام اور منکر ہے۔ جو دلوں کے مرض اور ان کی سختی کا سبب بنتا ہے اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے اور اکثر اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول :  
﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ ﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بیہودہ باتیں خریدتا ہے۔ (لقمان : ۶) کی تفسیر غنا سے کی ہے اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ابوالمہدیث سے مراد گانا ہے اور جب گانے کے ساتھ کوئی گانے کا آلہ جیسے سارنگی، عود، کمان اور طبلہ وغیرہ بھی ہو تو اس کی حرمت سخت ہو جاتی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جب گانے کے ساتھ کوئی آلہ بھی ہو تو وہ اجماعاً حرام ہے۔ لہذا اس سے بچنا واجب ہے اور یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درست طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ : الْحِرَّ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ »

میری امت سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال بنا لیں گے۔ اور حر کا معنی زنا اور معارف کا معنی گانے اور آلات موسیقی ہیں۔

اور میں آپ کو اور دوسرے مردوں اور عورتوں سب کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ قرآن کی قراءت اور اللہ عزوجل کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ جیسا کہ میں آپ کو اور دوسرے لوگوں کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ آپ گانے اور موسیقی سننے کے بجائے قرآنی نشریات اور برنامے (پروگرام) نورا سن کریں۔ کیونکہ ان دونوں میں بڑے بڑے فوائد ہیں۔

رہی شادی تو اس میں عام گانا اور دف بجانا مشروع ہے۔ ایسا گانا جس میں کسی حرام چیز کی دعوت نہ ہو نہ اس میں کسی حرام چیز کی مدح ہو اور یہ رات کے وقت عورتوں کے لیے خاص ہے کہ نکاح کے اعلان اور نکاح اور زنا میں فرق ہو سکے۔ جیسا کہ ایسی ہی سنت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درست طور پر ثابت ہے۔ لیکن طبلہ بجانا شادی کے موقع پر جائز نہیں۔ بلکہ خاص طور پر دف پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔ اور نکاح کے اعلان کے لیے لاؤڈ سپیکروں کا استعمال جائز نہیں اور مروجہ وہ گانے بھی جو لاؤڈ سپیکروں پر گائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان سے عظیم فتنہ اور برے نتائج پیدا ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو ایذا پہنچتی ہے۔ نیز اس کام میں طویل وقت صرف کرنا بھی جائز نہیں۔ بلکہ تھوڑے وقت پر ہی اکتفا کرنا چاہیے جس میں نکاح کا اعلان ہو جائے۔ کیونکہ اس کام میں طویل وقت صرف کرنے سے نیند پوری نہیں ہوتی اور فجر کی نماز ضائع ہو جاتی ہے اور یہ بات بڑے بڑے حرام کاموں اور منافقین کے اعمال سے ہے۔

### تقریبات میں ترانے اور طبلے کا استعمال کرنے کا حکم

سوال : بعض تقریبات یا دوسرے موقعوں پر ہم ترانوں کے ساتھ طبلے بھی استعمال کرتے ہیں اور بعض راتیں اسی کام میں گزار دیتے ہیں۔ لیکن ایک دفعہ ہم پر کسی آدمی نے گرفت کی۔ کیا ہمارا یہ کام ناپسندیدہ ہے . . . یعنی ہم جو ترانے گاتے اور طبلے استعمال کرتے ہیں . . . یہ خیال رہے کہ ہم جو ترانے دہراتے ہیں ان میں فحش کلام نہیں ہوتا۔ مجھے فتویٰ دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

سعود۔ س۔ الریاض

جواب : ہم ایسی کوئی بات نہیں جانتے جس کی رو سے طبلوں کا استعمال مباح ہو۔ بلکہ صحیح احادیث کے ظاہری معنی طبلوں کے استعمال کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے کہ موسیقی کے دوسرے آلات مثلاً عود اور کمان وغیرہ ہیں۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ : الْحَرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَارِفَ »

میری امت سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال بنالیں گے۔ اور لفظ معارف گانوں اور تمام آلات موسیقی کو شامل ہے۔

## کیا گانے اور موسیقی سننا جائز ہے؟

سوال : کیا مسلمان کے لیے گانا اور موسیقی سننا جائز ہے۔ اس دلیل سے کہ وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کیے جاتے ہیں؟

عبدالرحمن - ع- ۱

جواب : گانے اور آلات موسیقی سننا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ نماز اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتے ہیں اور اس لیے بھی کہ انہیں سننے سے دل مریض اور سخت ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ پر اپنے پروردگار کی طرف سے صلوة و سلام ہو، کی سنت اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو بیہودہ باتیں خریدتا ہے تاکہ بغیر علم کے اللہ کی راہ سے بہکا دے۔

(لقمان : ۶)

اس آیت میں اکثر علمائے مفسرین نے اور دوسرے علماء نے بھی لہو الحدیث کی تفسیر گانے اور آلات موسیقی سے کی ہے۔

اور بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا :

« لِيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ : الْحَرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ »

میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال بنالیں گے۔

حر کا معنی حرام شرمگاہ ہے اور حریر (ریشم) معروف ہے جو مردوں پر حرام ہے اور خمر (شراب) معروف ہے

اور خمر ہر وہ چیز ہے جو نشہ آور ہو اور یہ تمام مسلمانوں پر حرام ہے۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور خواہ چھوٹے

ہوں یا بڑے . . . اور نشہ آور چیزوں کا استعمال کبیرہ گناہ ہے . . . اور معازف گانے اور گانے کے

آلات کو شامل ہے۔ جیسے موسیقی اور کمان، عود اور رباب اور ایسے ہی دوسرے گانے بجانے کے آلات۔

اس باب میں مذکورہ آیت و حدیث کے علاوہ اور بھی آیات و احادیث ہیں۔ جن کا ذکر علامہ ابن قیم نے

اپنی کتاب إِغَاثَةُ اللَّهْفَانِ فِي مَكَايِدِ الشَّيْطَانِ میں کیا ہے۔

ہم تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے ہدایت، توفیق اور اس کے غضب کے اسباب سے عافیت کی دعا

کرتے ہیں۔



احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے۔ تالی بجانا تو بالخصوص عورتوں کے لیے مشروع ہے۔ جب وہ نماز میں پیچھے کھڑی ہوں اور مرد بھی ہوں۔ اور نماز میں امام بھول جائے تو تالی بجا کر تنبیہ کرنا ان کے لیے مشروع ہے۔ مگر مرد سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کریں گے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنت ثابت ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مردوں کے تالی بجانے میں کافروں اور عورتوں سے مشابہت ہے اور دونوں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## محرمات (حرام کام)

عادت سریرہ کا کیا حکم ہے؟

سوال : عادت سریرہ کا کیا حکم ہے؟

صالح-ع-ق-الیمین

جواب : عادت سریرہ یعنی مشت زنی حرام ہے اور ہر مسلمان پر اس سے بچنا واجب ہے کیونکہ یہ فعل اللہ عزوجل کے درج ذیل قول کے مخالف ہے :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا کسی اور چیز کے طالب ہوں تو یہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۵-۶-۷)

اور اس لیے بھی کہ اس میں اور بھی بہت سے نقصان ہیں اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایسا طریقہ بتلائیے کہ مجھ سے عادت سریرہ چھوٹ جائے؟

سوال : میں عادت سریرہ میں مبتلا ہوں۔ جبکہ میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا بھی ہوں اور جانتا ہوں کہ وہ حرام ہے۔ اسے چھوڑنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن پھر بھی کبھی کبھی کر لیتا ہوں۔ ایسے طریقہ کی طرف میری رہنمائی فرمائیے جس سے یہ عادت چھوٹ جائے۔؟

خ-ن-ع-الریاض

جواب : عادت سریرہ یعنی مشت زنی حرام ہے اور ماہر اطباء اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس کے نقصانات بہت زیادہ ہیں جو انجام کار صحت کو برباد کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوحِهِمْ حَافِظُونَ ﴾ إِلَّا عَلَيَّ أَرْوِجُهُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۱﴾ فَمَنْ آتَبَعَنِي وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۲﴾

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہوتی ہیں، ان میں انہیں کوئی ملامت نہیں اور جو لوگ ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو یہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون: ۵-۶-۷)

اور یہ عادت اس وصف کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے بیان فرمائی ہے۔ گویا یہ اپنے آپ پر بھی ظلم و زیادتی کا کام ہے۔ لہذا اسے چھوڑنا اور اس سے بچنا واجب ہے اور اسی بات پر عمل کرنا چاہیے۔ جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور رہنے والوں کے لئے مشروع کیا کہ وہ روزے رکھیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ؛ فَإِنَّهُ أَغْضُ لِلْبَصْرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ؛ فَإِنَّهُ لَهُ وَجَاءٌ »

اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو بیوی کرنے کی طاقت رکھتا ہو، وہ شادی کر لے کیونکہ یہ نگاہ کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کو بد فعلی سے بچانے میں مددگار ہے اور جو شادی نہ کر سکتا ہو وہ روزہ رکھے۔ روزہ اسے خصی کر دیتا (شہوت توڑ دیتا) ہے۔

انشاء اللہ اس علاج نبوی سے یہ گندی اور حرام عادت چھوٹ جائے گی اور جو شخص روزے کی یا اس خبیث عادت کو چھوڑنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ علاج میں رہنمائی کے لیے کسی طبیب سے رابطہ کرے تو بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« ما أنزل الله داء إلا أنزل له شفاء علمه من علمه وجهله من جهله »

اللہ نے کوئی ایسی بیماری نہیں اتاری جس کی شفا نازل نہ کی ہو۔ جس نے اسے جان لیا سو جان لیا اور جس نے نہ جانا وہ جاہل رہا۔

نیز فرمایا :

« عِبَادَ اللَّهِ تَدَاوُوا، وَلَا تَدَاوُوا بِحَرَامٍ »

اے اللہ کے بندو! علاج کیا کرو مگر حرام چیز سے علاج نہ کرو۔

ہم اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ہر برائی سے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

## عادت سر یہ بہت بری عادت ہے

سوال : میں اٹھارہ سال کا نوجوان ہوں اور تین سال کا عرصہ ہوا جب میں نے مشیت زنی شروع کی تھی۔ میں کبھی تو اس میں نفس کے لیے راحت محسوس کرتا ہوں اور بسا اوقات مجھے ضمیر ملامت کرتا ہے اور میں شرم محسوس کرتا ہوں اور کبھی میں یہ کام کرنے کے بعد غسل کر لیتا ہوں اور کبھی نہیں کرتا۔ خصوصاً جبکہ سردی کا موسم ہو اور سردی شدید ہو۔ میں یہ نہیں جانتا کہ کتنی نمازیں میں نے غسل کے بغیر پڑھی ہیں۔ اور ۱۴۰۲ھ رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت بھی یہ کام کرتا رہا جبکہ میں روزہ سے ہوتا تھا۔ کیا اس بات کا میری نماز، روزے پر اثر پڑے گا؟ اور کیا منی پاک ہوتی ہے؟ میں نے ایک حدیث سنی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ :

« أَنْ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - كَانَ قَائِمًا يُصَلِّي الْفَجْرَ، وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا تَفْرِكُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِهِ »

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے کپڑے سے منی کھرچ دیا کرتی تھیں۔  
مجھے جواب سے مستفید فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

م-ع

جواب : عادت سر یہ یعنی مشیت زنی بہت بری عادت میں سے ہے۔ اور اہل علم بالصرحت اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥١﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٥٢﴾ فَمَنْ آتَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٥٣﴾ ﴾

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا کنیوں سے جو ان کی ملک ہیں ان میں انہیں کچھ ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہی لوگ حد سے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۵ - ۷)

اور جو شخص اس عادت کو اپنائے رکھے اسے بہت سے نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لہذا آپ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کریں اور ایسا کام دوبارہ کرنے سے اجتناب کریں۔ اس عادت بد میں مبتلا رہنے کے دوران آپ پر رمضان کے روزوں کی بھی قضا واجب ہے اور تمام نمازوں کی بھی جو آپ نے بحالت جنابت نہائے بغیر ادا کی ہیں اور آپ کو ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم نہ ہو تو ظن غالب کے مطابق عمل کیجئے۔

رہا منی کے پاک ہونے کا مسئلہ، تو علماء کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق پاک ہے اور جس

کپڑے کو لگ جائے اس کو دھونا مستحب ہے۔ یا پھر کھرج دے۔ حتیٰ کہ اس کا نشان زائل ہو جائے۔ تاہم دھونا افضل ہے۔

اگر کوئی نوجوان مشت زنی میں مبتلا ہو جائے تو اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

ہم آپ سے شافی جواب کی توقع رکھتے ہیں

سوال : مشت زنی کے متعلق شیخ قرضاوی کہتے ہیں اور وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ منیٰ کو جسم کے دوسرے فضلوں کی طرح ایک فضلہ سمجھتے تھے۔ لہذا انہوں نے فصد کی طرح اسے جائز قرار دیا ہے۔ ابن حزم کا مذہب بھی یہی ہے اور وہ (محل) کے ص ۱۲۶ پر اسی مکتب فکر کی تائید کرتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے کہ امام احمد اسے مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی کیا دلیل ہے؟ پھر ایسی مصیبت ہے جس کا ہم اللہ کے ہاں شکوہ کرتے ہیں کہ نوجوان جب اس کام میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں روزوں کو بھول جاتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ ایسے ہی نوجوانوں میں سے کسی نے ہمیں یہ بتلایا کہ ایسے نوجوان کپڑے یا روئی سے کسی بے ریش لڑکے یا کسی نوجوان لڑکی کی شرمگاہ یا دبر کی سی شکل بنا لیتے ہیں۔ پھر اس شکل میں یہ نوجوان اپنا ذکر داخل کر کے وطی کرتا ہے . . . وغیرہ۔

خالد-۱-ع- شیبہ الدوحہ

جواب : اہل علم کے اقوال میں سے صحیح تر قول کے مطابق مشت زنی حرام ہے اور علماء کی اکثریت کا

قول یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل قول میں عموم ہے :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۵﴾ إِلَّا عَلَاجَ أَرْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۶﴾ فَمَنْ آتَبَعَنِي ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۷﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہوتی ہیں، ان کو کچھ ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں تو یہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۵-۶-۷)

گویا اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی ثناء کی جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور اپنی خواہش کو اپنی بیوی یا کنیز کے علاوہ کسی بھی اور طریقہ سے پورا نہ کیا اور جو شخص ان صورتوں کے علاوہ کسی بھی صورت میں اپنی خواہش پوری کرتا ہے اس کے متعلق ”زیادتی کرنے والا“ کا فیصلہ دیا۔ جو اس چیز سے آگے نکل جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے حلال کیا ہے۔ اس آیت کے عموم میں مشت زنی بھی داخل ہے۔ جیسا کہ اس پر حافظ ابن کثیر وغیرہ نے تنبیہ کی ہے۔ علاوہ ازیں اس عادت کے نقصانات بہت ہیں اور نتائج بہت خراب نکلتے ہیں۔ قوی مضہم اور اعصاب کمزور پڑ جاتے ہیں۔ جبکہ شریعت اسلامیہ ہر اس کام سے منع کرتی ہے جس سے اس کے



دین، بدن، مال اور آبرو کو نقصان پہنچتا ہو۔

موفق ابن قدامہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ”المغنی“ میں لکھتے ہیں : ”اگر اپنے ہاتھ سے مشت زنی کرے تو اس نے حرام کام کیا۔ لیکن جب تک انزال نہ ہو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں! اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ وہ بوسہ کے معنی میں ہے“ اور بوسہ کے معنی سے ان کی مراد یہ ہے کہ انزال اس کے سبب سے ہو اور اگر بوسہ بغیر انزال کے ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مجموعہ فتاویٰ ج ۳۴ صفحہ ۳۲۹ پر کہتے ہیں : ”رہامت زنی کا مسئلہ تو وہ جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے۔ اور جنہلی مذہب کے دو اقوال میں سے صحیح تر قول یہی ہے۔ اس قول کے مطابق ایسا کام کرنے والے کو سزا دی جائے گی اور دوسرے قول کے مطابق یہ مکروہ ہے، حرام نہیں۔ جبکہ اکثر علماء اسے گناہ کے خوف یا کسی دوسری وجہ سے مباح نہیں سمجھتے۔

علامہ محمد الامین الشنیطی رحمہ اللہ اپنی تفسیر اضواء البیان ج ۵ ص ۶۹ پر یوں رقمطراز ہیں :

”تیسرا مسئلہ : جان لیجئے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس آیت میں :

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴾

ایمان لانے والے مراد کو پہنچ گئے۔ (المؤمنون : ۱)

﴿ فَمَنْ أَبْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴾

اور جو لوگ ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔

(المؤمنون : ۷)

آیت کا عموم مشت زنی کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے جو جلد عمیرۃ کے نام سے معروف ہے اور اسے خففتہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ جس شخص نے اپنے ہاتھ سے لذت حاصل کی حتیٰ کہ اس طرح اس کی منی نکل آئی تو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کے لئے حلال کیا تھا، اس نے اس کے علاوہ اور راہ طلب کی۔ لہذا وہ مذکورہ آیت کریمہ کی رو سے زیادتی کرنے والوں سے ہے اور یہی سائل کے سوال کی صورت ہے۔ ابن کثیر نے یہ بھی ذکر کیا ہے : امام شافعی اور ان کے متبعین نے اسی آیت سے مشت زنی کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

اور قرطبی کہتے ہیں کہ محمد بن الحکم نے کہا : میں نے حرمہ بن عبدالعزیز سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے امام مالک سے مشت زنی کرنے والے شخص کے متعلق پوچھا تو انہوں نے یہی آیت پڑھی :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۷﴾ إِلَىٰ قَوْلِهِ الْعَادُونَ ﴾

اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔۔۔ تا آنکہ فرمایا وہی لوگ حد سے آگے نکل

جانے والے ہیں۔ (المؤمنون : ۷)

اللہ تعالیٰ نے یہ قید قبول کر لینے والے کے متعلق فرمایا کہ! اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف کرے گا اور بخش

دے گا۔ اس بات سے مجھ پر واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ سے اہل علم امام مالک اور امام شافعی وغیرہ نے جو جلد عمیرہ کی ممانعت پر استدلال کیا ہے تو وہ یہی مشت زنی ہے۔ جس کا کتاب اللہ سے استدلال صحیح ہے۔ جس پر قرآن کا ظاہر دلالت کرتا ہے اور کتاب اللہ میں یا سنت میں ایسی کوئی چیز وارد نہیں جو اس سے معارض ہو اور امام احمد کے علم، ان کی جلالت شان اور ورع کے باوجود ان سے جو کچھ مشت زنی کی اباحت سے متعلق مروی ہے تو وہ محض اسے قیاس پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ : وہ بدن سے ایسے فضلہ کا اخراج ہے۔ جسے نکال دینے کا ضرورت مطالبہ کرتی ہے۔ گویا انہوں نے اسے فصد اور پچھنے لگوانے پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے :

إِذَا حَلَلْتَ بِوَادٍ لَا أُنَيْسَ بِهِ فَاجْلِدْ عَمِيرَةً لَاعَارَ وَلَا حَرَجَ

اگر تو کسی ایسے مقام پر ڈیرا کرے جہاں کوئی انیس (عورت وغیرہ) نہ ہو تو مشت زنی کر لے۔ اس میں نہ کوئی شرم کی بات ہے اور نہ ہی کوئی حرج ہے۔

تو یہ بات راہ صواب کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس کا کہنے والا کسی بھی معروف مقام پر ہو۔ کیونکہ یہ ایسا قیاس ہے جو قرآن کے ظاہر عموم کے خلاف ہے اور ایسا قیاس مردود ہے، جسے قیاس فاسد کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اس کتاب میں کئی بار اس کی وضاحت کر چکے ہیں اور اس بارے میں صاحب مراقی سعود کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے :

وَالْخُلْفُ لِلنَّصِّ أَوْ إِجْمَاعٍ دَعَا فَسَادُ الْإِعْتِبَارِ كُلِّ مَنْ وَعَى

اور ایسا قیاس جو نص یا اجماع کے خلاف ہو، وہ فاسد سمجھا جائے گا ہر عالم کی یہی پکار ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے جب یہ ارشاد فرمایا :

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

تو دو قسم کے لوگوں کے سوا کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں فرمایا اور وہ دو قسمیں اس آیت میں مذکور ہیں :

﴿إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾

مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہوتی ہیں۔

اور یہ صراحت کردی کہ صرف اپنی بیویوں سے یا اپنی کنیز سے اگر اپنی شرمگاہ کی حفاظت نہ بھی کریں تو ان پر ملامت نہیں کی جاسکتی۔ پھر اس کے بعد ایسا عام صیغہ استعمال فرمایا جو ان دو مذکورہ قسموں کے سوا ہر قسم کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ارشاد ہے :

﴿فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾

اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں، وہی لوگ حد سے آگے نکل جانے والے ہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عموم اپنے ظاہر کے لحاظ سے مشت زنی کو شامل ہے اور قرآن کے ظاہر عموم سے اس وقت تک عدول نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جسے اس طرف پھیرنا واجب ہو۔ رہا اس کے مخالف قیاس تو اسے فاسد سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور ابو الفضل عبد اللہ بن صدیق الحنسی اور سی نے اپنی کتاب ”الاستقصاء لادلتہ تحریم الاستنماء او العادة السرية من الناحيتين اللغوية والصحية“ میں یوں وضاحت کرتے ہیں :

پہلا باب : ”مشت زنی کی حرمت اور اس کی دلیل“۔ مالکی، شافعی، احناف اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مشت زنی حرام ہے اور یہی وہ صحیح مذہب ہے جس کے علاوہ کوئی قول جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے درج ذیل دلائل سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

## ☆ پہلی دلیل :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوحِهِمْ حَفِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنْ آتَىٰكَ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾﴾

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا کنیزوں سے جو ان کی ملک ہوتی ہیں ان کے معاملے میں انہیں کوئی ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کردہ) حد سے نکل جانے والے ہیں۔ (المومنون : ۵-۶-۷)

اس آیت کریمہ سے وجہ دلالت ظاہر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی۔ پھر بتلایا کہ اگر وہ بیویوں یا کنیزوں سے شرمگاہوں کی حفاظت نہ کریں تو اس میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ ملامت۔ کیونکہ وہ شرمگاہ کی حفاظت کے اس عموم سے مستثنیٰ ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : یعنی جو شخص طلب کرے یعنی مذکورہ بیویوں اور کنیزوں کے سوا کوئی اور بات

یعنی وہ ظالم ہیں جو حلال کی حد سے گزر کر حرام تک جا پہنچتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہوئی حدود سے آگے نکل جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی رو سے ظالم ہے :

﴿ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٧٠﴾﴾

اور جو شخص اللہ کی مقرر کردہ حدود سے آگے نکل جائے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ (البقرة - ۲۲۹)

گویا یہ آیت بیویوں اور کنیزوں کی دو قسموں کے سوا ہر قسم کی حرمت کے لئے عام ہے اور اس میں کوئی

شک نہیں کہ مشت زنی ان دو قسموں کے علاوہ ہے۔ لہذا یہ حرام ہوئی اور اسے چاہنے والا قرآنی نص کی رو سے ظالم ہے۔

پھر مولف کتاب دوسرے دلائل کا ذکر کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا :

## ☆ چھٹی دلیل :

علم طب میں یہ بات تجربہ میں آچکی ہے کہ مشت زنی کئی امراض کا سبب بنتی ہے۔ ان میں سے ایک ضعف بصارت ہے۔ یعنی معمول کے مطابق جتنے فاصلہ پر آنکھ دیکھ سکتی ہے اس سے نگاہ بہت کم رہ جاتی ہے۔ دوسری بیماری عضو تناسل کی کمزوری ہے۔ اس میں ڈھیلا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ جزوی طور پر ہو یا کلیتہ ہو۔ اور مشت زن عورتوں کی طرح (یعنی نامرد) ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں وہ اہم مردی امتیازات ناپید ہو جاتے ہیں۔ جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔ وہ شادی کے قابل نہیں رہتا اور اگر بالفرض شادی کر بھی لے تو کما حقہ، وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بیوی دوسروں کو اس بات پر مطلع کر دیتی ہے کیونکہ وہ اپنی پاک دامنی کی قدرت نہیں رکھ سکتی اور اس میں جو مقاصد ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس کے عام اعصاب میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے جو اس فعل کے نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتی ہے اور ایک یہ کہ اس کے معدہ میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے جو معدہ کے عمل کو کمزور اور نظام ہضم کو خراب کر دیتا ہے اور ایک یہ کہ اس کے اعضاء کی بالیدگی رک جاتی ہے۔ بالخصوص آلہ تناسل اور خصیتین کی کہ وہ اپنی بالیدگی کی حد کو نہیں پہنچ پاتے اور ایک یہ کہ خصیتین میں مادہ منویہ میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے شخص کو بہت جلد انزال ہونے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ذکر کے محض کسی چیز سے چھوٹنے یا رگڑ کھانے سے بھی اسے انزال ہو جاتا ہے۔

اور ایک یہ کہ اس کی کمر کے مہروں میں درد ہونے لگتا ہے کیونکہ یہی وہ صلب ہے جس سے منی کا اخراج ہوتا ہے۔ جس سے کمر میں خمیدگی اور ٹیڑھ پیدا ہو جاتی ہے۔

اور ایک یہ کہ مشت زن کا پانی تحلیل ہونے لگتا ہے۔ اس کے مادہ منویہ میں سختی اور گاڑھا پن نہیں رہتا۔ جیسا کہ عام حالات میں ایک آدمی کی منی ہوتی ہے۔ ایسے شخص کی منی تپلی اور منی کے کیڑوں سے خالی ہوتی ہے اور بسا اوقات اس میں کمزور سے کیڑے رہ جاتے ہیں جو حمل ٹھہرانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر ان سے حمل ٹھہر بھی جائے تو ان سے کمزور جنس پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مشت زنی کی اولاد ان لوگوں کی نسبت کمزور اور پیدائشی مریض ہوتی ہے جن کی اولاد طبعی منی سے پیدا ہوئی ہو۔

اور ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ اعضاء میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے دونوں پاؤں میں۔

اور ایک یہ کہ مغز والی غدود میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے قوت مدد کہ کمزور پڑ جاتی ہے اور ایسا شخص ذہین ہونے کے باوجود قلیل الفہم ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انہی مغز والی غدود کے مغز سے خالی ہونے کی وجہ سے عقل میں خرابی واقع ہو جاتی ہے۔

ان تصریحات سے سائل پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مشمت زنی کے حرام ہونے میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس کے دلائل اور نقصانات کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

اور جو شخص روئی وغیرہ سے فرج کی شکل بنا کر اس سے ایسا کام کرے، اس کا معاملہ بھی مشمت زنی سے ہی جا ملتا ہے۔ واللہ اعلم

### سگریٹ پینے، اس کی بیع اور اس کی تجارت کا کیا حکم ہے؟

سوال : سگریٹ پینے کا کیا حکم ہے اور آیا وہ حرام ہے یا مکروہ، نیز اس کی بیع اور اس کی تجارت کا کیا حکم ہے؟

ع-ح-ع-ح

جواب : سگریٹ نوشی حرام ہے۔ کیونکہ یہ گندی چیز ہے اور بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کے لئے کھانے پینے کی چیزوں میں سے پاکیزہ چیزیں ہی ان پر مباح کی ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کچھ ان کے لئے حلال کیا گیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔ (المائدہ : ۴)

نیز اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ يَا مَعْرُوفُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِذُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾

وہ (پیغمبر) لوگوں کو بھلی باتوں کا حکم دیتا اور بری باتوں سے روکتا ہے۔ وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے۔ (الاعراف : ۱۵۷)

اور تمباکو نوشی اپنی تمام قسموں سمیت پاکیزہ چیزوں سے نہیں بلکہ گندی چیزوں سے ہے۔ اسی طرح تمام نشہ آور چیزیں بھی گندی چیزوں سے ہیں۔ تمباکو نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع جائز اور نہ ہی اس کی تجارت جائز ہے۔ جیسا کہ شراب کی صورت ہے۔ لہذا جو شخص سگریٹ پیتا ہے یا اس کی تجارت کرتا ہے اسے جلد ہی اللہ تعالیٰ کے حضور رجوع اور توبہ کرنا، گزشتہ فعل پر نادم ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہیے اور جو

فخص سچے دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے :

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

اور اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

نیز فرمایا :

﴿ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى ﴾

اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر سیدھی راہ چلے تو میں اسے بخشنے والا ہوں۔ (ط : ۸۲)

بعض لوگ فوت ہو جانے والے کے ترکہ سے ویسے رچاتے (سوم و غیرہ جیسی دعوتوں کا اہتمام کرتے) ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

سوال : بعض لوگ اپنے قریبی رشتہ داروں کی موت پر ویسے مجلس عزاء وغیرہ رچاتے ہیں اور قربانی کرتے ہیں اور ان کی قیمت متوفی کے مال سے خرچ کی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر میت خود اپنے بعد ایسے ویسوں کی وصیت کر جائے تو کیا شرعاً اور ٹاپر لازم ہے کہ اس کی وصیت پر عمل درآمد کریں۔

محمد-ع-۱

جواب : موت کے بعد ویسے رچانے کی وصیت کرنا، بدعت اور جاہلیت کے اعمال سے ہے۔ اسی طرح اگر اس کی وصیت کے بغیر میت کے گھر والے ویسے کریں تو بھی مکروہ کام ہے، جو جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ جریر بن عبد اللہ بن بکلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا :

« كُنَّا نَعُدُّ الْإِجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصُنْعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ الدَّفْنِ مِنَ النَّيَاحَةِ »

ہم میت والوں کے ہاں اکٹھا ہونے اور دفن کے بعد کھانا پکانے کو نوحہ گری میں ہی شمار کرتے تھے۔

اس حدیث کو امام احمد نے اسناد حسن سے نکالا۔

اور یہ اس لئے بھی ناجائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میت والوں کے لئے دوسروں پر کھانا پکانا مشروع کیا ہے کیونکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جعفر بن ابی طالب کے غزوہ موتہ میں شہید ہو جانے کی خبر پہنچی تو آپ نے ان کی برادری کے لوگوں سے کہا :

« اصْنَعُوا لِأَلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا، فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يُشْغِلُهُمْ »

جعفر کے اہل خانہ کے لئے کھانا پکاؤ۔ کیونکہ انہیں ایسی مصیبت آئی ہے جو انہیں مشغول رکھے ہوئے ہے۔

ہم تاش کے پتوں سے کھیلتے ہیں اور جو ہم میں سے جیت جائے،  
اسے دوسو ریال ملتے ہیں۔ کیا یہ حرام ہے؟

سوال : ہم اکثر امیر لوگوں سے تاش کے پتوں سے کھیلتے ہیں اور جو ہم میں سے جیت جائے، اسے دوسو ریال دیتے ہیں۔ کیا یہ حرام اور جوئے کی قسم ہے؟

مطلق۔ ع۔ ۱۔

جواب : جس طرح یہ کھیل ذکر کیا گیا ہے، اس صورت میں یہ حرام اور جوا ہے اور جوا وہ مال ہے جو آسانی سے ہاتھ لگ جائے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہوا ہے :

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَمَةُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَأَجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿۹۱﴾﴾

اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور پانے کے تیر سب شیطانی اعمال ہیں۔ لہذا ان سے اجتناب کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان نفرت اور عداوت ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم (ان باتوں سے) باز آتے ہو؟ (المائدہ : ۹۰ - ۹۱)

لہذا ہر مسلم پر واجب ہے کہ وہ اس کھیل اور اس کے علاوہ جوئے کی دوسری انواع سے بچے . . . تا کہ اس کھیل پر مرتب ہونے والی بے شمار برائیوں سے، جن کا ذکر ان دو آیتوں میں ہوا ہے، سلامتی اور عافیت میں رہے اور کامیابی کے ساتھ مراد کو پہنچے۔

جھوٹے اشتہارات جنہیں بعض لوگ رواج دیتے ہیں

سوال : ہمیں ریاض کے مدرسہ ثانویہ ثالثہ کی استانی سے ایک رسالہ ملا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان اشتہاروں کو بعض مدارس میں تقسیم کیا جائے۔ اس اشتہار میں یہ کچھ درج تھا :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿بَلِ اللّٰهِ فَاَعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾

اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (زمر : ۲۶)

﴿ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ، أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾

تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی۔ وہی مراد پانے والے ہیں۔ (اعراف : ۱۵۷)

﴿ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا يَبْدِيلُ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہی وہ بڑی کامیابی ہے۔ (یونس : ۶۴)

﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴾

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پکی بات سے دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا اور اللہ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ابراہیم : ۲۷)

آپ ان آیات کو پہنچانے کے لئے کھڑے ہو جائیے تا کہ آپ بھلائی، نیک بختی اور کامیابی سے ہسکتار ہوں۔ لہذا اسے تمام دنیا میں تقسیم کرنے کے لئے نوبار اٹھئے۔ اللہ کے حکم سے چار دن بعد ہی کامیابی اور بھلائی آپ کے قدم چومے گی۔ یہ کام کوئی کھیل تماشنا نہیں، نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ان آیات کریمہ کی ہنسی اڑائی گئی ہے اور آپ جلد ہی چار دنوں کے اندر اندر ایسی بات دیکھ لیں گے . . . لہذا آپ پر لازم ہے کہ اس چٹھی کو نقل کر کے آگے چلائیں۔ یہ واقعہ پیش آچکا ہے کہ کسی کام کرنے والے آدمی کو یہ چٹھی ملی تو اس نے اسے فوراً تقسیم کر دیا۔ پھر اسے جلد ہی اس کامیابی کی خبر ملی اور تجارتی سودے سے اسے جو منافع متوقع تھا اس سے سات ہزار دینار زیادہ منافع ہوا اور ایک طبیب کو یہ چٹھی ملی اور اس نے اس میں غفلت کی تو وہ ایک بس کے حادثہ میں اوندھے منہ جاگرا۔ جس سے اس کا پورے کا پورا چہرہ بگڑ گیا اور باقی جسم ناکارہ ہو گیا۔ جس کی خبر سب لوگ دیتے ہیں اور یہ اس لئے ہوا کہ اس نے اس چٹھی کو تقسیم کرنے میں غفلت کی تھی اور ایک ٹھیکیدار کو اچانک ایک عطیہ مل جانے کی خبر ملی تھی۔ لیکن اس نے اسے تقسیم کرنے میں غفلت کی تو اس کا بڑا بیٹا ساتھ والے عربی ملک میں بس کے حادثہ کا شکار ہو گیا . . . اسی لئے وہ ۲۵ نئے بھیجنے کی توقع رکھتا ہے اور آپ کو خوشخبری ہو کہ وہ چوتھے دن آپ کو مل جائیں گے . . . اور آپ اس میں ہرگز غفلت نہ کرنا تو جو شخص اس کا التزام کرتا ہے، اسے ہزاروں کا فائدہ ہوتا ہے مگر جو شخص غفلت کرتا ہے، اس کی زندگی اور اس کے اموال کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے . . . اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو بھی اس چٹھی کی تبلیغ کی توفیق عطا فرمائے . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔



جواب : یہ اشتہار اور اس کے لکھنے والے گمان باطل کے مطابق اس پر مرتب ہونے والے فوائد اور جو شخص اس سے غفلت برتے اس پر مرتب ہونے والے خطرات سب کچھ جھوٹ ہے۔ جس کے درست ہونے کی کوئی بنیاد نہیں۔ بلکہ یہ کذاب اور دین سے کھیلنے والوں کی بکواس ہیں۔ انہیں نہ اپنے علاقہ میں تقسیم کرنا جائز ہے اور نہ کہیں باہر . . . بلکہ یہ ایک برا کام ہے جسے کرنے والا گنہگار ہے اور وہ دنیا میں سزا کا مستحق ہے اور آخرت میں بھی۔ کیونکہ یہ بہت بڑی برائی ہے جس کا انجام پر خطر ہے اور اس انداز میں یہ اشتہار ایک مکروہ بدعت ہے۔ جس میں اللہ سبحانہ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ جبکہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَٰذِبُونَ ﴾

جھوٹ تو وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (النحل : ۱۰۵)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ ؛ فَهُوَ رَدٌّ » (متفق علیہ) .

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہ تھی وہ مردود ہے۔ (متفق علیہ)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا ؛ فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا امر (شریعت) نہیں۔ وہ مردود ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

لذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ جن کے ہاتھ اس قسم کا اشتہار لگے وہ اسے پھاڑ دیں اور اسے ضائع کریں اور مسلمانوں کو ڈرائیں کہ ہم نے خود اس میں غفلت کی اور دوسرے اہل ایمان نے بھی کی لیکن ہم نے تو خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا (اور ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑا) اسی طرح کا ایک اشتہار ہے جسے یہ لوگ حجرہ نبوی کے خادم کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اسی طرح کا ایک اور اشتہار ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔ مگر اس کی ابتدا اللہ سبحانہ کے اس قول :

﴿ بَلِ اللَّهُ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴾

بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ (الزمر : ۶۶) — کے بجائے اللہ

تعالیٰ کے اس قول سے ہوئی ہے :

﴿ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ ۚ اٰمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ﴾

آپ کہہ دیجئے وہی رحمان ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر توکل کیا۔

ایسے تمام اشتہارات جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ جن کی صحت کی کوئی بنیاد نہیں، نہ ہی ان پر خیر و شر مرتب

ہوتے ہیں۔ البتہ جس نے جھوٹ باندھا وہ ضرور گنہگار ہے اور جو شخص انہیں تقسیم کرے یا اس بات کی دعوت دے یا اسے لوگوں میں رائج کرے، سب گنہگار ہیں۔ کیونکہ یہ سب کام گناہ اور زیادتی کے کام پر تعاون کے، نیز بدعت کو رائج کرنے اور اس کو قبول کرنے کی طرف رغبت دلانے کے باب سے ہیں۔

ہم اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے اللہ سے ہر برائی سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں اور جس نے کوئی بدعت گھڑی ہے اس کے مقابلہ میں اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور اس جھوٹ کو رواج دیا اور لوگوں کو ایسے کام پر لگا دیا جو انہیں نقصان ہی دے سکتا ہے، فائدہ نہیں دے سکتا، اس سے ایسا معاملہ کرے، جس کا وہ مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے بندوں کی خیر خواہی کے لئے دعا گو ہیں . . . جس پر تنبیہ پہلے گزر چکی ہے۔

### کیا مسلمانوں کے لئے میلاد النبی کی محفل منعقد کرنا جائز ہے؟

سوال : کیا مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدائش کے دن کی مناسبت سے مسجد میں جلسہ کریں۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا تذکرہ ہو۔ مگردن کو عید کی طرح چھٹی نہ منائیں؟ ہم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے، کچھ دوسرے کہتے ہیں کہ یہ بدعت حسنہ نہیں؟

عبدالرحمن - م - ع - ریاض

جواب : ۱۲ ربیع الاول کو اور نہ ہی کسی اور دن مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم پیدائش کی بنا پر جلسے وغیرہ کرنا چاہئیں۔ اسی طرح انہیں کسی دوسرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یوم پیدائش نہیں منانا چاہیے۔ کیونکہ یوم پیدائش منانا دین میں نئی بدعت ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنا یوم پیدائش نہیں منایا۔ حالانکہ آپ دین کے مبلغ اور اپنے پاک پروردگار کے طریقوں پر چلانے والے تھے اور نہ ہی اس کا حکم دیا۔ پھر نہ تو خلفائے راشدین نے یہ دن منایا اور نہ ہی کسی بھی دوسرے صحابی یا تابعی نے۔ حالانکہ وہی دور خیر القرون تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ ؛ فَهُوَ رَدٌّ » (متفق علیہ)۔

جس نے ہمارے اس امر (شریعت) میں کوئی نئی بات پیدا کی، جو اس سے نہ تھی۔ وہ مردود ہے۔ اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور مسلم کی روایت جیسے بخاری نے تطبیقاً بیان کیا ہے، کے

الفاظ یہ ہیں :

« مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا ؛ فَهُوَ رَدٌّ »

جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا عمل نہیں، وہ مردود ہے۔

اور یوم پیدائش نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں منایا۔ بلکہ یہ ان بدعتوں سے ہے جنہیں پچھلے ادوار کے لوگوں نے اپنے دین میں اختراع کر لیا تھا۔ لہذا یہ مردود ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اپنے خطبہ میں یوں فرمایا کرتے تھے اَمَّا بَعْدُ :

«فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا، وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

بہترین حدیث اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ ہے اور سب سے زیادہ برے کام بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور نسائی نے اسے جید اسناد کے ساتھ نکالا اور یہ الفاظ زیادہ کیے :

«وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ»

اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔

آپ کا یوم پیدائش منانے کی اس لحاظ سے بھی ضرورت نہیں رہتی کہ آپ کی پیدائش سے متعلق خبریں ان درسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق ہوتے ہیں۔ نیز مساجد میں اور مدارس میں آپ کے عہد کے دور جاہلیت اور دور اسلام میں آپ کی حیات مبارکہ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے۔ لہذا ایسی بدعی محفلوں کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ جنہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع نہیں کیا، نہ ہی اس پر کوئی شرعی دلیل قائم ہے۔ . . . اور مرد تو اللہ تعالیٰ ہی سے مطلوب ہے۔ ہم اللہ سے تمام مسلمانوں کے لئے ہدایت، سنت پر اکتفا اور بدعت سے بچنے کی توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

کیا اخبارات کو دسترخوان کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے؟

سوال : کیا اخبارات سے کھانے کے دسترخوان کا کام لینا جائز ہے؟ اور اگر جائز نہ ہو تو پھر انہیں پڑھنے کے بعد کیا کرنا چاہیے؟

ولاء۔ ف

جواب : جن اخبارات و جرائد میں قرآنی آیات یا اللہ عزوجل کا ذکر ہو انہیں نہ تو کھانے کے دسترخوان کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے نہ چیزیں رکھنے کے لئے ان کے لفافے بنانا جائز ہے اور نہ ہی کسی ایسے مصرف میں لانا جائز ہے جس سے توہین ہوتی ہو۔ ایسی صورت میں یا تو ان اخبارات و جرائد کو کسی مناسب جگہ پر محفوظ کر دینا چاہیے یا جلا دینا چاہیے اور یا انہیں پاک زمین میں دفن کر دینا چاہیے۔

## کیا یادگار کے طور پر تصویریں جمع کرنا جائز ہے؟

سوال : کیا یادگار کے طور پر تصویریں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ر-م-ح

جواب : کسی مسلم مرد یا عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یادگار کے طور پر تصویریں جمع کرے۔ یعنی ایسی تصویریں جو انسانوں یا کسی بھی دوسرے جاندار کی ہوں بلکہ انہیں تلف کر دینا واجب ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا : ”جو تصویر بھی دیکھو اسے مٹا دو اور جو بھی بلند قبر دیکھو اسے برابر کر دو۔“

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے گھر میں تصویریں رکھنے سے منع فرمایا ہے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو اس کی دیواروں پر تصویریں دیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اور پانی منگوا یا پھر انہیں مٹا دیا۔ البتہ جمادات یعنی بے جان چیزوں کی تصویروں میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے پہاڑ، درخت اور اسی قسم کی دوسری تصویروں میں۔

## شبہات کا ازالہ

کسی عالم نے عورتوں کے لئے سونے کا گولائی دار زیور پہننے کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے۔

آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

سوال : ہمارے ہاں بعض عورتیں علامہ محمد ناصر الدین البانی محدث شامی کے اس فتویٰ سے شک و شبہ میں پڑ گئی ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب آداب الزفاف (شب عروسی کے آداب) میں گولائی دار سونا پہننے کی حرمت کے متعلق دیا ہے۔ یہاں کئی عورتیں واقعتاً ایسا زیور پہننے سے رک گئی ہیں اور جو عورتیں زیور پہننے ہوئی تھیں، انہوں نے ان کو گمراہ اور گمراہ کرنے والی کہا ہے۔ آپ کی اس حکم کے بارے میں کیا رائے ہے۔ خصوصاً گولائی دار سونے کے زیور کے بارے میں۔ ہمیں آپ کے فتویٰ اور دلیل کی فوری ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ یہاں یہ معاملہ بہت بڑھ چلا ہے۔ . . . اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے اور آپ کے علم میں وسعت پیدا کرے۔

خالد-۱-ع- شیبہ الدوحہ

جواب : عورتوں کے لئے سونا پہننا جائز ہے خواہ وہ گولائی والا ہو یا گولائی والا نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ

کے اس قول میں عموم ہے :

﴿أَوْ مَنْ يُنْسَوُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾

کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات کی وضاحت نہ کر سکے (الزخرف : ۱۸)۔  
جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ زیور پہننا عورتوں کی صفات سے ہے اور یہ زیور عام ہے خواہ سونے کا ہو یا کسی دوسری چیز کا۔

اور اس لئے بھی (جائز ہے) کہ احمد، ابو داؤد اور نسائی نے سند جید کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشم پکڑا اور بائیں ہاتھ میں سونا پھر فرمایا : ”یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں“ اور ابن ماجہ نے اپنی روایت میں یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں «حِلٌّ لِإِنَاثِهِمْ» (عورتوں کے لئے حلال ہیں)۔

نیز درج ذیل حدیث کو احمد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابو داؤد اور حاکم نے اسے نکالا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ نیز طبرانی نے نکالا اور اسے ابن حزم نے صحیح کہا ہے۔ کہ ابو موسیٰ اشعری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :  
«أَحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِلْإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِي ، وَحُرِّمَ عَلَيَّ ذُكُورُهُا»  
سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہیں اور مردوں پر حرام ہیں۔

اس حدیث کو سعید بن ابی ہند اور ابی موسیٰ کے درمیان انتطاع کی وجہ سے معطل کہا گیا ہے اور اس پر ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے اطمینان ہو، جبکہ ہم ابھی ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ کس نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اگر بالفرض مذکورہ علت کو درست بھی سمجھ لیا جائے تو دوسری صحیح احادیث سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے جیسا کہ یہ ائمہ حدیث کے ہاں معروف قاعدہ ہے۔

اسی بات کو علمائے سلف نے قبول کیا ہے اور عورتوں کے سونا پہننے کے جواز پر کئی علماء نے اجماع نقل کیا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ہم ان علماء میں سے بعض کے اقوال بیان کرتے ہیں۔

بصاص اپنی تفسیر ج ۳ ص ۳۸۸ پر سونے کی بحث میں لکھتے ہیں : ”عورتوں کے لئے سونے کی اباحت سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے واردہ احادیث، اس کے ممنوع ہونے کی احادیث کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور زیادہ مشہور ہیں اور آیت کی دلالت (مولف کی آیت سے مراد وہی آیت ہے جسے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے) بھی عورتوں کے لئے اس کی اباحت کے بارے میں واضح ہے۔ عورتوں کا سونا پہننا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک متواتر چلا آ رہا ہے اور کسی نے ان پر گرفت نہیں کی۔ اسی طرح اُخْبَارِ أَحَادٍ سے اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔“

اور الکلیا الہراسی اپنی تفسیر القرآن ج ۴ ص ۳۹۱ پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿أَوْ مَنْ يُنْسَوُا فِي الْحِلْيَةِ﴾

کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اس میں عورتوں کے لئے زیور کی اباحت پر دلیل ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور اس بارے میں اتنی احادیث ہیں، جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

اور بیہقی نے سنن کبریٰ ج ۴ ص ۱۴۲ پر کہا ہے جہاں انہوں نے بعض ایسی احادیث کا ذکر کیا ہے جو عورتوں پر سونا اور ریشم حلال ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ تفصیل نہیں بتلائی کہ وہ کسی چیز کی صراحت کرتی ہے ”یہ احادیث اور دوسری بھی جو اس معنی میں ہیں، عورتوں کے لئے سونے کے زیور پہننے کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں اور ہم نے سونے کے عورتوں پر مباح ہونے پر اجماع ہوجانے سے استدلال کیا ہے جو ایسی احادیث کو منسوخ قرار دیتا ہے جو خاص طور پر عورتوں کے لئے سونے کے استعمال کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔“

اور نووی مجموع ج ۴ ص ۴۴۲ پر کہتے ہیں : ”عورتوں کے لئے ریشم پہننا اور سونے اور چاندی کے زیور استعمال کرنا احادیث صحیحہ کی بنیاد پر اجماع کی رو سے جائز ہے۔“

نیز ج ۶ ص ۴۰ پر کہتے ہیں : ”مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورتوں کے لئے سونے اور چاندی کا ہر طرح کا زیور پہننا جائز ہے۔ جیسے طوق، ہار، انگوٹھی، کنگن، پازیب، پینچیاں، گلوبند اور ان کے علاوہ ہر وہ چیز جو گلے میں پہنی جائے اور ہر وہ چیز جسے پہننے کی وہ عادی ہوں اور اس سے کسی چیز میں کوئی اختلاف نہیں۔“

صحیح مسلم کے باب ”مردوں پر سونے کی انگوٹھی کی حرمت اور ابتدائے اسلام میں اس کی اباحت کا نسخہ“ کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے : ”عورتوں کے لئے سونے کی انگوٹھی کی اباحت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔“

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ حدیث براء کی شرح میں کہتے ہیں : ”ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے منع کیا۔ سونے کی انگوٹھی سے . . . الحدیث۔“ چنانچہ وہ ج ۱۰ ص ۳۱۷ پر لکھتے ہیں : ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع کرنا، مردوں سے مختص ہے۔ عورتوں کے لئے جائز ہے۔“ چنانچہ انہوں نے عورتوں کے لئے اس کی اباحت پر اجماع نقل کیا ہے۔

اور سابقہ حدیثوں کے ساتھ یہ حدیث ملا لینے سے یہ احادیث عورتوں کے لئے گولائی دار اور بغیر گولائی ہر طرح کے زیور کے حلال ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل علم کا اجماع جو مذکورہ ائمہ نے ذکر کیا ہے اس کی وجہ درج ذیل احادیث ہیں :

(۱) ابو داؤد اور نسائی نے عمرو بن شعیب سے، اپنے باپ سے، اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جس کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے موٹے کنگن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے پوچھا : ”ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟“ وہ کہنے لگی ”نہیں۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے ان کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے۔“ اس نے وہ دونوں کنگن اتارے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے

ڈال کر کہنے لگی : ”یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔“

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کنگنوں پر زکوٰۃ واجب ہونے کی تو وضاحت کر دی۔ لیکن اس کی بیٹی کے ان کنگنوں کے پہننے کو برانہ سمجھا۔ جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے اور یہ کنگن گولائی دار تھے اور یہ حدیث صحیح اور اس کی اسناد جید ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بلوغ المرام میں اس پر تنبیہ کی ہے۔

(۲) سنن ابی داؤد میں صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی کی طرف سے ایک زیور پیش کیا گیا، جو اس نے ہدیتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا۔ اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں ایک حبشی نگینہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کرتے ہوئے کسی لکڑی یا اپنی کسی انگلی سے پرے ہٹایا۔ پھر ابو العاص کی بیٹی امامہ، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی زینب کی بیٹی تھی، کو بلایا اور اسے کہا : ”بیٹی! یہ پن لو“ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انگوٹھی امامہ کو دے دی اور یہ گولائی دار سونا تھا جسے آپ نے پہننے کو کہا۔ گویا یہ حدیث گولائی دار سونے کے حلال ہونے پر نص ہے۔

(۳) جس حدیث کو ابو داؤد اور دار قطنی نے روایت کیا اسے حاکم نے صحیح کہا ہے۔ جیسا کہ بلوغ المرام میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سونے کی پازیب پہنے ہوئے تھی۔ میں نے کہا : ”اے اللہ کے رسول! کیا یہ کنز (کے حکم میں) ہیں؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ”جب تو ان کی زکوٰۃ ادا کر دے تو یہ کنز نہیں ہیں۔“

رہی وہ احادیث جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لئے سونا پہننے کی ممانعت ہے تو وہ شاذ ہیں اور ان احادیث کے مخالف ہیں جو ان سے صحیح تر اور مضبوط تر ہیں اور ائمہ حدیث نے یہ طے کیا ہے کہ جو احادیث جید اسناد سے ہوں مگر وہ ایسی احادیث کے مخالف ہوں جو ان سے صحیح تر ہوں اور ان میں تطبیق ممکن نہ ہو، نہ ہی ان کی تاریخ معلوم ہو تو انہیں شاذ سمجھا جائے گا۔ نہ ان کی طرف رجوع کیا جائے گا اور نہ ان پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ حافظ عراقی ”الفیہ“ میں کہتے ہیں :

وَذُو الشُّذُوذِ مَا يَخَالَفُ الثَّقَّةَ فِيهِ الْمَلَأَ فَالشَّافِعِي حَقَّقَهُ

امام شافعی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق کہ جب ایک ثقہ ثقات جماعت کی مخالفت کرے تو ایک ثقہ کی حدیث شاذ ہوگی۔ اور حافظ ابن حجر ”نخبہ“ میں کہتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے :

فَإِنْ خُولِفَ بِأَرْجَحِ فَالرَّاجِحُ الْمَحْفُوظُ وَمَقَابِلُهُ الشَّاذُّ.

یعنی اگر ثقہ اوثق (زیادہ ثقہ) کی مخالفت کرے تو ثقہ کی روایت شاذ اور اوثق کی روایت محفوظ شمار ہوگی۔ ائمہ حدیث کہتے ہیں کہ صحیح حدیث کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس پر عمل ہوتا رہا ہو وہ شاذ نہ ہوگی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جن احادیث میں عورتوں کے لئے سونے کی حرمت کا ذکر آیا ہے اگر ان کی اسناد کو

علتوں سے محفوظ و سلامت مان بھی لیا جائے تو بھی ان میں اور ان صحیح احادیث میں تطبیق ممکن نہیں جو عورتوں کے لئے سونے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور ان کی تاریخ معلوم نہ ہو تو ایسی احادیث پر شدوذ کا حکم لگانا واجب ہے اور اہل علم کے ہاں اس معتبر شرعی قاعدہ کے مطابق ان پر عمل کرنا درست نہیں۔

اور جو کچھ ہمارے دینی بھائی علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب ”آداب الزفاف“ میں ذکر کیا، وہ یہ ہے کہ آپ نے حلت و حرمت والی دونوں قسم کی احادیث میں یوں تطبیق کی کہ گولائی دار زیوروں کو حرمت والی احادیث پر محمول کیا اور دوسرے زیوروں کو جواز والی احادیث پر، تو یہ بات صحیح نہیں۔ نہ ہی یہ ان صحیح احادیث کے مطابق ہے جو جواز پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ ان میں انگوٹھی کا جواز ہے اور وہ گول ہے اور کنگنوں کا جواز ہے اور وہ بھی گول ہیں۔ جن سے اسی بات کی وضاحت ہوتی ہے، جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جو احادیث سونے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں وہ مطلق ہیں، مقید نہیں ہیں۔ لہذا ان احادیث کے اطلاق اور ان کی اسناد کی صحت کی وجہ سے انہیں ہی قبول کرنا واجب ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت کا ایسی احادیث کے منسوخ ہونے پر اجماع ہے جو حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ جیسا کہ ابھی ابھی ہم نے ان کے اقوال نقل کیے ہیں اور یہی بات درست ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس سے شبہ زائل ہو جاتا ہے اور وہ شرعی حکم واضح ہو جاتا ہے جس میں شک نہیں اور وہ یہ ہے کہ سونا امت کی عورتوں کے لئے حلال اور مردوں پر حرام ہے . . . اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے . . .

ہاتھ کے اشارہ سے سلام کہنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : ہاتھ کے اشارہ سے سلام کہنے کا کیا حکم ہے؟

قاری

جواب : اشارہ سے سلام کرنا جائز نہیں۔ سنت یہی ہے کہ داخل ہوتے ہی زبان سے سلام کہا جائے۔ اشارہ سے سلام کرنا اس لئے جائز نہیں کہ اس میں بعض کفار سے مشابہت ہے اور اس لئے بھی کہ اسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا۔

تاہم اگر کوئی شخص دور ہونے کی وجہ سے کسی شخص کو اشارہ سے بھی سلام کرے، جسے وہ سمجھ سکے اور زبان سے بھی سلام کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ایسی حدیث بھی آئی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح جس شخص کو سلام کہا گیا ہے اگر وہ نماز میں مشغول ہو تو وہ اشارہ سے جواب دے سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہ بات ثابت ہے۔



## صحابہ کو ہی رضی اللہ عنہم کہنا مشروع ہے

سوال : کتاب ”عقد الدرر فی اخبار المنتظر“ کے موضوعات پر نظر ڈالنے کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ بعض روایات میں جو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔ ان میں اس طرح لکھا ہوا تھا :

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - : «يَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فِي تَسْعِ رَايَاتٍ» .

اس لفظ یعنی علیہ السلام کو حضرت علی کے ساتھ اور رسول کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لئے ان الفاظ یا ان سے ملتے جلتے الفاظ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

محمد۔ ب۔ ا۔ ابہا

جواب : ان الفاظ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے، بلکہ انہیں یا دوسرے صحابہ کے حق میں، رضی اللہ عنہ، یا رحمہ اللہ کہنا مشروع ہے کیونکہ حضرت علی یا دوسرے صحابہ کے لئے اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ اسی طرح بعض لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے بجائے کرم اللہ وجہہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی بھی کوئی دلیل نہیں، نہ ہی اس تخصیص کے لئے کوئی وجہ ہے۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ ان کے لئے بھی وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جو دوسرے خلفائے راشدین کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے علاوہ بھی ان کے لئے ایسے الفاظ مختص نہ کئے جائیں، جن پر کوئی دلیل نہیں۔

## چاندی کی انگوٹھی پہننے کا کیا حکم ہے اور آیا وہ دائیں ہاتھ میں پہنی جائے یا بائیں میں ؟

سوال : قاری چاندی کی انگوٹھی پہننے کے حکم کے متعلق سوال کرتا ہے اور اگر یہ جائز ہو تو آیا دائیں ہاتھ میں پہنی جائے یا بائیں میں؟

ع۔ م۔ ش۔ حوطہ بنی تمیم

جواب : مرد یا عورت کوئی بھی چاندی کی انگوٹھی پہن لے، کوئی حرج نہیں۔ خواہ وہ دائیں ہاتھ میں پہنے یا بائیں میں۔ دونوں طرح جائز ہے۔ تاہم دائیں میں پہننا افضل ہے کیونکہ وہ اشرف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے اور کبھی بائیں میں۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے نمونہ اور مقتدا تھے۔

البتہ سونے کی انگوٹھی یا سونے کی گھڑی مردوں کو پہننا جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ عورتوں سے خاص ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث صحیحہ میں وارد ہے جو مردوں کے لئے سونے اور ریشم پہننے کی حرمت اور عورتوں کے لئے جواز پر دلالت کرتی ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## ہاتھ میں گھڑی پہننے کا کیا حکم ہے؟

سوال : ہاتھ میں گھڑی پہننے کا کیا حکم ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں بعض لوگ عورتوں سے مشابہت کی خاطر اس کو ناپسند کرتے ہیں۔

علی - ع - ۱ - ۱ - تقصیم

جواب : ہم اس میں کچھ حرج نہیں جانتے، نہ ہی اس میں کچھ عورتوں سے مشابہت کی بات ہے۔ کیونکہ عورتوں کی گھڑیاں مخصوص قسم کی ہوتی ہیں اور مردوں کی دوسری قسم کی اور اگر یہ گھڑیاں ایک جیسی ہوں، تو بھی کوئی حرج نہیں۔ جیسے چاندی کی انگوٹھی مرد اور عورت دونوں پہن سکتے ہیں اور گھڑی سے مقصود زینت یا زیور تو ہوتا نہیں۔ اس سے مقصود صرف وقت معلوم کرنا ہوتا ہے۔ . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

میں چین میں پڑھتا ہوں۔ مجھے گوشت اور برتنوں کی طہارت کے سلسلہ میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ کیونکہ میں ہوٹل سے کھانا کھاتا ہوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سوال : میں صومالی طالب علم ہوں اور چین میں پڑھتا ہوں۔ مجھے کھانے میں عام طور پر اور بالخصوص گوشت کے سلسلہ میں بہت سی مشکلات درپیش ہیں اور وہ مشکلات یہ ہیں :

۱- میں نے چین میں آنے سے قبل یہ سن رکھا تھا کہ جو جانور طہر یا کافر لوگ ذبح کرتے ہیں، وہ انہیں ذبح کرنے کے بجائے انہیں قتل کر دیتے ہیں (گلا کاٹ دیتے ہیں)۔ جس کا کھانا مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔ یہاں یونیورسٹی میں مسلمانوں کے لیے ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے جس میں مختلف قسم کا گوشت پکتا ہے اور یہ یقین نہیں ہوتا کہ جانور اسلامی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہے۔ مجھے اس میں شبہ ہی رہتا ہے۔ جبکہ میرے ساتھی میری طرح شک و شبہ میں نہیں پڑتے اور اس سے کھاتے رہتے ہیں۔ کیا وہ حق پر ہیں یا حرام کھاتے ہیں؟

۲- ایسی ہی صورت کھانے کے برتنوں کی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے برتنوں میں کوئی تمیز نہیں۔ ایسے امور درپیش ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

ابراہیم - ۱ - ب - طالب علم صومالی

جواب : اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے علاوہ دوسرے کفار کا ذبح شدہ جانور جائز نہیں۔ خواہ وہ مجوسی ہوں یا بت پرست ہوں یا کیونٹ ہوں یا کسی اور قسم کے کافر ہوں اور ان کے ذبح شدہ جانور کے گوشت کا شوریہ یا گوشت دوسرے کھانے میں ملا ہوا ہو تو وہ بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کافروں کا کھانا مباح نہیں کیا۔ صرف اہل کتاب کا کھانا مباح کیا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ آيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَهُمْ ﴾

آج کے دن تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔ (المائدہ : ۵)

اور اہل کتاب کے طعام سے مراد ان کے ذبح شدہ جانور ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ رہے پھل اور ایسی ہی دوسری چیزیں تو ان میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ اس طعام میں داخل نہیں جو حرام کیا گیا ہے۔

رہا مسلمانوں کا کھانا تو وہ مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے حلال ہے۔ بشرطیکہ وہ سچے مسلمان ہوں جو اللہ کے سوانہ تو کسی کی عبادت کرتے ہوں اور نہ ہی اللہ کے ساتھ کسی نبی، ولی یا کسی قبر والے یا کسی اور کو پکارتے ہوں، جن کی کافر لوگ عبادت کرتے ہیں۔

اور برتنوں کا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے برتن غیر مسلموں کے ان برتنوں سے الگ ہونا ضروری ہے جن میں وہ کھانا کھاتے اور شراب وغیرہ پیتے ہیں اور یہ ممکن نہ ہو تو مسلمانوں کے باورچی پر واجب ہے کہ وہ کفار کے مستعمل برتنوں کو پہلے اچھی طرح دھو لے پھر اس میں مسلمانوں کا کھانا رکھے۔ جیسا کہ صحیحین میں ابو ہلبہ خنی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے برتنوں میں کھانے سے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا :

«لَا تَأْكُلُوا فِيهَا إِلَّا أَلَّا تَجِدُوا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوهَا وَكُلُوا فِيهَا»

غیر مسلموں کے برتنوں میں صرف اس وقت کھا سکتے ہو جب دوسرا برتن نہ مل رہا ہو۔ ایسی صورت میں ان کے برتن کو دھولو۔ پھر اس میں کھانا کھاؤ۔

## اہل کتاب کے ممالک سے درآمد شدہ گوشت کا حکم

سوال : باہر سے درآمد شدہ گوشت اور ایسے ہی فریز کیا ہوا مرغی کا گوشت جن کے ذبح ہونے کے متعلق ہم جانتے نہیں، کیا حکم ہے۔ جبکہ بعض علماء ان کی خریداری کی تائید نہیں کرتے؟

عمری - ع - ع - جدہ

جواب : جب یہ گوشت اہل کتاب کے ممالک سے درآمد شدہ ہوں، ان کا کھانا جائز ہے۔ جب تک کہ کوئی ایسی بات ہمارے علم میں نہ آجائے جو اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہو۔ کیونکہ اللہ سبحانہ فرماتے ہیں :

﴿ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الْطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوتُوا الْكِتَابَ حَلٰلٌ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلٰلٌ لَّهُمْ ﴾  
 آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ (المائدہ : ۵)

اور اہل کتاب کے بعض ممالک میں ایسے منہج خانوں کی موجودگی، جہاں غیر شرعی طریقہ سے جانور ذبح کیے جاتے ہیں اہل کتاب کے ممالک سے درآمد شدہ ذبائح کے حرام ہونے کا سبب نہیں بن سکتی تا آنکہ آپ کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ فلاں منہج خانے میں جانور غیر شرعی طریقہ سے ذبح ہوتے ہیں۔ کیونکہ اصل توجواز اور سلامتی ہے۔ تا آنکہ کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو اس کی حرمت کی مقتضی ہو۔

میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر گناہ ہو جاتے ہیں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سوال : میں انیس سالہ نوجوان ہوں۔ بہت سے گناہوں میں اپنے آپ پر زیادتی کر چکا ہوں۔ حتیٰ کہ بہت سی نمازیں مسجد میں ادا نہیں کیں اور اپنی زندگی میں کبھی رمضان کے پورے روزے نہیں رکھے۔ دوسرے بھی کئی برے اعمال کرتا رہا ہوں۔ کئی بار میں نے اپنے آپ سے توبہ کا عہد کیا مگر پھر گناہ میں پڑ جاتا ہوں۔ میرے محلے کے نوجوان ساتھی بھی سارے بے راہ رو ہیں۔ جیسا کہ میرے بھائیوں کے دوست اکثر ایسے ہیں جو اپنے گھروں میں آتے ہی نہیں اور وہ بھی کوئی اچھے کام کرنے والے نہیں ہیں۔

اور اللہ جانتا ہے کہ میں نے بہت گناہ کر کے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے۔ کئی برے کام کئے ہیں۔ لیکن جب بھی میں نے توبہ کا عزم کیا تو پھر دوبارہ وہی کام کر کے جیسا کہ پہلے تھا، ویسا ہی ہو گیا۔ . . . میں امید رکھتا ہوں کہ آپ ایسا طریقہ بتلائیں گے جو مجھے اپنے پروردگار سے قریب کر دے اور ایسے برے اعمال چھڑا دے۔

س-ح-الریاض

جواب : اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ قُلْ يٰۤاَعْبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾

آپ کہہ دیجئے۔ اے میرے بندو! جو اپنے آپ پر زیادتی کر چکے ہو۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سارے گناہ معاف فرماتا ہے۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الزمر : ۵۳)

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت توبہ کرنے والوں کی شان میں اتری ہے۔ گویا جو شخص اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے، اس آیت کی رو سے اللہ اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا تُوبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰٓى رَّبُّكُمْ اَنْ يُّكْفِرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم سے تمہاری برائیاں دور کرے اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے جن میں نہریں بہ رہی ہیں۔ (التحریم : ۸)

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے برائیوں کو دور کرنے اور باغات میں داخلہ کو سچی توبہ سے مشروط کیا ہے اور سچی توبہ ان باتوں پر مشتمل ہے۔ گناہ کو چھوڑا اور اس سے اجتناب کیا جائے۔ جو کچھ کر چکا ہے اس پر پشیمان ہو اور اللہ بزرگ و برتر کی عظمت کی خاطر اس کے ثواب میں رغبت رکھتے ہوئے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے آئندہ وہ کام نہ کرنے کا پختہ عزم کرے . . . اور سچی توبہ کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر زیادتی سے کسی کا مال یا کوئی چیز ملی ہو تو وہ واپس کرے یا اس سے معاف کرائے جبکہ یہ زیادتی کسی کے خون، مال یا عزت سے تعلق رکھتی ہو اور اگر کسی کی بے عزتی کی ہو اور اسے معاف کروانا ممکن نہ ہو تو اس کے حق میں بہت دعا کرے اور جہاں کہیں اس کی غیبت کرتا تھا وہاں اس کے اچھے اعمال کا تذکرہ کرے، جو وہ کیا کرتا تھا۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهُ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

اے ایمان والو! اللہ کے ہاں سب کے سب توبہ کرو، تا کہ تم فلاح پاؤ۔ (النور : ۳۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فلاح کو توبہ سے مشروط کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ کرنے والا اپنی مراد کو پہنچنے والا اور نیک بخت ہے اور جب وہ توبہ کے بعد ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں مٹا کر انہیں نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان میں شرک، قتل ناحق اور زنا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضْعَفُ لَهُ الْكُذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخَلَّدُ فِيهِ مُهْمًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴾

اور جو شخص یہ کام کرے وہ اپنے گناہ کے انجام کو پہنچے گا۔ قیامت کے دن اس کو دو گنا عذاب ہوگا اور وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الفرقان : ۶۸ - ۷۰)

اور جو باتیں توبہ کا ذریعہ بنتی ہیں، یہ ہیں۔ اللہ سبحانہ کے حضور عاجزی کرے اور اس سے ہدایت اور توفیق کا سوال کرے اور سمجھے کہ توبہ قبول کر کے اللہ مجھ پر احسان کر رہا ہے۔ اور یہی بات اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرما رہے ہیں :

﴿ اذْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾

مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ (غافر : ۶۰)

نیز اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں :

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ﴾

اور جب میرے بندے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں جب مجھے کوئی پکارنے والا پکارتا ہے تو اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ (البقرہ : ۱۸۶)

اور توبہ کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ نیک اعمال میں ان کی اقتداء اور برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ »

انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ لہذا تم میں سے ہر ایک کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسے لوگوں سے دوستی رکھتا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ كَصَاحِبِ الْمَسْكَ ؛ إِمَّا أَنْ يُحْذِيكَ ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً طَيِّبَةً . وَمَثَلُ الْجَلِيسِ السُّوءِ كَنَافِخِ الْكَبِيرِ ؛ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحاً خَبِيثَةً »

نیک ہم نشین کی مثال کستوری والے کی سی ہے کہ وہ یا تو تجھ کو کچھ دے گا یا تو اس سے کستوری خریدے گا، یا اس کی خوشبو تجھے ضرور پہنچے گی اور برے ہم نشین کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے، یا تو کوئی چنگاری اڑ کر تیرا کپڑا جلا دے گی۔ ورنہ اس کی بدبو تمہیں ضرور پہنچے گی۔

ایک عورت کو سخت مشکلات پیش آئیں تو اس نے خودکشی کر لی اور مرنے سے پہلے توبہ کر لی۔

کیا ہمیں اس کی طرف سے صدقہ کرنا اور اس کے حق میں دعا کرنا جائز ہے؟

سوال : میری ایک شادی شدہ بہن کے تین بچے تھے اور اس کی اپنے خاوند سے ہمیشہ ان بن رہتی تھی۔ نیز اس کی اپنے والد سے بھی ان بن تھی۔ لہذا اس کا خاوند اس سے بڑی سختی کا برتاؤ کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئی اور اپنی مطلقہ ماں کے ہاں چلی گئی۔ جس نے کسی اور آدمی سے شادی کر لی تھی۔ اس کی ماں کا خاوند بھی اس سے بدسلوکی سے پیش آتا تھا۔

میں نے (یعنی اس کے بھائی نے) ایک الگ پورشن لیا تاکہ وہ میرے ساتھ سکونت اختیار کرے۔ وہ اکثر اپنی ماں کے ہاں آتی جاتی تھی۔ ایک دفعہ ماں کے خاوند نے اسے مجبور کیا کہ وہ چلی جائے اور اپنے بچے اس کے ہاں چھوڑ جائے تو اس نے اپنی ماں کی رضا کی خاطر یہ کام بھی کر لیا۔

ایک دفعہ میری بہن کی ماں اور اس کے خاوند کے درمیان تنازعہ ہو گیا۔ وہ اس معاملہ سے شدید متاثر ہوئی

اور اپنی الگ جگہ میں چلی گئی۔ جو مصائب اس پر گزرے اور اولاد سے بھی جدائی ہوئی، ان سے لاچار ہو کر اٹھی، ریفریجریٹر سے گولیاں نکالیں اور ساری کی ساری کھالیں۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنی ایسی زندگی کو ختم کر دے۔ میں اسے ہسپتال لے گیا اور ضروری علاج کروایا . . . اپنی موت سے پیشتر اسے یہ احساس ہو گیا کہ اب یہ اس کا آخری وقت ہے۔ اس نے توبہ کی اور اپنے کئے پر بہت زیادہ استغفار کرتی رہی اور ہم سے بھی درخواست کی کہ ہم اس کی بخشش کے لیے دعا کریں۔

مشیت الہی سے وہ فوت ہو گئی۔ اس کے بعد اس کا کیا حال ہو گا . . . اور کیا میرے لیے جائز ہے کہ میں اس کی طرف سے صدقہ اور حج کروں۔ یہ خیال رہے کہ میں نذرمان چکا ہوں کہ میں اپنی زندگی بھر اس کی طرف سے انشاء اللہ یہ اعمال بجالاتا رہوں گا . . . مجھے مستفید فرمائیے۔

محمد - ع - ۱ - الریاض

جواب : جب آپ کی مذکورہ بہن نے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لی اور خود کشی کے اسباب سے اس نے جو کام کیا تھا اس پر نادم ہوئی تو اس کے لیے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے۔ توبہ پہلے گناہوں کو یکسر ختم کر دیتی ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ بات ثابت ہے اور جب آپ اس کی طرف سے صدقہ کریں یا اس کے لیے استغفار کریں یا اس کے لیے دعا کریں تو یہ اچھی باتیں ہیں اور ان کا اسے فائدہ پہنچے گا اور آپ کو ان پر اجر ملے گا۔

اور آپ نے جو طاعات کے کاموں کی نذرمانی ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ انہیں پورا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی مدح بیان کرتے ہوئے اپنی نذریں پوری کرنے والوں کی بھی مدح کی ہے۔ فرمایا :

﴿يُؤْفُونَ بِالَّذِذِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾

وہ لوگ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی بہت پھیلی ہوئی ہوگی۔

(الانسان : آیت ۷)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ؛ فَلْيُطِعه. وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللَّهَ؛ فَلَا يَعْصِه»

جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں کی نذرمانی اسے چاہیے کہ وہ اسے پورا کرے اور جس نے اللہ کی نافرمانی کے کاموں کی نذرمانی اسے چاہیے کہ وہ کام نہ کرے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## بچے کے اعمال کا ثواب بچے کو ہو گا یا اس کے والدین کو؟

سوال : کیا نابالغ بچے کے اعمال مثلاً نماز، حج اور تلاوت، یہ سب والدین کے لیے ہیں یا اسی کو اس کا حساب دیا جائے گا؟

ابراہیم - ج - جامعہ ملک سعود

جواب : نابالغ بچے کے نیک اعمال کا اجر بچے ہی کو ملے گا۔ اس کے والدین یا کسی دوسرے کو نہیں ملے گا لیکن اس کے والدین کو بچے کی اس تعلیم پر، بچے کا رخ بھلائی کی طرف موڑنے اور اس کی اعانت پر اجر ضرور ملے گا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عورت نے اپنے بچے کو اوپر اٹھاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا : اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا اس بچے کا حج ہے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں اور تیرے لیے اجر ہے۔“

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا کہ حج تو اسی بچے کا ہے اور اس کی ماں کو اس بچے کے حج کرنے پر اجر ملے گا۔

اسی طرح اگر نابالغ بچہ نیکی کا کام کرتا ہے تو والد کے علاوہ دوسرے متعلقہ اشخاص کو بھی اجر مل سکتا ہے۔ جیسے کوئی شخص یتیموں، رشتہ داروں اور خادموں یا دوسرے لوگوں کو علم سکھائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

« مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أُجْرٍ فَاعِلِهِ »

جو شخص کسی نیک کام کی راہنمائی کرے تو اس کا اجر بھی نیکی کرنے والے جیسا ہے۔

اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور اس لیے بھی کہ اس میں نیکی اور تقویٰ پر تعاون ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر ثواب دے گا۔

## بعض لوگ بچا ہوا کھانا ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

سوال : بعض لوگ بچا ہوا کھانا کرتون وغیرہ میں ڈال کر انہیں سڑک پر رکھ دیتے ہیں کہ اسے مویشی کھالیں۔ لیکن صفائی کا عملہ آتا ہے تو وہ اسے ردی چیزوں کے ساتھ رکھ کر لے جاتے ہیں . . . اب سوال یہ ہے کہ کھانے کو دوسری ردی چیزوں کے ساتھ رکھنا جائز ہے؟

ولاء - ف

جواب : ایسا کھانا فقراء کے حوالہ کرنا واجب ہے کہ وہ اسے کھالیں اور اگر فقراء نہ ملیں تو ایسے بچے



ہوئے کھانے کو کسی ایسی جگہ رکھنا واجب ہے جہاں اس کی بے ادبی نہ ہو تا آنکہ اسے مویشی کھا لیں . . . اور اگر یہ بات میسر نہ ہو تو کرتون میں یا ڈرموں میں یا ایسی ہی کسی دوسری چیز میں اس کی حفاظت واجب ہے اور ہر شہر کی بلدیہ والوں کے لیے لازم ہے کہ وہ صفائی کے عملہ کو ہدایت کریں کہ وہ ان کرتون وغیرہ کو صاف ستھری جگہ پر رکھیں تاکہ مویشی اسے کھالیں یا بعض لوگ اسے اپنے مویشیوں کے لیے لے جائیں۔ اس طرح بچا ہوا کھانا بے ادبی اور ضائع ہونے سے بچ رہے گا۔

کھانا کھانے کے بعد ہاتھ، برتن اور دوسری پچی ہوئی اشیاء دھونے کے لیے گھر میں سنک بنانے میں کوئی حرج ہے؟

سوال : کیا گھر یا عمارت کے مالک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے گھر میں ایک سنک بنا لے جس میں ہر طرح کی چیزیں دھوئی جاسکیں اور کھانے سے فراغت کے بعد وہاں ہاتھ اور کھانے کے برتن دھوئے جائیں؟

ابراہیم - س - منطقہ الجنوب

جواب : کھانا کھانے کے بعد ہاتھ، برتن اور دوسری چیزیں دھونے کے لیے سنک بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ہاتھوں یا برتنوں کو جو چکنا ہٹ لگ جاتی ہے وہ طعام نہیں ہے۔ البتہ روٹی، گوشت اور دوسری قسم کے کھانوں کو سنک میں پھینکنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ اسے ان لوگوں کو دینا چاہیے جو اس کے محتاج ہیں یا اسے کسی کھلی جگہ میں رکھ دینا چاہیے تاکہ ضرورت مند لوگ اسے اپنے جانوروں کے لیے لے جائیں یا بعض جانور اور پرندے اسے کھالیں۔

بچے ہوئے کھانے کو قمامہ (ڈرم) میں ڈال دینا یا گندی جگہوں میں ڈالنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اسے راہ میں پھینک دینا جائز ہے۔ کیونکہ اس طرح اولاً تو کھانے کی توہین ہوتی ہے اور ثانیاً راہ چلنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

زینت کے لیے پرندوں کو پنجروں میں بند رکھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال : زینت یا کسی دوسری غرض کے لیے پرندوں کو پنجروں میں بند رکھنے کا کیا حکم ہے؟

عادل - م - ۱

جواب : میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ پرندے سے اچھا سلوک کیا جائے اور اس کے کھانے پینے میں کمی نہ ہونے دی جائے۔

## دوسرے کے خون سے علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟

سوال : دوسرے کے خون سے علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟

جواب : جب دوسرے کا خون لینے کی مجبوری پیش آجائے تو ایک بھائی کا اپنا خون دے کر دوسرے کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ یہ کام طبیب کی زیر نگرانی ہو اور وہ یہ یقین دلائے کہ خون دینے والے کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ﴾

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے وہ اللہ نے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ الا یہ کہ تم کسی چیز کے لیے مجبور ہو جاؤ۔

(الانعام : ۱۱۹)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ ؛ لَا يَظْلِمُهُ ، وَلَا يَسْلِمُهُ . مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ ؛ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ »

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے جو نہ اس پر زیادتی کرتا ہے نہ اسے کسی کے حوالہ کرتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کے کام میں لگا ہوتا ہے اللہ اس کے کام میں لگا ہوتا ہے۔

یہ حدیث جو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس پر شیخین کا اتفاق ہے اور اس معنی میں بہت احادیث

ہیں۔

## کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے بدن کے بال جیسے پشت اور پنڈلیوں کے بال زائل کر دے؟

سوال : کیا مرد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے جسم سے پیٹھ، پنڈلیوں، رانوں، شرمگاہ اور بغل کے بال مونڈھ دے، جبکہ اس سے اس کا ارادہ عورتوں سے یا اہل کتاب وغیرہ کے کافروں سے مشابہت نہ ہو۔

خالد - ا - ع - شیبہ الدوحہ

جواب : جن جگہوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں سے بال زائل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جس سے نہ تو بدن کو کوئی ضرر پہنچے اور نہ ہی اس سے مقصود عورتوں یا کافروں سے مشابہت ہو، کیونکہ ہر چیز کی اصل اباحت ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی چیز کو حرام قرار دے جب تک کہ کوئی دلیل اس کی حرمت پر دلالت نہ کر رہی ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے موٹھیں کتروانا، ناخن کٹوانا، بغلوں کو صاف کرنا، شرمگاہ کے بال مونڈنا اور مردوں کے لیے سر مونڈنا مشروع کیا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو اکھیرنے والی اور اکھڑوانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور ہمیں حکم دیا ہے

کہ ہم داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیں اور اسے بڑا کریں اور برہائیں۔ ان امور کے علاوہ باقی باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی خاموشی ہی معافی ہے۔ جسے حرام کہنا جائز نہیں۔ کیونکہ ابو شعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا، وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَسَكَتَ عَنِ أَشْيَاءَ رَحْمَةً بِكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا»

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کیں ان سے آگے نہ جاؤ اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کی بے آبروئی نہ کرو اور کچھ چیزوں سے دانستہ سکوت اختیار کیا ہے اور یہ تمہارے لیے رحمت ہے۔ لہذا ان میں بحث نہ کرو۔

اسے دار قطنی وغیرہ نے روایت کیا اور نووی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کہا ہے کہ مذکورہ حدیث کے نص ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اور جو احادیث و آثار ان معنوں میں آئے ہیں ان میں سے بعض حدیثوں کا ابن رجب رحمہ اللہ نے جامع العلوم میں ذکر کیا ہے اور ابو شعلبہ کی حدیث کی شرح میں اس کے حکم کا بھی ذکر کیا ہے۔ لہذا جو شخص اس مسئلہ پر مزید واقفیت چاہتا ہو وہ اس طرف مراجعت کرے۔ واللہ اعلم

کیا کولون والی خوشبو لگانا حلال ہے یا حرام؟

سوال : کولون والی خوشبو لگانے کے متعلق جھگڑا برپا ہوا گیا کہ آیا ایک با وضو مسلمان اس کے استعمال کے بعد نیا وضو کرے یا اگر اس کے جسم پر پڑ جائے تو اس کے لیے نہانا ضروری ہے؟

عبدالرحمن۔ ع۔ ۱۔

جواب : مشہور خوشبو کولون سپرٹ کے عنصر سے خالی نہیں ہوتی اور ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق سپرٹ ایک نشہ آور مادہ ہے لہذا اس کا استعمال ترک کرنا واجب ہے اور اس کے بجائے ایسی خوشبوئیں استعمال کی جائیں جن میں سپرٹ شامل نہ ہو . . . رہا وضو کا مسئلہ تو وہ واجب نہیں اور اگر بدن کے کسی حصے پر لگ جائے تو غسل واجب نہیں۔ کیونکہ اس کی نجاست پر کوئی واضح دلیل موجود نہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

کیا کھڑے کھڑے پیشاب کرنا جائز ہے؟

سوال : کیا انسان کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے۔ جب یہ معلوم ہو کہ پیشاب اس کے کپڑے یا جسم کو نہیں لگے گا؟

خ۔ ن۔ ع۔ ریاض

جواب : کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کوئی حرج نہیں، بالخصوص جبکہ اس کی ضرورت بھی ہو اور جگہ

پردہ والی ہو جہاں کوئی شخص پیشاب کرنے والے کی شرمگاہ کو نہ دیکھ سکتا ہو اور نہ ہی اس پر پیشاب کے چھینٹے پڑنے کا خطرہ ہو۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے احاطہ پر آئے تو کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔“ شیخین کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔  
لیکن بیٹھ کر پیشاب کرنا ہی افضل ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے اور اس لیے بھی افضل ہے کہ اس سے شرمگاہ کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے اور پیشاب کے چھینٹے پڑنے کا امکان بھی کم ہوتا ہے۔

ہم اکثر رسائل میں پڑھتے اور ایسے اعلان دیکھتے ہیں جن میں اس امت کے اُمّی ہونے پر ندامت محسوس کی جاتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اُمّی ہونے کی تعریف کی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے؟

سوال : ہم اکثر رسائل و جرائد میں پڑھتے ہیں اور گذر گاہوں پر ایسے اعلان دیکھتے ہیں جن میں اُمّی ہونے کا رونا رویا جاتا ہے اور اسے پسماندگی کی علامت سمجھا جاتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اُمّی کی صفت سے موصوف کرتے ہوئے فرمایا ہے :

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾

وہی (اللہ ہی) تو ہے جس نے اُن پڑھ لوگوں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا۔ (الجمعه : ۲)  
میں امید رکھتا ہوں کہ آپ اس کی وضاحت فرمائیں گے۔

محمد - ع - الرياض

جواب : محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں عرب و عجم کے جو لوگ تھے وہ نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے۔ لہذا انہیں ”اُمّی“ کا نام دیا گیا اور جو لوگ پڑھ لکھ سکتے تھے وہ اُن پڑھ لوگوں کی نسبت بہت کم تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نہ لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّ بِبِمِينِكَ إِذَا لَا تَرَابَ الْمُبِطُونَ﴾

اس سے پہلے آپ نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے۔ ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔ (العنکبوت : ۲۸)

اور یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی سچائی کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے پاس ایک ایسی عظیم کتاب لائے جس نے عرب و عجم سب کو اس کی مثل

لانے سے عاجز بنا دیا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کیا۔ روح الامین جبرئیل علیہ السلام اس وحی کو لے کر آپ پر اترے۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ طریقے اور پہلے لوگوں کے بہت سے علوم وحی بیان فرمائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ کی بہت سی باتوں کی خبر دی جو ہو چکی ہیں اور آخر زمانہ کی ان چیزوں کی خبر دی جو ہونے والی ہیں اور ان باتوں کی بھی جو قیامت کے دن ہوں گی۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کے احوال اور ان میں داخل ہونے والوں کی خبر دی ہے اور یہی وہ فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں پر دی۔ اسی کتاب سے آپ نے لوگوں کی ان کے بلند مقامات تک رہنمائی کی اور امی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا وصف ہے اور امت کے امی ہونے سے یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ انہیں امی رہنے کی ہی ترغیب دلائی گئی ہے۔ مقصود تو صرف اس حقیقت اور حال کی خبر دینا تھی جس وقت کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف مبعوث ہوئے۔ چنانچہ کتاب و سنت میں ایسے دلائل موجود ہیں جن میں علم حاصل کرنے، لکھنے اور امی ہونے کی حالت سے خروج کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹﴾

آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (الزمر : ۹)

نیز فرمایا :

﴿يَتَأْتِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ فَتَسَبَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَانْفَسَحُوا يَفْسَحُ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ أَنْشُرُوا فَأَنْشُرُوا يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ﴿۱۱﴾﴾

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھا کرو۔ اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے ان لوگوں کو بلند کرے گا جو ایمان لائے اور انہیں علم عطا کیا گیا ہے۔ (المجادلہ : ۱۱)

نیز فرمایا :

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴿۲۸﴾﴾

اللہ تعالیٰ سے صرف عالم لوگ ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر : ۲۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا؛ سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ»

جس شخص نے ایسی راہ اختیار کی جس سے وہ علم حاصل کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کو جانے والی راہ آسان بنا دیتا ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :

« مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ »

جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔  
اس حدیث کی صحت پر شیخین کا اتفاق ہے اور اس معنی میں اور بھی بہت سی آیات و احادیث  
ہیں . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اگر ایک مسلم کسی غیر مسلم کی حاجت روائی کرے تو کیا وہ اس کا بھائی بن جاتا ہے؟

سوال : اگر ایک مسلم کسی غیر مسلم کی حاجت روائی کرے تو کیا وہ اس کا بھائی بن جاتا ہے؟

سید-۱

جواب : اگر ایک مسلم کسی غیر مسلم یا غیر حربی کافر کی حاجت روائی کرے تو وہ اس کا بھائی نہیں بن جاتا  
اور اگر حاجت روائی کرنے والی عورت ہو تو وہ اس کا محرم نہیں بن جاتا۔ لیکن احسان کی بنا پر اسے اس کا اجر  
ضرور ملے گا اگرچہ جس کی حاجت پوری کی گئی ہے، وہ کافر ہو۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾

اور احسان کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (البقرہ : ۱۷۵)

نیز فرمایا :

﴿ لَا يَنْهَكَ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُفَنِّلُواكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يَخْرُجُوا مِنْ دِينِكُمْ أَنْ تَبَرَّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾

جن لوگوں نے دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اگر  
تم ان سے نیکی کرو اور انصاف کا برتاؤ کرو تو اللہ تمہیں اس سے منع نہیں کرتا۔ بے شک اللہ تو انصاف کرنے  
والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (الممتحنہ : ۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ »

جب تک کوئی بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوتا ہے اللہ اس بندے کی مدد میں لگا ہوتا ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ »

جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں لگا ہوتا ہے تو اللہ اس کی حاجت میں لگا ہوتا ہے۔

یہ دونوں احادیث مسلمانوں کے حق میں ہیں اور صحیحین میں اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت  
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی ماں سے صلہ رحمی کا حکم دیا تھا حالانکہ وہ کافر تھی اور یہ بات اس  
وقت کی ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ کے درمیان مصالحت (صلح حدیبیہ) ہوئی تھی۔

رہے حربی کافر۔ تو ان کی کسی طرح کی بھی معاونت جائز نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے مقابلہ پر ان کی معاونت اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنكُمْ فَإِنَّهُ مِنَّهُمْ﴾

اور اگر تم میں سے کوئی ان کافروں سے دوستی رکھے گا تو وہ انہی سے ہے۔ (المائدہ : ۵۱)

جو خواب مجھے آتے ہیں، ان میں سے اکثر پریشان کن ہوتے ہیں اور میں

اپنے کنبہ میں اس کے اثر بھی دیکھتی ہوں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

سوال : میں اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہوں۔ الحمد للہ میری زندگی بخیر و عافیت گزر رہی ہے اور میں اپنے دین کا التزام رکھنے والی ہوں . . . اور جو خواب میں دیکھتی ہوں ان میں سے زیادہ تر پریشان کن ہوتے ہیں۔ پھر چند دن بھی نہیں گزرتے کہ وہ خواب نمود صبح کی طرح حقیقت بن کر سامنے آنے لگتے ہیں . . . اور میرے گھر والوں اور کنبہ والوں پر مصائب نازل ہونے لگتے ہیں . . . جب میں ایسا خواب دیکھتی ہوں تو اپنے گھر والوں کو بتلا دیتی ہوں اور وہ اس سے اللہ کی پناہ مانگنے لگتے ہیں . . . میں امید رکھتی ہوں کہ آپ مجھے ایسی بات بتلائیں گے جس سے یہ مصائب مجھ سے دور ہو جائیں۔

م-ع-الریاض

جواب : جو شخص خواب میں کوئی مکروہ بات دیکھے، اس کے لیے مشروع یہ ہے کہ جب جاگے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے . . . اور اس چیز سے بھی تین بار پناہ مانگے جو اس نے خواب میں دیکھی ہے۔ پھر اپنا دوسرا پہلو بدل لے . . . اس طرح وہ اسے نقصان نہیں دے گی . . . نیز ایسا خواب کسی کو مت بتلائیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو شخص کوئی برا خواب دیکھے تو وہی کام کرے جس کا ذکر ہوا ہے۔

اور اگر کوئی شخص خواب میں کوئی خوش کن بات دیکھے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور صرف اسی کو بتلائے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ایسا ہی ثابت ہے۔

میرا ایک چچا مجھے پینا کرتا تھا۔ وہ فوت ہو چکا ہے۔ اب وہ مجھے خواب میں ملتا ہے۔

مجھے ایسی بات بتلائیے جس سے مجھے اطمینان حاصل ہو ؟

سوال : میرا چچا اپنی زندگی میں مجھے پسند نہیں کرتا تھا، مجھے برداشت نہیں کرتا تھا۔ مجھے مارا کرتا تھا اور اب وہ فوت ہو چکا ہے۔

آج کل میں بڑے پریشان کن خواب دیکھتا ہوں . . . میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے اور میری چھوٹی بیٹی کو آملتا ہے۔ لیکن میں اس سے دوڑ جاتا ہوں اور وہ مجھے پکڑنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ میں آپ سے ایسی ہدایت کا متوقع ہوں، جو مجھے اس سے چین بخشنے۔

ب۔ع

جواب : یہ اور ایسے ہی دوسرے مکروہ خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور مسلمان کے لیے مشروع یہ ہے کہ جب کوئی برا خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور اس چیز سے بھی تین بار پناہ مانگے جو اس نے خواب میں دیکھی تھی۔ پھر اپنا دوسرا پہلو بدل لے تو اسے کچھ تکلیف نہ پہنچے گی اور ایسا خواب کسی کو نہ بتلائیے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ :

«الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللَّهِ، وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ. فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ وَمِنْ شَرِّ مَا رَأَى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ لْيَنْقَلِبْ عَلَى جَنْبِهِ الْآخَرَ، فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ، وَلَا يُخْبِرُ بِهَا أَحَدًا. وَإِذَا رَأَى مَا يُحِبُّ فَلْيُحَمِّدِ اللَّهَ، وَلْيُخْبِرْ بِهَا مَنْ يُحِبُّ»

سچے خواب اللہ کی طرف سے اور برے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ تو تم میں سے کوئی شخص جب برا خواب دیکھے تو اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے اور تین بار شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور اس چیز سے بھی تین بار پناہ مانگے جو اس نے دیکھی ہے۔ پھر اپنی دوسری کروٹ بدل لے۔ اس سے اسے کچھ تکلیف نہ پہنچے گی اور ایسا خواب کسی کو نہ بتلائے اور اگر کوئی اچھا خواب دیکھے تو اللہ کا شکر ادا کرے اور صرف اسے بتلائے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔

کیا زانی کو رجم کرنے والے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ خود معصوم اور برائیوں سے پاک ہو؟

سوال : جموریہ عربیہ میں شہر تعز میں کسی شرعی حاکم نے زانی کی وجہ سے کسی عورت کے حق میں رجم کا فیصلہ دیا تو بعض لوگ رجم کے بارے میں متردد ہوئے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ رجم کرنے والے کی شرائط میں سے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ وہ خود گناہوں سے پاک ہو اور اس سلسلہ میں لوگوں نے



بہت باتیں کیں۔

مجھے خیال آیا کہ میں اپنا سوال آپ کو لکھ بھیجوں۔ شاید آپ سے مجھے اس کا شافی حل مل سکے؟

احمد۔ م۔ س۔ ن

جواب : مجھے تعز کی عدالت کے فیصلہ سے بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس نے شادی شدہ زانیہ کے لیے رجم کی سزا دی ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی حد قائم ہوتی ہے۔ جس سے اکثر اسلامی حکومتیں غفلت برت رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عدالت کو اچھا بدلہ دے اور حکومت یمن اور باقی سب اسلامی حکومتوں کو توفیق دے کہ وہ حدود اور دوسرے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے میں انہی کے کام کی صلاح اور دنیا و آخرت میں ان کی سعادت ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس معاملہ میں تعاون کریں . . . اور جو شخص شادی شدہ زانی کے رجم میں شریک ہو اسے اجر ملے گا اور جب رجم کا شرعی حکم صادر ہو چکا تو اب کسی کے لیے مناسب نہیں کہ اس میں رکاوٹ پیدا کرے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو معاذ سلی، یہودی اور یہودن، غامدی عورت اور ان کے علاوہ دوسروں کے رجم کا حکم دیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی اور مسلمان حدود اور دوسرے معاملات میں صحابہ کے طریقہ کی ہی موافقت کرتے رہے۔

اور رجم میں شریک ہونے والے کے لیے یہ شرط ہرگز نہیں کہ وہ معصوم اور گناہوں سے پاک ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی۔ لہذا کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ ایسی شرط لگائے جس پر اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے کوئی دلیل موجود نہ ہو . . . اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جب کسی شخص پر مصیبتیں آئیں تو کیا اسے ذبیحہ قربانی کرنا

اور اس کا کچھ حصہ صدقہ کر دینا جائز ہے؟

سوال : جب کسی شخص کو اس کے پاؤں میں یا ہاتھ یعنی اس کے جسم میں تکلیفیں پہنچیں تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لیے جائز ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ذبیحہ قربانی کرے اور اس کا کچھ حصہ صدقہ کر دے؟

خالد۔ ی۔ مکہ المکرمہ

جواب : صدقہ دائمی طور پر مشروع ہے۔ خواہ صحت کی حالت ہو یا مرض کی۔ کیونکہ صدقہ مصیبتوں کو دور کرنے اور گناہوں کو ناپود کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ لہذا جس شخص کو اس کے ہاتھ میں یا پاؤں میں یا باقی بدن میں کوئی دکھ پہنچے تو وہ نقد رقم صدقہ کرے یا کھانا کھائے یا فقراء میں گوشت تقسیم کرے اور

یہ امید رکھے کہ اللہ اس سے مصیبت کو دور کر دے گا تو اس پر ایسے ہی رحم فرمائے گا، جیسے اس نے فقراء پر رحم کیا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

« الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ . إِزْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمَكُم مِّنْ فِي السَّمَاءِ »  
 رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ (رحمن) رحم کرتا ہے۔ لہذا جو زمین میں ہیں تم ان پر رحم کرو۔ تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا :

« مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ »

جو رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔  
 اور اللہ عزوجل فرماتے ہیں :

﴿ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴾

اور احسان کرو بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (البقرہ : ۱۷۵)  
 نیز فرمایا :

﴿ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴾

بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہے۔ (الاعراف : ۵۶)

میں ایک مسجد میں مؤذن ہوں اور میرے پاس نیشنلٹی کارڈ نہیں ہے میں نے ایک شخص سے اس بات پر اتفاق کیا کہ میں اس کے نام پر تنخواہ طلب کرنے کی درخواست دوں۔ کیا یہ جائز ہے؟

سوال : میں ایک نوجوان آدمی ہوں۔ مجھے نیشنلٹی کارڈ نہیں مل سکا۔ میں ایک مسجد کا مؤذن ہوں۔ مجھے امام مسجد نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ اوقاف والوں کو لکھوں کہ تجھے تنخواہ ملنا چاہئے۔ ہم اذان کے کام میں کسی دوسرے شخص کا نام لکھیں گے اور اذان کے کام اور تنخواہ کی ادائیگی تمہارے لئے ہوگی۔ کیا ایسی تنخواہ لینا جائز ہے یا باطل۔ اور جو تنخواہ میں لے چکا ہوں، اس کا کیا کروں۔ کیا اسے صدقہ کر دوں یا کوئی اور مصرف ہے؟

ع۔ ص۔ ج۔ ۱۔ تقصیم

جواب : ایسی تنخواہ مکروہ اور باطل ہے جو جائز نہیں اور آپ پر لازم ہے کہ یہ رقم اوقاف کو واپس کریں اور اگر یہ بات میسر نہ ہو تو اسے فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیں۔ کیونکہ یہ کسی حق کے بغیر مال لیا گیا ہے

اور اگر اس رقم کو ان لوگوں پر صرف کرنا میسر نہ آئے تو کسی بھی بھلائی کے کام میں جیسے فقراء سے نیکی یا پانی کی سیلوں کی درستی یا ایسے ہی دوسرے کاموں میں خرچ کر دی جائے۔

### کفارے تقسیم نہیں ہوتے

سوال : دو کاروں میں ٹکر ہو گئی۔ سامنے والی کار میں دو شخص تھے جن میں سے ایک مر گیا۔ پولیس والوں کے بیان اور پاس سے گزرنے والوں کے اندازہ کے مطابق ۳۰ فی صد غلطی پہلی کار والے کی تھی اور ۷۰ فی صد دوسری کار والے کی۔ پہلی کار والا کفارہ میں روزے رکھنا چاہتا ہے۔ کیا اب وہ پورے دو ماہ کے روزے رکھے گا یا غلطی کی نسبت کے حساب سے رکھے گا۔ جیسا کہ دیت کی صورت میں ہوتا ہے؟

قاسم۔ م۔ جامعہ ملک سعود

جواب : اگر قتل خطا میں دو آدمی شریک ہوں تو ان میں سے ہر ایک پر مستقل کفارہ ہوتا ہے کیونکہ کفارے منقسم نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اہل علم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

مکتبہ المدینہ

۹۹۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

17748

## اس کتاب میں

عقیدہ، قربانی، تصویروں، مجسموں  
منتر اور تعویذ، وضو، غسل، طہارت، اذان،  
نماز، زکوٰۃ، روزے، حج اور اس سے متعلقہ  
مسائل، سود، بینکوں کے معاملات، وصیت،  
میراث، نکاح، طلاق، پردہ، اطاعت والدین، غنا،  
موسیقی اور معاشرتی زندگی سے متعلق متفرق  
معاملات پر 270 سے زائد سوالوں کے جوابات  
قرآن و حدیث کی روشنی میں مفتی اعظم سعودی  
عرب نے دیئے ہیں۔ اُردو زبان میں اپنی  
نوعیت کی یہ پہلی اور منفرد کتاب ہے جس  
میں روزمرہ زندگی میں پیش آنے  
والے بہت سے سوالات کا  
جواب موجود ہے۔



# دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض، جدہ، الخبر، شارجہ  
لندن، ہیوسٹن، نیویارک، لاہور

ISBN 9960-740-36-6



9 789960 740362

